سیرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

تالیف: مولانا محمد نافع مدظلہ

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ وجل مجدہٗ

اولٰئک ھم المؤمنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم

آخر سورۃ انفال پ ۱۰

وہی لوگ مومن برحق ہیں۔ ان کیلئے بخشش اور روزی نیک ہے

سیرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

خلفائے راشدین میں سے رابع خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کی سیرت کو چار مختلف ادوار میں تقسیم کر کے مختصر طور پر مدون کیا گیا ہے۔ آں جنابؓ کی سیرت کے اہم پہلو نمایاں طریقہ سے پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے جمل و صفین کے مباحث ایک خاص انداز میں تحریر کیے گئے ہیں اور بعض مقامات میں بقدر ضرورت ازالہ شبہات بھی کر دیا گیا ہے۔ اور غالیوں کے غلو پر سلیقہ سے نشاندہی کر دی گئی ہے — مختصر یہ ہے کہ آنجنابؓ کے احوال و سوانح اور فضائل و اخلاق کا ایک مرقع ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا ہے!

تالیف: مولانا محمد نافع مدظلہٗ

دار الکتاب
کتاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور 7235094

سلسلہ مطبوعات / 142

نام کتاب	:	سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
تالیف	:	مولانا محمد نافع مدظلہ
ناشر	:	دار الکتاب غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور 042-7235094
طابع	:	زاہد بشیر پرنٹرز
اشاعت	:	جنوری 2007ء
قیمت	:	-/300

قانونی مشیر

مہر عطاء الرحمٰن ایڈووکیٹ ہائیکورٹس. پاکستان

فون: 0300-4356146, 042-7080020

باہتمام

حافظ محمد ندیم

0300-8477008

کلماتِ تشکّر

بندہ کی تالیفات کی ترتیب وتدوین اور ان کی طباعت واشاعت میں تعاون کرنے والے دوستوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرنا۔ اخلاقی فرض ہے۔

بنابریں اس کام میں عزیز مخدوم مقبول حسین صاحب جناب لیاقت علی جناب نصرت صاحب اثیرؔ کی خصوصی نصرت کا بندہ بیحد شکر گزار اور احسان مند ہے۔

مالک کریم ان عزیزوں کے اس تعاون علی الخیر کو مقبول ومنظور فرمائے۔ اور آخرت میں باعثِ اجر وثواب بنائے۔

محمد نافع عفا اللہ عنہ

دعاگو: محمدی شریف۔ ضلع جھنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

فہرست مضامین

سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

صلح حدیبیہ 69

خیبر کے متعلقات

عمرۃ القضاء 86

خلافت صدیقؓ اور سیدنا علیؓ

خلافت فاروقیؓ اور سیدنا علیؓ

خلافت عثمانیؓ اور
سیدنا علی کرم اللہ وجہہ

خلافت عثمانیؓ کے آخری ایام اور مرتضویؓ خلافت کا ابتدائی دور

دور چہارم

عہد علویؓ

واقعہ جمل

مسئلہ خوارج

فضائل و مناقب علوی

افتاء و قضاء

عہد علوی کا عملی نظم

معاملات میں عدل و انصاف

معاشرتی احوال

معاشی حالات

خصوصی امامت کا مسئلہ اور ائمہ کا مقام

بعض نصائح اور وصایا

سیدنا علی المرتضیٰؓ اور بعض فقہی مسائل

سیدنا علی المرتضیٰؓ کی شہادت کا واقعہ

بسم الله الرحمن الرحيم

سیرتِ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوٰۃ والسلام علی سید الاولین والآخرین امام الرسل وخاتم النبیین وعلی ازواجہ المطہرات وبناتہ الطاھرات وعلی اھل بیتہ الطیبین وعلی الخلفاء الراشدین وعلی سائر اصحابہ المزکین المنتخبین الذین جاھدوا فی دین اللہ حق جہادہ و نصروہ فی ھجرتہ وھاجروا فی نصرتہ وعلی اتباعہ باحسان الی یوم الدین وعلی جمیع عباد اللہ الصالحین ۔

اللہ جل مجدہٗ کی حمد و ثناء اور اس کے تمام نیک بندوں پر سلام ذکر کرنے کے بعد عرض ہے کہ خلفاءِ راشدین میں سے خلیفۂ چہارم حضرت امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سوانح اور سیرت کے متعلق یہ چند چیزیں مرتب کی ہیں جن میں سیدنا علی المرتضیٰ رضؓ کی زندگی کے احوال کا بیان ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حیاتِ طیبہ کے احوال کو ان کی شان کے شایان مرتب کرنا بندۂ ناچیز کی فکر و دانش سے بہت بالا ہے۔ تاہم اس دور کی ضرورت کے تحت یہ ایک حقیر کوشش ہے جو پیشِ خدمت کی جا رہی ہے۔

سوانح میں افراط وتفریط

جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والاصفات کے حق میں بعض لوگ افراط کئے ہوتے ہیں ۔ یہ اپنے طبقہ کو شیعانِ علیؓ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ ان کو روافض کہا جاتا ہے ۔ اور بعض لوگ تفریط[1] اور کوتاہی کرتے ہیں ان کو نواصب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ اور یہ سلسلہ پوری تاریخ میں برابر چلا آیا ہے ۔ اس دور میں بھی ہمارے ملک میں یہ افراط و تفریط موجود ہے ۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی پیشگوئی کی تھی کہ میرے بارے میں یہ دو طرح کے گروہ پیدا ہو جائیں گے اور صحیح لوگ ان میں درمیانے درجہ میں ہوں گے ۔

ان احوال کے پیشِ نظر کوشش ہے کہ جادۂ اعتدال پر چل کر حتی المقدور صحیح چیزیں مرتب کی جائیں ۔

ایک مشکل امر

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سوانح میں ایسی چیز مرتب کر لینا جو مسلمانوں کے تمام طبقوں میں یکساں قبولیت کا شرف حاصل کر سکے نہایت مشکل امر ہے ۔ اسی سلسلہ میں اس دور کے مشہور اہلِ قلم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بجا طور پر تحریر کیا ہے کہ

"تاریخِ اسلام کے کسی شخص کی سوانح عمری لکھنا غالباً اتنا دشوار نہیں ہے جتنا حضرت علیؓ کی ۔ کیونکہ اس میں تعلق بدقسمتی سے عقائد سے ہو گیا ہے اور سنی اور شیعہ ، معتزلی اور اباضی (خارجی) مؤرخ بھی بے شوری میں جذبات سے اتنے متاثر نظر آتے ہیں کہ آج

---

[1] قولہ تفریط :- پاکستان میں " شمائلِ علی " کے نام سے حال ہی میں ایک کتاب کراچی میں تمنا احمد شاکر کی جانب سے شائع ہوئی ہے جس میں سیدنا علی المرتضیٰ رضؓ کی حد درجہ تحقیر و تنقیص کی گئی ہے اور آنجنابؓ کے مقام و مرتبہ کو گرانے کیلئے جلی جیالی کیساتھ واقعات کی قطع و برید کی گئی ہے اور انہیں نہایت قبیح شکل میں پیش کیا گیا ہے ۔ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی اولاد حضرات حسنین شریفینؓ کیساتھ بھی انکو قلبی عناد ہے جیسا کہ اس کے مندرجات سے ظاہر ہے ۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہ لوگ کراچی میں نمودار ہوئے اور اب یہ دیگر شہروں میں بھی پھیلے جا رہے ہیں ۔ ان ہر دو فرقوں " نواصب " اور " روافض "

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد بھی دامن سمیٹ کر کوئی ایسی چیز لکھنا آسان نہیں جسے سب قبول کر سکیں"۔ ؎

کتاب کا اجمالی خاکہ

کتاب ہذا "سیرت سیدنا علی رض" کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رض کی ولادت سے لے کر ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک دور ہے۔ پھر ہجرت مدینہ سے انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک دوسرا دور ہے۔ اس کے بعد خلفاء ثلاثہ رض کا عہد تیسرا دور ہے۔ اور آخر میں جناب سیدنا علی المرتضیٰ رض کی ابتداء خلافت سے لے کر آنجناب رض کی شہادت تک یہ آخری دور ہے۔

کتاب ہذا میں جتنا مواد پیش کیا جا رہا ہے یہ سب اہلسنت والجماعت کے نظریات وعقائد کے مطابق مرتب کیا گیا ہے اور جن مقامات میں اشکال اور شبہات پیش ہوتے ہیں ان کے ازالہ کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں کہیں شیعہ کی معتبر کتب سے بھی حوالہ جات ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ صرف اپنے نقطۂ نظر کی تائید اور قاری کے اطمینانِ قلب کی خاطر ہیں۔

کتاب ہذا کسی مناظرہ و مجادلہ کے ارادہ سے نہیں لکھی گئی فلہذا ہمیں کسی جوابی کاروائی کا انتظار ہرگز نہیں۔ ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا صحیح مقام بیان کرنا اور ان کے اعمال واخلاق اور کردار کو پیش کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو منظور فرمائے۔ اور اہل اسلام کے لئے اس حقیر سی سعی کو مفید بنائے۔

اعتذار

"سیرت مرتضوی رض" کے اہم مسائل میں جن گوشوں کو قابل وضاحت سمجھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کا تقابل بڑا خطرناک اور عبرتناک ہے۔ دونوں طبقے تفریط و افراط کی راہ لئے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے اہل اسلام کو نقصانِ عظیم پہنچ رہا ہے۔

؎ "سہ ماہی مجلہ فکر و نظر" ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد۔ پاکستان۔ ماہ جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۵ء ص۵۵ تحت عنوان "حضرت علی رض بن ابی طالب"۔

گیا ان کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اس کے تمام گوشے بیان نہیں ہو سکے۔ بندہ معذرت خواہ ہے کہ کتاب میں اس فن کے اہلِ قلم کی طرح عبارت آرائی میسر نہیں۔ سیرت نویسوں جیسی اعلیٰ نگارش نہیں پائی گئی، لیکن سادہ عبارت کے لباس میں ضروری مضامین کو زیرِ قلم کیا ہے۔ البتہ یہ کوشش رہی ہے کہ اس مضمون کے طلب گاروں کے لیے اس مرحلہ کا علمی مواد پیش کیا جائے۔ اور عموماً اصل عبارت بھی ساتھ دے دی جائے تاکہ اہلِ تحقیق حضرات مراجع کی طرف رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکیں اور اپنے ذوق کے مطابق مزید فوائد پر مطلع ہو سکیں۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ کا نسب و خاندان

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ وجہہ کا اسم شریف "علی بن ابی طالب" ہے۔ اور کنیت "ابوالحسن" اور "ابوتراب" ہے۔ اور "اسد اللہ" اور "حیدر" اور "المرتضیٰ" آپ کے مختلف القاب ہیں۔

خاندان

جناب کا خاندان بنی ہاشم ہے۔ قریشِ مکہ میں یہ حضرات اپنے گوناگوں اعزازات کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے حرم کعبہ کی خدمات اور سقایہ زمزم کے انتظامات ان کی نگرانی میں تمام ہوا کرتے تھے اور حجاج کرام کے ساتھ تعاون و امداد اور راحت رسانی کے سامان فراہم کرنے میں یہ حضرات ممتاز تھے [1]

سب سے بڑا شرف جو بنو ہاشم کو اللہ رب العزت کی طرف سے نصیب ہوا وہ سرورِ کائنات (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بعثت شریف ہے جو تمام اعزازوں سے فائق تر ہے۔ جناب کی ذاتِ اقدس کی وجہ سے ان حضرات کو تمام قبائل پر وہ شرف و فضل حاصل ہوا جو قریش کے کسی دیگر خاندان کو نہیں حاصل ہو سکا۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

پہلے بالاختصار جناب مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور والدہ محترمہ، برادران

---

[1] دیکھئے البدایہ لابن کثیر ج ۲، ص ۲۵۴۔ باب ذکر نسب شریف۔

دخواہران ، کا ذکرِ خیر کیا جاتا ہے اس کے بعد سوانح علوی کا تذکرہ ہوگا۔ اور جناب رض کے ازواج گرامی اور اولاد شریف کے احوال انشاءاللہ تعالیٰ آخر کتاب میں اجمالاً ذکر کیے جائیں گے۔ بعونہ تعالیٰ۔

والد جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام "عبدمناف" ہے۔ اور بعض نے عمران بھی لکھا ہے۔ لیکن آپ اپنی کنیت ابوطالب کے ساتھ مشہور ہیں۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے کہ

علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ[1]

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب اور زبیر بن عبدالمطلب ابوطالب کے حقیقی برادر تھے اور ان تینوں برادران کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ تھیں[2]۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ابوطالب عمر میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پنتیس ۳۵ برس بڑے تھے۔ جب ان کے والد عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو اس وقت انھوں نے ابوطالب کو اپنے پوتے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی کفالت کی وصیت فرمائی تھی[3]۔

اسی بناء پر ابوطالب مدۃ العمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کرتے رہے اور مشکل مراحل میں ان کا تعاون آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا اور قریش مکہ کے مظالم کے مواقع میں بھی آپ حضور

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ، ج ۷ ، ص ۲۲۳۔ تحت ترجمہ علی بن ابی طالب (ابتدا خلافت مرتضوی)۔

(۲) اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ، ج ۴ ، ص ۱۶۔ تحت ترجمہ علی المرتضیٰ رض۔

[2] نسب قریش لمصعب الزبیری ، ص ۱۷۔ تحت ولد عبدالمطلب بن ہاشم۔

[3] (۱) البدایہ لابن کثیرؒ ، ج ۲ ، ص ۲۸۲۔ تحت مضمون کفالت۔ (۲) الاصابہ لابن حجر ، ج ۴ ، ص ۱۱۵۔ تحت کنیت ابی طالب۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی کرتے رہتے اور قوم کی ایذا رسانی کی صورت میں آپ مدافعت بھی کرتے تھے۔ ابو طالب کی زندگی میں جن مقامات میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے مصائب پیش آئے ان کے دفاع میں ابوطالب نے دستِ تعاون دراز رکھا اور آپ کی حمایت کرتے رہے۔

مسئلہ کفالت کے متعلق تنبیہ

بعض لوگ مسئلہ کفالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تجاوز کرتے ہوئے اس بات پر مصر ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل ابوطالب نہیں تھے بلکہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ انہوں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا ذمہ لے رکھا تھا۔ مگر یہ مسئلہ تحقیق کے مطابق نہیں اور علماء کرام نے زبیر بن عبدالمطلب کے کفیل ہونے کی بجائے ابوطالب کی کفالت کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ اس مسئلہ میں مقامات ذیل ملاحظہ فرمائیں [1]

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوطالب کے تعاون کے واقعات سیرت کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں اور متعدد مقامات میں آپ نے قریش کی طرف سے ایذاء رسانی کی حتی المقدور مدافعت کی [2]

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ ابوطالب ایمان لے آئیں اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا متعدد بار اظہار فرمایا لیکن وہ ملتِ عبدالمطلب پر قائم رہے اور آپ

---

[1] انساب الاشراف للبلاذری : ج ۱ : ص ۸۵ ۔ مجلد اوّل تحت بحث کفالت ۔

(۲) سیرۃ حلبیہ : ج ۱ : ص ۱۳۴ و ۱۳۵ ۔ تحت باب وفاتِ عبدالمطلب ..... الخ

(۳) تاریخ الخمیس : ج ۱ : ص ۲۵۳ ۔ تحت کفالت ابی طالب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر : ج ۳ : ص ۱۲۲ ۔ فصل فی وفات ابی طالب ۔

(۲) الاصابہ لابن حجر : ج ۴ : ص ۱۱۵ تحت کنیت ابی طالب ۔

(۳) سیرت ابن ہشام : ص ۴۱۶ ۔ تحت طمع المشرکین فی الرسول بعد وفات ابی طالب ۔

کا اسی پر خاتمہ ہوا اور ایمان نہیں لائے [1]

تنبیہ ایمان ابو طالب کے متعلق

ابو طالب کے ایمان کی بحث میں جمہور علمائے مفسرین محدثین وفقہاء و اہل سیر اور اہل تاریخ نے تصریح کر دی ہے کہ ابو طالب ملت عبد المطلب پر فوت ہوئے اور ایمان نہیں لا سکے۔ بحث ہذا کو حافظ ابن کثیر رح نے اپنی تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۴ و ۳۹۵۔ تحت آیت انک لا تھدی من احببت الخ میں۔ اور البدایہ ؛ ج ۳۔ ص ۱۲۲ تا ۱۲۶ میں۔ اور حافظ ابن حجر رح نے الاصابہ ؛ ج ۴ ؛ ص ۱۱۵ تا ۱۱۹۔ میں پوری تفصیل اور دلائل کے ساتھ لکھا ہے۔ بعض لوگوں کی طرف سے جو بعض ضعیف روایات اثبات ایمان میں پیش کی گئی ہیں ان کا جواب بھی وہاں بطریق احسن دیا جا چکا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صحیح روایات کے مقابلہ میں ضعیف روایات قبول نہیں کی جاتیں۔ "القوی لا یوثر فیہ مخالفۃ الضعیف" [2] فالضعیف لا یظھر فی مقابلۃ القوی" [3]

تاریخ وفات

سیرت نگاروں نے یہاں بھی متعدد روایات درج کی ہیں تاہم مشہور اقوال کی روشنی میں اتنا جاننا کافی ہے کہ بعثت نبوی کے دس برس گزرنے کے بعد ابو طالب کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر اسّی سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اور شعب ابی طالب

---

[1] (۱) البدایہ لابن کثیر رح ج ۳ ؛ ص ۴۱ ، ج ۳ ، ص ۱۲۲ تا ۱۲۶ ۔ تحت فصل فی وفات ابی طالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (۲) الاصابہ لابن حجر رح ؛ ج ۴ ؛ ص ۱۱۵ تا ۱۱۹ ۔ تحت کنیت ابی طالب ۔ (۳) فتح الباری شرح بخاری ؛ ص ۱۵۴ ۔ جلد سابع باب قصۃ ابی طالب ۔

[2] شرح نخبۃ الفکر ، ص ۴۴ ۔ طبع مجتبائی دہلی ۔ تحت تقسیم المقبول ۔

[3] کتاب اصول السرخسی ، ج اول ، ص ۳۳۶ ۔ طبع اول ۔

میں محاصرہ و مقاطعہ کا واقعہ سابقاً گزر چکا تھا لیکن سال وہی تھا۔ پھر انہی ایام میں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے انتقال کا صدمۂ عظمیٰ بھی پیش آیا۔ ان دونوں حضرات کا یکے بعد دیگرے انتقال آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہایت اندوہ گین تھا۔ اس بنا پر اس سال کو "عام الحزن" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ہر دو صدمات واقعہ ہجرت سے تین برس قبل پیش آئے تھے۔ ان واقعات کے "ماہ و ایام" میں مختلف اقوال ہیں ہم نے ان کو ذکر نہیں کیا۔ صرف برسوں کی تعیین کو تحریر کر دینا کافی سمجھا گیا ہے۔ [1]

والدہ

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی "فاطمہ" بنتِ اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔ یہ پہلی ہاشمیہ خاتون ہیں جن کی شادی ہاشمی بزرگ سے ہوئی اور ان سے نجیب الطرفین ہاشمی متولد ہوئے۔ آپ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں ہی وفات پائی۔ بعض لوگوں کے نزدیک انہوں نے ہجرت نہیں کی اور ان کی وفات ہجرتِ مدینہ سے قبل ہوگئی۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ وہ اسلام سے مشرف ہوئیں اور انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔

علماء کرام آنمحترمہ کی مدینہ طیبہ میں سکونت کے عہد کا واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک دفعہ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں گزارش کی کہ فاطمہ بنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے خانگی امور مثلاً پانی لانا اور گھر سے باہر کے کاموں میں معاونت یہ میں نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اور اندرونِ خانہ کام کاج مثلاً چکی پیسنا، آٹا گوندھنا وغیرہ میں وہ

---

[1] (۱) سیرت ابن ہشام؛ ص ۴۱۶؛ جلد اول۔ تحت وفات ابی طالب وخدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا۔

(۲)۔ البدایہ لابن کثیر؛ ج ۳؛ ص ۱۲۲۔ فصل فی وفات ابی طالب۔ البدایہ لابن کثیر؛ ج ۳ ص ۱۲۷۔ فصل فی موت خدیجہ رضؓ بنت خویلد۔

(۳) تاریخ الخمیس؛ ج اول؛ ص ۳۰۰، ۳۰۱۔ تحت وفات ابی طالب، تحت وفات خدیجۃ الکبریٰ رضؓ۔

آپ کی کفایت کریں[1]۔ یعنی آپ کے لئے ان امور میں کسی پریشانی کا سامنا نہ ہو۔

جب کچھ مدت کے بعد حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے انتقال فرمایا تو اس موقعہ پر سروارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کفن و دفن کے انتظامات فرمائے اور اپنا قمیص مبارک ان کے کفن میں شامل فرمایا اور قبر کے تیار ہونے پر پہلے خود اس میں داخل ہوئے اسے متبرک فرمایا، اور ان کے لئے دعاءِ مغفرت فرمائی[2]

اس موقعہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے آنمحترمہ رضؓ کی عزت افزائی اور قدر دانی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ابوطالب کے بعد میری نگہداشت اور ضروریات پورا کرنے میں ان کی بہت بڑی خدمات ہیں۔ اور میں نے ان کے حق میں اللہ کریم سے دعاء کی ہے کہ ان پر قبر کے شدائد آسان ہوں۔

صاحب تاریخ الخمیس نے لکھا ہے کہ فاطمہ بنت اسد رضؓ کا انتقال ۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا تھا[3]

برادران ابوطالب کے چار فرزند تھے۔ ان کے نام علی الترتیب ذکر کئے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا طالب تھا۔ اس کے بعد عقیل، اس کے بعد جعفر اور سب سے چھوٹے فرزند علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔

---

[1] (۱) اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۱۷۔ تحت فاطمہؓ بنت اسد۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج ۲۔ ص ۹۱ تحت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) الاصابہ لابن حجرؒ، ص ۳۶۸ و ۳۶۹، جلد رابع تحت فاطمہ بنت اسد۔

[2] (۱) اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۱۷۔ تحت فاطمہؓ بنت اسد۔

(۲) الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۷۰۔ تحت ترجمہ فاطمہ بنت اسد۔ بمع الاصابہ۔

(۳) تاریخ الخمیس، ص ۴۶۷ و ۴۶۸، جلد اوّل۔ تحت وفات فاطمہ ام علی بن ابی طالب۔

[3] تاریخ الخمیس، جلد اوّل، ص ۴۶۷ و ۴۶۸۔ تحت وفات فاطمہ ام علی بن ابی طالب۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں میں سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا تھیں۔ ادھر حضرت علی رض اپنے باپ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے مورخین اس مقام میں ایک تاریخی تجزیہ ذکر کیا کرتے ہیں کہ ان چاروں بھائیوں کی ولادت کے درمیان دس دس برس کا وقفہ ہے۔ یعنی چاروں بھائی ایک دوسرے سے دس دس سال بعد متولد ہوئے [1]

طالب — ان برادران میں سے طالب سب سے بڑا تھا۔ اور وہ غزوۂ بدر میں کفار کی طرف سے شامل ہوا تھا۔ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے [2]

عقیل — باقی تین بھائیوں میں عقیل سب سے بڑے تھے۔ ان کی کنیت ابویزید ہے۔ عقیل جعفر اور علی المرتضیٰ رض ان تینوں حضرات کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ جن کا تذکرہ قبل ازیں کیا گیا ہے۔

عقیل جنگ بدر میں مشرکین مکہ کی طرف سے شامل ہوئے تھے۔ پھر بدر کے قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرح یہ بھی قید ہوئے تھے۔ بعد میں حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کا فدیہ ادا کیا اور خلاصی کرائی تھی [3]

بعض علماء کے نزدیک آپ صلح حدیبیہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور یہ بھی تذکرہ

---

[1] (۱)۔ نسب قریش لمصعب الزبیری ، ص ۳۹۔ تحت ولد ابی طالب۔

(۲)۔ البدایہ ، ج ۷ ، ص ۲۲۲۔ تحت ترجمہ علی بن ابی طالب۔

(۳)۔ الاستیعاب ، ج ۳ ، ص ۳۷۔ تحت علی بن ابی طالب۔

(۴)۔ تاریخ الخمیس ، ج اوّل ، ص ۱۶۳۔ تحت ذکر ابی طالب و اولادہ۔

[2] (۱)۔ تاریخ الخمیس ، ج ۱ ، ص ۱۶۳۔ تحت ذکر ابی طالب و اولادہ۔

(۲)۔ ذخائر العقبیٰ ، لمحب الطبری ، ص ۲۰۷۔ تحت الباب الاوّل فی ذکر اولاد ابی طالب۔

[3] طبقات لابن سعد ، ج ۴ ، ص ۲۹۔ تحت عقیل بن ابی طالب۔

نویس لکھتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل آپ اسلام لائے تھے اور غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے تھے۔[1]
اپنے دور میں آپ انساب قریش اور احوال قبائل کے بہت بڑے فاضل تھے اور مکالمات میں بڑے حاضر جواب تھے۔ اور لوگ ان کی طرف ان مسائل میں رجوع کرتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بعض دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور کئی ایام ان کے ہاں قیام کیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی بڑی قدر دانی فرمائی اور عزت افزائی کی۔[2]

واقعہ ہذا شہادت دیتا ہے کہ بنی ہاشم اور اولادِ ابی طالب کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قبائلی تعصب نہ تھا۔ ان کے درمیان خاندانی عداوتیں حائل نہ تھیں۔ ان کے مابین سلسلۂ آمد و رفت جاری و ساری رہتا تھا اور باہمی معاشرتی معاملات میں کشیدگی نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عقیل کے متعلق اہل سیر نے لکھا ہے کہ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔ اور بعض کے نزدیک ان کا انتقال واقعہ حرہ سے قبل دورِ یزید میں ہوا ہے۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ، ج ۴ ، ص ۲۹ ، ۳۰۔ تحت عقیل بن ابی طالب۔
(۲) ذخائر العقبی لمحب الطبری ، ص ۲۲۲ تحت ذکر اسلامہ۔

[2] (۱) تاریخ الخمیس ، ج ۱ ، ص ۱۶۳۔ تحت ذکر اولاد ابی طالب۔
(۲) الاصابہ لابن حجر ، ج ۲ ، ص ۴۸۷۔ تحت عقیل بن ابی طالب۔

[3] (۱) الاصابہ لابن حجر ، ج ۲ ، ص ۴۸۷۔ تحت عقیل بن ابی طالب۔
(۲) طبقات ابن سعد ، ج ۴ ، ص ۳۰۔ تحت عقیل بن ابی طالب۔
(۳) تاریخ الخمیس ، ج ۱ ، ص ۱۶۳۔ تحت ذکر ابی طالب و اولادہ۔

جعفر الطیّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کا نام جعفر بن ابی طالب اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔ ان کے مشہور القاب "الطیار" اور "ذوالجناحین" ہیں۔ اور تیسرا لقب "ابوالمساکین" بھی ہے۔ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی برادر ہیں۔ عقیل سے چھوٹے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑے ہیں۔ ان کی خصوصی صفت اہلِ سیر یہ لکھتے ہیں کہ لوگوں میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خُلق اور خَلق کے اعتبار سے زیادہ مشابہ تھے۔ آپؓ قدیم الاسلام تھے اور پچیس یا تیس آدمیوں کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں ہجرتوں کے ساتھ مشرف فرمایا۔ پہلی ہجرت جو اہلِ اسلام نے حبشہ کی طرف کی تھی وہ اپنی اہلیہ اسماء بنتِ عمیس کے ہمراہ تھی اور حبشہ سے واپسی کے بعد دوسری بار مدینہ شریف کی طرف ہجرت بھی آپ کو نصیب ہوئی۔

قیامِ حبشہ کے دوران ان کا ایک نمایاں کارنامہ حدیث وسیرت کی کتابوں میں ملتا ہے کہ نجاشی شاہِ حبشہ کے دربار میں آپ نے صداقتِ اسلام پر ایک نہایت اعلیٰ تقریر کی۔ جس میں توحید کا بیان، رسالت کے فضائل اور اسلام کے محاسن بیان کیے تھے۔

جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حبشہ سے واپس ہوئے تو اس وقت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ خیبر کے سلسلہ میں خیبر تشریف لے گئے ہوئے تھے یہ ۷ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

اسلام میں جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بے شمار کارنامے ہیں۔ آپ بڑے عمدہ فضائل وخدمات کے حامل تھے۔ ہم نے یہاں اختصاراً چند ایک چیزیں عرض کی ہیں یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت غزوۂ موتہ میں ہوئی۔ غزوۂ موتہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں پیش آیا تھا۔ اس غزوہ میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کرام رضؓ شامل ہوئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرِ جیش زیدؓ بن حارثہ کو بنایا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیرِ جیش ہوں گے۔ اور اگر جعفرؓ بھی شہید

ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضؓ امیرِ جیش ہوں گے۔ غزوہ ہذا میں ان ہر سہ حضرات کو شہادت نصیب ہوئی۔ ان کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسلمانوں کی کمان کی۔

شدّتِ قتال کے وقت حضرت جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کفار کی افواج کے اندر گھس کر حملہ آور ہوئے۔ آپ کے دونوں بازو قلم ہو گئے۔ اپنے بدن کے سامنے والے حصّہ پر چوّن[۵۴] زخم کھا کر شہید ہوئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ کے بدن مبارک پر کل نوّے زخم آئے تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو جنت میں دونوں بازوؤں کی جگہ دو پر عطاء فرمائے گئے ہیں اور وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ اسی بناء پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "ذوالجناحین" اور "الطیار" کے القاب سے نوازا۔

ان حضرات کی شہادت کی اطلاع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو بیان فرمائی۔ پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے گھر اسماء بنتِ عمیس رضؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اطلاع شہادت کے بعد ان کے اہل و عیال کو صبر کی تلقین فرمائی۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عمر شہادت کے وقت ایک قول کے مطابق اکتالیس برس تھی۔

واقعات بالا کے لئے مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ ہوں۔

۱ : بخاری شریف باب غزوہ موتہ۔ ۲ : بخاری شریف باب مناقب جعفر رضؓ

۳ : مسلم شریف باب فضائل جعفر رضؓ ۴ : اسدالغابہ (تحت جعفر بن ابی طالب)

۵ : اسدالغابہ (تحت اسماء بنت عمیس)۔

۶ : الاصابہ لابن حجرؒ۔ ص ۲۳۹ : جلد اوّل۔ تحت جعفر بن ابی طالب۔

۷ : مجمع الزوائد للہیثمی : جلد تاسع (۹) : ص ۲۷۲۔ مناقب جعفر بن ابی طالب۔

۸ : تاریخ الخمیس : ص ۱۶۳ : جلد اوّل۔ تحت ذکر ابی طالب و اولادہ۔

خواہران — حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دو حقیقی ہمشیرگان " ام ہانی " اور " جمانہ " ہیں اور ان کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف ہیں۔ سطور ذیل میں ان کے مختصر احوال ذکر کئے جاتے ہیں۔

ام ہانی بنت ابی طالب — ام ہانی ابوطالب کی لڑکی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سگی بہن ہیں اور آپ کی والدہ بھی فاطمہ بنت اسد تھیں یہ ہجرت مدینہ نہ کرسکی تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ مسلمان ہوئیں ان کا اپنا قول ہے کہ۔

" انی لم اھاجر کنت من الطلقاء " [1]

یعنی میں نے ہجرت نہیں کی میں طلقا رسے ہوں۔

ام ہانی ان کی کنیت ہے اور ان کا نام فاختہ بنت ابی طالب تھا۔ اور بعض علما نے ان کا نام ہند بنت ابی طالب بھی لکھا ہے۔

نوٹ : ام ہانی رضی اللہ عنہا کی شادی ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو مخزومی سے ہوئی۔ اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔ یہ شخص اسلام نہیں لایا تھا۔ اور فتح مکہ کے موقع پر نجران کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اس کی موت شرک پر واقع ہوئی۔ ......" وتزوجها هبيرة ابن ابی وهب بن عمرو المخزومی وولدت لها اولادًا وهرب الی نجران ومات مشركًا " [2]

---

[1] (۱) تاریخ الخمیس : ج اوّل : ص ۱۶۳ ۔ تحت اولاد ابی طالب ۔

(۲) تاریخ الخمیس : ج اوّل : ص ۲۷۱ تحت ذکر من خطب علیہ السلام من النساء ولم یعقد علیہن ۔

[2] (۱) نسب قریش : ص ۳۹ ۔ تحت ولد ابی طالب بن عبدالمطلب ۔

(۲) تاریخ الخمیس : ج اوّل ، ص ۱۶۳ ۔ تحت ذکر اولاد ابی طالب ۔

(۳) الاصابہ : ج ۴ : ص ۴۷۶ ۔ تحت ام ہانی بنت ابی طالب ۔

(۴) المحبّر لابی جعفر بغدادی ، ص ۳۹۶ ۔

ام ہانی کے متعلق علماء نے ذکر کیا ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اس موقع پر ام ہانی کے خاوند کے دو رشتہ داروں کو کفر کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ نے قتل کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس پر ام ہانی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالے عنہا پردے کا انتظام کئے ہوئے تھیں جب آپ غسل سے فارغ ہوئے، نماز ادا فرمائی تو اس کے بعد ام ہانی رضی اللہ تعالے عنہا نے گزارش پیش کی کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالے عنہ میرے خاوند کے رشتہ داروں کو جو بنی مخزوم سے ہیں قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور میں نے ان کو امان دی ہے۔ تو جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قد اجرنا من اجرت یا امّ ھانی "ہم نے اسے امان دی جسے تو نے امان دی" لہ

ام ہانی رض کی یہ گزارش منظور فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو پناہ اور امان دے دی۔ جیسا کہ صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالے عنہا نے اپنے زوج ابوالعاص کو پناہ دی تھی۔ وہاں بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پناہ دینا منظور فرمایا تھا۔ واقعہ ہذا مؤلف کی کتاب (بنات اربعہ) ص ۱۱۷، ۱۱۸ پر مذکور ہے۔

لہ (۱) بخاری شریف: جلد اوّل، ص ۴۴۹ - باب امان النساء وجوارہن۔

(۲) شرح مسلم شریف للنووی: ج ۲، ص ۱۰۳ - باب فتح مکہ۔

(۳) المصنف لابن ابی شیبہ: ج ۱۴، ۴۹۸ - طبع کراچی۔

(۴) البدایہ لابن کثیر: ج ۴، ص ۲۹۹ - ۳۰۰ - تحت صفۃ دخولہ علیہ السلام مکہ۔

(۵) تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۱۶۳ - تحت ذکر ابی طالب و اولادہ۔

(۶) سیرت ابن ھشام: ج ۲، ص ۴۱۱ - تحت حدیث الرجلین الذین امنّھما ام ہانی

جمانۃ بنتِ ابی طالب

یہ بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ ہے اور اس کی والدہ بھی حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ ان کا نکاح ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب کے ساتھ ہوا۔ اور اولاد بھی ہوئی [1]

ابوسفیان بن حارث فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔

جمانۃ بنتِ ابی طالب کا اسلام لانا اور ہجرت کرنا بعض علماء نے ذکر کیا ہے۔ لیکن بیشتر علماء نے اس کی تائید نہیں کی۔ جو حضرات اس کی تفصیلات معلوم کرنا چاہیں "اسد الغابہ"۔ "الاصابہ" اور "نسب قریش" وغیرہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

دورِ اوّل۔ ولادتِ مرتضوی رضؓ

قبل ازیں یہ چیز ذکر ہو چکی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضؓ اپنے تمام برادران میں سے سب سے خورد سال تھے۔ ان کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد ہیں اور مکہ شریف میں بنی ہاشم کی ایک وادی مشہور تھی جسے "شعب بنی ہاشم" کہتے تھے۔ اس وادی میں آنجناب رضؓ کی ولادت ہوئی۔

"ولد علی رضؓ بمکۃ فی شعب بنی ھاشم" [2]

جس طرح سابقاً لکھا گیا ہے کہ آپ رضؓ نجیب الطرفین ہاشمی ہیں اور اعلیٰ خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کی ولادت کو قبیح الفاظ سے تعبیر کرنا (جیسا کہ بعض نواصب کر رہے ہیں) غیرہ چشمی اور شپرہ چشمی ہے۔ اس طریقہ سے آنجناب رضؓ کے وقار کو گرایا نہیں جا سکتا۔ جو ان کو قدرت کی طرف

---

[1] (۱)۔ نسب قریش ، ص ۴۰ ، تحت ولد ابی طالب بن عبد المطلب۔

(۲)۔ الاصابہ لابن حجر ، ج ۴ ، ص ۲۵۲۔ تحت جمانۃ بنت ابی طالب۔

(۳)۔ تاریخ الخمیس ، ج اوّل ، ص ۱۶۴۔ تحت ذکر ابی طالب و اولادہ۔

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ، ص ۱۸۲ ، جلد اوّل۔ تحت سنۃ اربعین۔

سے نصیب ہے بلکہ یہ ان لوگوں کی اپنی خست نفس اور فطری عناد ہے جو ان صالحین کے بارے میں ان کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔

تنبیہ قولہ ، ولد علی بمکۃ فی شعب بنی ھاشم ۔

۱ : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مقام ولادت کے لئے بعض روایات میں " داخل الکعبۃ " کے الفاظ بھی ملتے ہیں ۔ یہ بات علماء کے نزدیک فن روایت کی رو سے صحیح نہیں ۔" ولادۃ فی الکعبہ " کی روایات کو اہل علم نے مرجوح قرار دیا ہے اور صیغہ تمریض سے ذکر کیا ہے ۔

ا : ...... ویقال کانت ولادتہ فی داخل الکعبۃ ولم یثبت "[1]

ب : ...... وما روی ان علیاً ولد فیہا فضعیف عند العلماء "[2]

۲ : اگر " ولادۃ فی الکعبۃ " کو درست تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ ولادت کوئی نئی بات نہ تھی یہ اس دور کے ایک عام دستور کے تحت ہوئی ہوگی ۔ جیسا کہ ایک مشہور صحابی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض بنت خویلد بن اسد کے برادر زادہ حکیم بن حزام بن خویلد کی ولادت کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کعبہ شریف میں ہوئی تھی[3]

۳ : نیز اسلام سے قبل دور جاہلیت کی مروجہ رسومات کو فضائل میں ذکر نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اسلام کی طرف سے ان کے صحیح ہونے کی تائید نہ ملے ۔ اور یہ چیز یہاں مفقود ہے ۔

---

[1] تاریخ الخمیس لدیار البکری ، ص ۲۷۵ ، جلد ثانی ۔ تحت ذکر خلافت علی رض ۔

[2] سیرۃ حلبیۃ : ص ۱۶۵ ، جلد اول ۔ تحت باب تزویجہ صلعم خدیجہ رض ۔

[3] (۱) المحبر لابی جعفر بغدادی ، ص ۱۷۶ ۔

(۲) الاصابہ لابن حجر العسقلانی : ص ۳۴۸ ، جلد اول ۔ تحت حکیم بن حزام ۔

(۳) سیر اعلام النبلاء للذھبی ؒ ، ص ۳۱ ، جلد ثالث ۔ تحت حکیم بن حزام ۔

۴ : کعبۃ اللہ شریف جائے عبادت ہے یہ جگہ برائے ولادت نہیں۔

۵ : بیت اللہ میں ولادت کو فضیلت قرار دینا زبان نبوت سے کہیں ثابت نہیں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت العمر کبھی اسے فضائل علی رضؓ میں ذکر فرمایا۔

سن ولادت علوی

بعض اقوال کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ولادت مکہ شریف میں عام الفیل کے سات سال بعد ہوئی ہے اور بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد شریف کے تیس سال بعد علی المرتضیٰ رضؓ متولد ہوئے۔ اور یہ بھی علماء فرماتے ہیں کہ آنجناب رضؓ کی ولادت بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس برس قبل ہوئی تھی[1]۔ متعدد اقوال کے اس اختلاف کے پیش نظر آپ کے سن ولادت کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ اور جن ایام میں آپ رضؓ کی ولادت ہوئی بقول امام النوویؒ آپ کے والد ابوطالب کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور اپنے دولت خانہ پر موجود نہ تھے۔ بعد از ولادت آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے ان کا نام اپنے والد کے نام پر اسد رکھا۔ جب ابوطالب نے سفر سے مراجعت کی تو انہوں نے اپنے فرزند کا نام "علی" تجویز کیا[2]۔

اسی بناء پر مشہور نام علی المرتضیٰ ہے اور اسد بھی مستعمل ہے۔ اسد کا دوسرا نام حیدر ہے بناء برایں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حیدر کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ یہ اسماء والقاب آپ کو والدہ کی طرف سے حاصل ہیں۔

صغر سنی کے ایام

اس دور کی کچھ ایسی صحیح تفصیلات دستیاب نہیں ہوئیں جن پر باہمہ وجوہ اعتماد کیا جاسکے تاہم بعض چیزیں اہل سیر سے نقل کی جاتی ہیں۔ ان میں یہ

---

[1] الاصابہ لابن حجر العسقلانی ؛ ص ۵۰۱ ؛ جلد ثانی۔ تحت ترجمہ علی بن ابی طالب۔

[2] (۱) شرح مسلم شریف للنووی ؛ ج ۲ ؛ ص ۱۱۵۔ تحت قصہ ذی قرد وغیرہا۔

(۲) تاریخ الخمیس ؛ ج ۲ ؛ ص ۲۷۵۔ تحت خلافت علی رضؓ۔

چیز بھی علماء نے ذکر کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے والد ابوطالب پر ایک معاشی تنگدستی کا دور آیا تھا۔ اور اپنے خاندان کے افراد نے ان کے ساتھ اس موقعہ پر بہترین تعاون فرمایا۔ ان کے برادر محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب نے ان کے فرزند حضرت جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کی خورد و نوش کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ اور اسی طرح نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم ابوطالب کے چھوٹے فرزند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ تاکہ ابوطالب کے ساتھ ان کے معاشی حالات میں ایک قسم کی معاونت ہو جائے۔ ان حضرات نے ابوطالب سے پرورش کا بار سبک کر دینے کے لئے اس حکمتِ عملی سے کام لیا اور بہترین تدبیر اختیار کی جس کی وجہ سے ان پر خانگی مصارف سہل ہو گئے۔

جعفر بن ابی طالب کی اپنے عم بزرگوار عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ بود و باش رہی حتیٰ کہ حضرت جعفرؓ اسلام لائے اور ان سے مستغنی ہو گئے۔ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ محبت میں تعلیم و تربیت نصیب ہوئی اور سن شعور سے صحبتِ صالحہ سے منتفع ہونے کا سنہری موقعہ ملا۔ نیک طبائع پر فطرتی طور پر ماحول کا اثر ہوتا ہے۔ اس بناء پر جناب مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ابتداء سے ہی امورِ خیر کی طرف راغب رہتے تھے۔ اور جاہلانہ رسوم مثلاً اصنام پرستی وغیرہ سے مجتنب رہتے تھے حتیٰ کہ بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دور آیا [1]

اسلام لانا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے چالیس برس تمام ہوتے تو اللہ تعالیٰ

---

[1] (۱) سیرت ابن ہشام، ج اوّل، ص ۲۴۵، ۲۴۶۔ تحت نشاتہ فی حجر الرسولؐ و سبب ذالک۔

(۲) البدایہ، ج ۷، ص ۲۲۲۔ تحت خلافت امیرالمومنین علی رضؓ۔

(۳) طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۳ (قسم اوّل)، تحت ذکر اسلام علی رضؓ و صلاتہ۔

نے آپ کی بعثت فرمائی اور آپ نے اللہ تعالےٰ کی طرف سے اظہارِ رسالت و اعلانِ نبوت فرمایا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کی ابتداء اپنے اہلِ خانہ سے فرمائی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اس دعوت کو اوّلاً ہی قبول فرما لیا۔ اسلام میں داخل ہونے والی یہ پہلی خاتون ہیں اور امت کی خواتین میں سب پر فائق ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ احباب میں سے سب سے پہلے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دعوتِ حق پر لبیک کہا اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ نیز اسی طرح نوخیز جوانوں میں سے علی بن ابی طالب اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضؓ نے مسلمان ہونے کی سعادت حاصل کی [1]

---

[1] اسلام لانے میں سبقت کرنے کا مسئلہ متعدد علماء نے اپنے اپنے مقام میں ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات نے اسلام کو اوّلاً قبول کرنے کے مسئلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کرتے ہیں اور بعض دیگر حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولیت کا قول کرتے ہیں اور اس میں اکابرین کی ترجیح میں مختلف اقوال منقول ہیں لیکن مسئلہ ہذا میں جو مشہور تطبیق ذکر کی جاتی ہے وہ حافظ ابن کثیرؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے بالفاظ ذیل نقل کی ہے ۔۔۔۔۔ وقد اجاب ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ بالجمع بین ھذہ الاقوال بان اوّل من اسلم من الرجال الاحرار ابوبکرؓ ومن النساء خدیجۃ رضؓ ومن الموالی زید بن حارثۃ رضؓ ومن الغلمان علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین۔

(البدایہ لابن کثیرؒ ، جلد ۳ ، ص ۲۹ ۔ تحت فصل فی ذکر اوّل من اسلم الخ)

یعنی ان اقوال میں تطبیق کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے جواب میں یہ فرمایا کہ۔

" آزاد مردوں میں سے پہلے صدیق اکبر رضؓ ایمان لائے ، اور خواتین میں سب سے قبل خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضؓ مسلمان ہوئے۔ اور نوخیز جوانوں میں سے علی بن ابی طالبؓ اسلام لانے میں مقدم ہیں۔

تائید از شیعہ علماء حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا مسئلہ بیشمار اکابر شیعہ علماء نے بڑی وضاحت سے تحریر کیا ہے۔ اپنے نقطۂ نظر سے یہ علماء ذکر کرتے ہیں کہ اوّل اوّل اسلام حضرت رضؓ لائے تھے۔

شیعہ کے سید جمال الدین ابن عنبتہ نے "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" میں لکھا ہے۔

"..... انه لاخلاف فی ان اوّل من اسلم علی ابن ابی طالب"

(عمدۃ الطالب ؛ ص ۵۹ ۔ طبع نجف اشرف ؛ تحت الاصل الثالث عقب امیر المؤمنین رضؓ)

اسی طرح مشہور مجتہد شیعہ ملّا باقر مجلسی نے "حیات القلوب" میں ذکر کیا ہے۔

"...... تا آنکہ مبعوث شد اوّل کسے کہ بہ آنحضرت ایمان آورد او بود"۔

(حیات القلوب ؛ ج دوم ؛ ص ۲۷۷ ؛ در بیان مبعوث گردیدن بہ رسالت و نزول وحی)

مندرجات بالا کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے وہ شخص جو ایمان لائے وہ حضرت علی رضؓ تھے۔ مختصر یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مشرف باسلام ہونے کو شیعہ کے مجتہدین نے واشگاف الفاظ میں درج کیا ہے یہ کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے۔ پھر بعض شیعوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضؓ اسلام لائے نہیں بلکہ وہ فطرتاً مسلمان تھے، صحیح نہیں ایسے نظریات ان کے اپنے مذہب کے خلاف ہیں۔

واقعہ دعوتِ عشیرہ مکی زندگی کے دوران نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کفارِ قریش کی طرف سے عروج پر تھی اور ہر مرحلہ میں مخالفین اسلام دعوتِ حق کو ردکرنے میں پیش پیش تھے۔ ان حالات میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے اپنے قریبی رشتہ داروں کے حق میں انذار و تنذیر کا حکم ہوا۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعزہ و اقرباء کو دعوتِ حق دینے کے لئے ایک اجتماع قائم کیا۔ اور اس میں دعوت اسلام پیش کی۔ اس موقعہ پر چند نوع کی روایات پائی جاتی ہیں۔ ان کے پیشِ نظر ذیل میں کچھ کلام پیش

خدمت ہے۔

۱: صحاح کی روایات میں اتنا واقعہ مذکور ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقارب کو دعوتِ دینی کے لئے مجتمع فرمایا۔ دعوتِ اسلام پیش کی اور انذار و تنذیر کا حق ادا فرمایا۔ بنی عبد المطلب کے اکابر حاضر تھے۔ یہاں نہ دعوتِ طعام کا ذکر ہے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نام تصریحاً مذکور ہے نہ کہیں یہ ذکر ہے کہ کوئی انتظامی کام آپ کے سپرد ہوا ہو۔[1]

۲: بعض روایات (جو صحاح کی نہیں ہیں) ان میں ذکر پایا جاتا ہے کہ اقرباء و اعزہ کو دعوتِ دینی پیش کرنے کے لئے دعوتِ طعام بھی دی گئی اور اس کا انتظام حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سپرد ہوا یہ دعوت تین دن کی قائم کی گئی۔ مگر پہلے دو یوم تک دعوتِ دینی پیش کرنے کا موقعہ میسر نہ آسکا۔ آخر تیسرے روز اس مجلسِ طعام کے اختتام پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقارب بنی عبد المطلب سے خطاب فرمایا کہ

"میں تمہارے سامنے وہ چیز لایا ہوں جو دنیا و آخرت میں سب سے افضل اور بہترین چیز ہے (یعنی دعوتِ اسلام) اور اس سے قبل اس قسم کی بہترین دعوت تم لوگوں کے سامنے کسی نے پیش نہیں کی"[2]

روایت ہذا "ابن اسحاق" نے ایک شیخ مبہم سے نقل کی ہے جس کا نام ذکر نہیں کیا۔ اس شیخ نے عبد اللہ بن الحارث سے یہ روایت نقل کی ہے۔

---

[1] (۱) بخاری شریف: ج ۱: ص ۳۸۵: باب الوصایا۔

(۲) بخاری شریف: ج ۲: ص ۷۰۲: کتاب التفسیر تحت آیۃ وانذر عشیرتک الاقربین۔

(۳) مسلم شریف: ج ۱ : ص ۱۱۴۔ تحت ان من مات علی الکفر فھو فی النار ولا تنالہ شفاعۃ

[2] (۱) دلائل النبوۃ للبیہقی رح: ج ثانی: ص ۱۷۹، ۱۸۰: طبع بیروت۔

(۲) البدایہ لابن کثیر رح: ج ۳: ص ۳۹، ۴۰: باب امر اللہ رسولہ بابلاغ الرسالۃ۔

اس نوع کی روایات میں دعوتِ طعام کا ذکر ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ذکر بطور منتظم پایا جاتا ہے۔ مگر آپ رضؓ سے متعلق دیگر فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثلاً قضاءِ دین وصایا اور خلافت وغیرہ ان میں مذکور نہیں۔

۳ : نیز اس مرحلہ میں اس نوع کی بعض دیگر مرویات اس طرح کی دستیاب ہوتی ہیں جن میں مذکور ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس واقعہ پر اپنے اقارب کو دعوتِ طعام دی گئی اور اس کے انتظام کرنے پر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مامور تھے۔ خورد و نوش کے اختتام پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ دینی پیش فرمائی۔ اور فرمایا کہ

"میں تمہیں دینِ اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں اور میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کے لئے جو بہتر چیز ہے وہ لایا ہوں اس چیز پر تم میں سے کون میری معاونت کرنے پر آمادہ ہے اور وہ میرا بھائی ہوگا، میرا قرض ادا کرے گا، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہوگا"

تو اس وقت قوم خاموش ہوگئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں ان تمام حاضرین میں سے کم عمر تھا میں نے عرض کیا یا نبی اللہ میں آپ کا وزیر ہوں گا۔ پس آپؐ نے میری گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا

"یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے فاسمعوا له و أطيعوه یعنی تم اس کی بات تسلیم کرنا اور اطاعت کرنا"

حضرت کے اس فرمان پر حاضرین مجلس تمسخر اڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے کہ تجھے اپنے بیٹے کی اطاعت کرنے کا حکم ہوا ہے۔

نوعِ سوم کی مرویات اس مفہوم پر مشتمل ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "علی رضؓ میرے بھائی ہیں، میرے قرض ادا کرنے والے ہیں، میرے وصی ہیں، اور میرے خلیفہ ہیں" وغیرہ۔ لیکن فنِ روایات کے اعتبار سے یہ چیزیں ناقابلِ اعتماد لوگوں سے مروی ہیں انکے

ناقلین ابو مریم عبدالغفار بن القاسم اور منہال بن عمرو وغیرہما سخت مجروح و مقدوح ہیں۔ کذاب وضاع شیعہ رواۃ ہیں[1]۔ یہ لوگ روایات میں اختلاط و الحاق کرنے والے ہیں اور ان کے منقولات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ " دعوتِ عشیرۃ " میں جو محمد بن اسحاق سے روایات دستیاب ہوتی ہیں ان میں اس کے تفردات و الحاقات کا کچھ دخل ہو۔ اس بزرگ سے ثقہ لوگوں کے برخلاف اشیاء کا منقول ہونا اس کی مرویات کا عدم قبول کے لئے ایک مستقل قرینہ بن جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ اقارب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دعوتِ دینی پیش کی گئی تھی اس کے متعلق صحاح میں جو مواقع مذکور ہیں ان میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ذکر اور دعوتِ طعام کا ذکر نہیں ملتا۔ اور غیر صحاح کی روایات میں بعض مقامات میں دعوتِ طعام کا ذکر پایا جاتا ہے اور حضرت علی رض کا ذکر بھی وہاں موجود ہے لیکن وصایت اور خلافت مذکور نہیں۔ البتہ تیسری نوع کی روایات کتب سیرت و تاریخ میں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں دعوتِ طعام کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے وزیر ہونے، وصی ہونے، خلیفہ ہونے وغیرہ کے مسائل مذکور ہیں۔ لیکن یہ آخری نوع کی روایات پر بہت سے علماء کبار نے کلام کیا ہے اور ان پر کڑی تنقید کی ہے۔ فلہٰذا یہ آخری نوع کی روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ ناظرین کرام مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کر کے تسلی فرما سکتے ہیں[2]

---

[1] (۱) تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۵۱۔ تحت الآیۃ وانذر عشیرتک الخ

(۲) البدایہ لابن کثیر، ج ۳، ص ۴۰۔ تحت روایت ہذا۔

[2] (۱) تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۵۱۔ تحت آیت وانذر عشیرتک الاقربین۔ پ ۱۹۔

(۲) البدایہ لابن کثیر، ج ۳، ص ۴۰۔ باب امر اللہ رسولہ بابلاغ الرسالۃ۔

(۳) البدایہ لابن کثیر، ج ۷، ص ۲۲۳، تحت خلافت امیر المومنین علی بن ابی طالب۔

(۴) اللآلی المصنوعہ لجلال الدین السیوطی، ص ۱۹۷، ۱۹۸۔ تحت روایت ہذا (طبع قدیم لکھنؤ)۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

قرائن کے اعتبار سے حالات پر نظر کرتے ہوئے یہ چیز قابل توجہ ہے کہ "دعوتِ عشیرۃ" کا واقعہ سیرت نگاروں کی تصریحات کے مطابق بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً تیسرے سال پیش آیا ہے۔ اس دور میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ عمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مشرف باسلام ہوچکے تھے۔ اکابر علماء نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کو ۲ سنہ نبوی میں ذکر کیا ہے[1]۔ بعض روایات میں تصریح بھی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اقارب کے ساتھ اس اجتماع میں شریک تھے[2]۔

سو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان اکابر بنی ہاشم کی موجودگی میں جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی موجود ہوں اور وہ مشرف باسلام ہوں) ایک نوخیز جوان کے ذمہ اس نوع کی اہم ذمہ داریاں ڈالی جاسکتی ہیں؟ ادائے قرض، وراثت، وصایت اور خلافت جیسے اہم امور کا اس کی طرف انتساب اس بڑی مجلس میں کس طرح بدوں تمہید طے پاگیا۔ اکابر کو چھوڑ کر اصاغر کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۵) الموضوعات الکبیر لعلی قاری، ص ۷۹۔ تحت روایت ہذا طبع دہلی۔

(۶) السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۳۰۹۔ تحت روایت غدیر خم۔

(۷) الموضوعات للشوکانی، ص ۱۲۵۔ تحت روایت ہذا طبع قدیم لاہور۔

(۸) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، از شاہ ولی اللہ دہلوی رح، ص ۲۷۹، طبع دہلی۔

[1] (۱) اسد الغابہ، ج ۲، ص ۴۶۔ تحت حمزہ بن عبد المطلب۔

(۲) تہذیب الاسماء۔ للنووی رح، ج ۱ ص ۱۶۸۔ تحت حمزہ بن عبد المطلب۔

(۳) الاصابہ لابن حجر، ج ۱، ص ۳۵۳۔ تحت حمزہ بن عبد المطلب

[2] (۱) دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۱۷۹، ۱۸۰۔ طبع بیروت۔ (۲) البدایہ، ج ۳، ص ۳۹، ۴۰۔

(۳) فتح الباری، ج ۸، ص ۴۰۷۔ تحت الآیۃ وانذر عشیرتک الاقربین۔

طرف ان ذمہ داریوں کی سپرداری کریں یہ عجیب ہے۔ اس سے بڑھ کر جو چیز یہاں غور طلب ہے یہ ہے کہ کیا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت کوئی گراں بار قرض تھا جس کی ادائیگی کی فکر آپ کو لاحق تھی ؟ اور کیا اس دور میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہی ایسے مالدار تھے جو اس بار کو اٹھا سکتے تھے۔ پھر وراثت تو جائیداد میں چلتی ہے یہاں اس مسئلہ کی کیا حاجت تھی ؟ اشاعتِ دین کا کام سامنے ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا صاحبزادیاں رض اور اعمام موجود ہیں ان کی موجودگی میں ایک صغیر السن وارث قائم کرنے کی کیا حاجت ہے ؟ نیز انبیاءِ کرام علیہم السلام کی وراثت ہوتی ہی نہیں۔ پھر اس مسئلہ کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی ؟ نیز وصیت کا یہاں کیا موقعہ ہے ؟ وصیت تو میراث کی خواہر ہے۔ الوصیۃ اخت المیراث۔ اس مجلس میں میراث اور وراثت کا اہتمام کرنا بالکل بے محل اور بے موقعہ ہے۔ پس وصایت بھی اسی طرح ہوگی جو راویوں کے دخل سے اس مجلس میں آگئی ہوگی۔

اب خلافت کے مسئلہ پر غور فرمائیے۔ یہ بات پہلے ہے کہ پہلے دینِ اسلام کا بعونہ تعالیٰ غلبہ ہوگا اور قبائل عرب مسلمان ہو جائیں گے، جمیع بلادِ عرب وعجم زیر نگین اسلام آجائیں گے۔ اسلام کا پرچم بلند ہو جائے گا۔ اسلام میں لوگ فوج در فوج داخل ہوں گے۔ غلبۂ اسلام کے بعد یہ مسئلہ سامنے آئے گا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریوں کا کون متحمل ہو سکتا ہے ؟ اور اس کی کون اہلیت رکھتا ہے ؟

جن حالات میں دعوتِ ہذا کا انتظام کیا جا رہا ہے یہ اسلام کے ابتدائی مراحل ہیں۔ یہاں مسئلہ نیابت وخلافت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی محل وموقعہ نظر نہیں آتا جس کے لئے اس قدر اہتمام کیا جا رہا ہو۔

ان امور پر نظرِ غائر کرنے کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ "دعوتِ عشیرۃ" جس میں تبلیغ مقصود تھی وہ تو درست ہے اور ہو سکتا ہے کہ متعدد بار پیش آیا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ اضافہ جات (وصایت وخلافت وغیرہما) جو لگائے گئے ہیں یہ رواۃ کی طرف سے ملحقات

ہیں ان کو من وعن تسلیم کر لینا روایت و درایت کی روشنی میں بہت مشکل ہے۔ پھر "خلافت بلا فصل" جیسا مسئلہ جو شیعہ کے نزدیک واجبات اسلام میں سے ہے اور نص قطعی کا محتاج ہے وہ اس قسم کے ضعیف اور بے اصل مواد سے کس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے؟ کچھ تو غور کیجئے؟

مختصر یہ کہ واقعہ "دعوتِ عشیرہ" کے ساتھ مسئلہ خلافت بلا فصل کا انضمام یہ صرف دوستوں کی ایجاد ہے واقعات سے اس کا کوئی سر انہیں ملتا۔ اور نہ ہی اس کا واقعہ ہذا کے ساتھ کوئی ارتباط نظر آتا ہے۔

دورِ دوم ــــ واقعہ ہجرت

اہلِ اسلام کے لئے مکی زندگی کا دور بڑا مشکل ترین دور تھا اشاعت اسلام کو روکنے کے لئے کفار نے اپنے تمام حربے استعمال کئے لیکن خوش بخت لوگ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ ادھر کفار نے معاندانہ مساعی تیز کر دی تھیں اور اہل اسلام پر مکہ میں زندگی گزارنا دشوار ہو گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات میں مسلمانوں کو ارشاد فرمایا کہ " مدینہ طیبہ کی طرف حسب موقعہ ہجرت کرنا شروع کر دیں " اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہجرت کے متعلق ارشاد خداوندی کے منتظر تھے [1]

بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً تیرہ [۱۳] سال بعد خداوند کریم کے حکم سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت الی المدینہ کا قصد فرمایا۔ یہ ان حالات میں تھا کہ ادھر قریش اپنی مخالفانہ مساعی کے سلسلہ میں آپس میں مشورہ کر رہے تھے اور اس میں بعض کی رائے یہ ہوئی کہ

۱ : آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کر کے زیر حراست رکھا جائے۔

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ، ج ۳ ، ص ۱۷۵ ، تحت فصل فی سبب ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسہ الکریم۔

۲ : اور بعض کی طرف سے یہ رائے تھی کہ ان کا مکہ سے اخراج کر دیا جائے تاکہ ان کے اثرات سے اہل مکہ محفوظ ہو جائیں۔

۳ : اور بعض کا مشورہ یہ تھا کہ متعدد قبائل مل کر ان کو قتل کر دیں [1]

اللہ تعالٰی نے اپنے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ان مشوروں کی اطلاع فرما دی اور آپ کو ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ صورت فرمائی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حقیقتِ حال سے مطلع فرما کر آپ کو سفر کے انتظامات کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اور وقت کی تعیین بھی فرما دی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ارشاد فرمایا کہ خانۂ نبوت میں میرے فراش شبینہ پر آپ رات گذاریں۔ چنانچہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس شب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ساتھ لے کر غارِ ثور میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق فراش مبارک پر جناب کی نیابت میں آرام فرما ہوئے [2]

اور کفارِ قریش اس شب میں عملی اقدام کرنے کے لئے کاشانۂ نبوت کے ارد گرد محاصرہ کئے ہوئے تھے اور گمان کرتے تھے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر آرام فرما ہیں۔ صبح اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے اقدام کرنے لگے تو دیکھتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مفقود ہیں اور علی ابن ابی طالب بستر پر موجود ہیں۔ اس طرح اللہ تعالٰی نے ان کی باطل تدبیر کو رد کر دیا اور ان کے قصدِ فاسد کو ناکام بنا دیا۔

---

[1] (۱) البدایہ لابن کثیرؒ : ج ۳ : ص ۱۷۵، ۱۷۶ ـ تحت فصل فی سبب ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسہ الکریم

(۲) مسند احمدؒ : ج اول : ص ۳۴۸ ـ تحت مسندات ابن عباسؓ۔

(۳) مشکوۃ شریف : ص ۵۴۲، ۵۴۳ ـ بحوالہ مسند احمد طبع دہلی ـ تحت المعجزات الفصل الثالث۔

[2] : سیرت حلبیہ : ج ثانی : ص ۲۸ ـ تحت حالات ہجرت۔

محاصرین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہنے لگے کہ تیرے ساتھی کہاں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ "مجھے علم نہیں" [1]

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدیم رفیق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی رفاقت میں لے کر غارِ ثور میں تشریف لے گئے۔ جیسا کہ قرآن مجید (سورۃ توبہ) میں یہ واقعہ مذکور ہے اور حدیث وسیرۃ کی کتابوں میں اپنی تفصیلات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ آپ کچھ وقت کے لئے یہاں مکہ میں مقیم رہیں اور لوگوں کی امانتیں اور ودائع جو ہمارے پاس رکھے ہوئے ہیں ان کو واپس پہنچادیں اور اس کے بعد آپ مدینہ طیبہ پہنچ جائیں۔

چنانچہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حسب ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اسی طرح کیا۔ تین روز وہاں مقیم رہا اور امانتیں اور ودائع ان کے مالکوں کو لوٹا کر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوا۔

پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکورہ امور سے سبکدوشی کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کلثوم بن ہدم کے پاس قبا میں اقامت پذیر تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہیں حاضر خدمت ہوئے [2]

---

[1] (۱) مسند احمد، ج ۱، ص ۳۴۸۔ تحت مسندات ابن عباسؓ۔

(۲) البدایہ لابن کثیرؒ، ج ۳، ص ۱۷۷ - ۱۸۱ -

(۳) الاصابہ، ج ۲، ص ۵۰۲۔ تحت تذکرہ علی بن ابی طالب۔

[2] (۱) طبقات ابن سعد، ص ۱۳۔ تحت ذکر اسلام علی و صلاتہ۔

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۹۳۔ تحت منزل علیؓ بقباء۔

(۳) البدایہ، ج ۳، ص ۱۹۷۔ فصل فی دخولہ علیہ السلام مدینہ .... الخ

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ۱۳ ؁ بعثت نبوی میں وسط ماہ ربیع الاول کو ہجرت کرکے علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ قبا میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے [1]

اہل وعیال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے متعلق ایک وضاحت

بعض لوگوں نے اس موقعہ پر یہ ذکر کیا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مکہ شریف میں ہجرت مدینہ کے وقت لوگوں کی امانتیں اور ودائع پہنچانے کے علاوہ یہ معاملہ بھی سپرد فرمایا تھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں اور آپ کے حرم محترم کو ہجرت مدینہ کے وقت اپنے ساتھ لائیں اور یہ سفر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زیر نگرانی طے کیا تھا۔

اس کے متعلق اتنی وضاحت ضروری ہے کہ یہ واقعہ حقیقت کے خلاف ہے۔ درست امر یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں (ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما) اور اپنے حرم (ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا) کو مکہ شریف سے مدینہ شریف لانے کے لئے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور اپنے غلام ابو رافع رضی اللہ تعالےٰ عنہ دونوں کو سواری اور مصارف سفر دے کر مدینہ شریف سے روانہ فرمایا تھا اور یہ مصارف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیش خدمت کئے تھے۔ (جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "بنات اربعہ" کے صفحہ ۲۵۸ پر ہجرت مدینہ میں لکھا ہے۔)

اس سفر میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اپنے فرزند اسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان حضرات کے ساتھ مدینہ شریف لائے تھے۔ نیز اسی قافلہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اہل وعیال ان کے فرزند عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی اس سفر ہجرت میں شریک ہوئے تھے۔

---

[1] : طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۳، تحت ذکر اسلام علی رضی اللہ عنہ وصلاتہ۔

اور مذکورہ تمام حضرات کو مکہ سے مدینہ پہنچانے کے انتظامات عبداللہ بن اریقط الدئلی نے مکمل کئے تھے۔ اس طرح ان دونوں خاندانوں نے یہ سفر ایک دوسرے کی مصاحبت میں طے کیا تھا [1]

ہم نے قبل ازیں ذکر کر دیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ مکہ شریف میں اپنے فریضہ سے سبکدوشی کے بعد اس قافلہ سے کچھ عرصہ قبل ہی مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر چکے تھے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں [2]

مواخات

مکی زندگی کا ایک دشوار تر دور گزارنے کے بعد جب اہلِ اسلام مدینہ شریف میں ہجرت کر کے پہنچے تو وہاں معاشرتی زندگی میں سہولت کے پیشِ نظر ایک حکمتِ عملی سے کام لیا گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک برادرانہ رابطہ قائم فرمایا۔ جس کو اہلِ علم کی اصطلاح میں "مواخات" کہتے ہیں۔ سہل الفاظ میں سے "بھائی چارہ" کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعہ مہاجرین پر نووارد ہونے کی وجہ سے جو سکونتی اور تمدنی صعوبتیں پیش آ سکتی تھیں وہ سہل ہو گئیں اور ان تارکینِ وطن کے لئے آبادکاری کا مرحلہ نہایت آسان ہو گیا۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مدینہ شریف کی اس "مواخات" سے قبل مکہ شریف میں بھی ابتدائی ایامِ اسلام میں ایک "مواخاۃ" قائم کی گئی تھی۔ جس میں حق پر قائم رہنا اور باہمی غمخواری کرنا مقصود تھا۔ مکہ شریف میں یہ "مواخاۃ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے

---

[1] (۱) تاریخ الخمیس : ج ۱ : ص ۳۵۴ - تحت بعث زید بن حارثہ رض -

(۲) البدایہ لابن کثیرؒ : ج ۳ ، ص ۲۲۱ - تحت فصل بناء حجرات نبوی ص -

[2] (۱) البدایہ لابن کثیرؒ : ج ۲ ، ص ۱۹۷ - ج ۳ - ص ۲۰۲ - طبع اوّل - تحت فصل فی دخولہ علیہ السلام مدینۃ -

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی : ج ۲ ، ص ۱۰۹ - تحت عائشہ ام المومنین رض -

درمیان ۔ حضرت حمزہ رضؓ عمؐ نبویؐ اور زید بن حارثہ رضؓ کے درمیان ۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے درمیان ۔ حضرت عثمان رضؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے درمیان ۔ اور زبیرؓ بن عوام اور عبداللہ بن مسعود رضؓ کے درمیان قائم ہوئی تھی ۔ (یہ بطور مثال درج کی گئی ہیں ان کے ماسوائے اور بہت سے حضرات کے درمیان بھی "مواخات" قائم تھی) ۔

واقعہ ہجرت کے چند ماہ بعد مدینہ شریف میں پھر مواخات قائم ہوئی ۔ بعض کے نزدیک دالِ انسؓ میں اور بعض کے ہاں مسجدِ مدینہ میں اس کا انعقاد ہوا ۔ ایک ایک مہاجر کا ایک ایک انصاری کیساتھ ارتباط قائم کیا گیا تھا ۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت علی رضؓ اور سہل بن حنیف رضؓ کے درمیان زید بن حارثہ رضؓ اور اسید بن حضیرؓ کے درمیان ۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ اور خارجہؓ بن زید بن زہیر کے درمیان ۔ حضرت عمر فاروق رضؓ اور عویم رضؓ بن ساعدۃ کے درمیان ۔ حضرت عثمان رضؓ بن عفان اور عوف رضؓ بن ثابت کے درمیان ۔ عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف اور سعد رضؓ بن الربیع کے درمیان ۔ زبیر رضؓ بن عوام اور کعبؓ بن مالک کے درمیان ۔ اور عبداللہ بن مسعود رضؓ معاذ رضؓ بن جبل کے درمیان مواخات قائم ہوئی [1]

اسی طرح اور صحابہ کرام رضؓ کے مابین بھی یہ سلسلہ مواخات قائم ہوا ۔

یہاں یہ چیز قابل ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ شریف تشریف لائے تو ان کی " مواخات " حضرت سہل بن حنیف الانصاری رضؓ کے ساتھ قائم کی گئی تھی ۔ متعدد علماء سیرت نے اسے اپنے مقام پر ذکر کیا ہے ۔ مثلاً " طبقات ابن سعدؒ جلد ۳ ۔ میں ذکر اسلام علی وصلاتہ " کے تحت ۔ اور ایک دوسرے مقام پر " سہل بن حنیف رضؓ کے تذکرہ کے تحت اسے ذکر کیا ہے ۔ اور حافظ ابن حجر العسقلانی رحؒ نے " الاصابہ " جلد ثانی میں سہلؓ

---

[1] (۱) المحبر لابی جعفر بغدادی رحؒ ، ص ۷۰ تا ۷۴ ۔ تحت ذکر مواخات ۔

(۲) سیرت الحلبیہ ، ج ۲ ، ص ۲۱ ، ۲۲ ۔ تحت حالات ہجرت ۔

بن حنیف کے تحت ۔ اور حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ" جلد سابع میں ابتداء خلافت امیرالمومنین علیؓ بن ابی طالب کے تحت مدینہ میں سہل بن حنیفؓ کی حضرت علیؓ ابن ابی طالب کیساتھ مواخات تصریحاً ذکر کی ہے ۔

اور ابن کثیرؒ نے اس کے بعد لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مدینہ منورہ میں مواخات کا ذکر گو بعض اہل سیر نے کیا ہے۔ لیکن اس معاملہ میں بہت سی روایات پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ضعیف اسانید کی بناء پر صحیح نہیں ۔

" وقد ورد فی ذالك احادیث کثیرة لا یصح شئ منها لضعف اسانیدها "[2]

اس تحقیق کی بناء پر راجح چیز یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی "مواخات" مدینہ طیبہ میں حضرت سہل بن حنیف انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قائم کی گئی تھی ۔ اس کا حوالہ سابقاً عرض کر دیا ہے ۔ علاوہ ازیں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایاتِ کریمانہ جناب مرتضیٰ رضؓ کے حق میں دوامًا جاری رہتی تھیں اور وفور شفقات کا سلسلہ ہر مرحلہ پر قائم تھا ۔ ان حالات میں اگر بالفرض مدنی "مواخات" حضرت علیؓ کی حضرت سہلؓ کے ساتھ ہی قائم ہو تو بھی جو قرب بارگاہِ نبوت میں ان کو حاصل تھا اس میں کوئی فرق نہیں آتا ۔ اسلام میں اس مواخات کا مقام نہایت رفیع ہے ۔ یہ محض اسلامی اخوت و مواسات و غمگساری کی بناء پر منعقد ہوئی تھی ۔ اس کی تفصیلات میں مہاجرین کے حق میں انصار کی قربانیاں جو ذکر کی جاتی ہیں وہ نہایت فقید المثال اور عدیم النظیر ہیں ۔ سیرت کی کتابوں کے ملاحظہ کرنے والوں پر وہ مخفی نہیں ۔ یہاں ان واقعات کے تفصیل سے ذکر کرنے کی گنجائش

---

[1] (۱) البدایہ لابن کثیرؒ : ج ۷ ، ص ۲۲۳ ۔ تحت ابتداء خلافت امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضؓ ۔

(۲) البدایہ لابن کثیرؒ ، ج ۳ ، ص ۲۲۷ ۔ فصل فی مواخات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار ۔

نہیں ہے۔

تعمیر مسجد کے موقع پر رجز

مدینہ طیبہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم ہجرت کر کے پہنچے تو پہلے کچھ مدت نماز کا انتظام حسب موقعہ اپنے گھروں یا کسی فراخ جگہ میں جماعت کے لئے کر لیا جاتا۔ بعض اوقات مرابض الغنم میں صفائی کر کے نماز کی ادائیگی کر لی جاتی اور ابھی کسی مقام کو مستقل طور پر مسجد کے لئے متعین نہیں کیا گیا تھا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد (نبوی) تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے اپنے مقدور کے مطابق حصہ لیا۔ اور خلفاء اربعہ سیدنا صدیق رض، سیدنا فاروق رض، سیدنا عثمان رض، سیدنا علی رض نے بھی اس کار خیر میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ اس موقعہ پر بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت علی اور دیگر صحابہ کرام رض مسجد کی تعمیر کا سامان خشت وگل وغیرہ خود اٹھا اٹھا کر لاتے اور انبساطِ طبع کی بناء پر خوشی سے رجز پڑھتے تھے۔

اس مقام میں بعض کلمات جو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بطور رجز کہے ان کلمات کو بعض لوگ بعض دیگر صحابہ رض پر نقد وطعن تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ کلمات آپ نے خوش طبعی کے طور پر کہے ہیں۔ جیسا کہ اجتماعی کاموں میں جب جماعت مل کر کوئی کام سرانجام دے رہی ہوتی ہے تو فرحتِ طبع کے لئے بعض خوش مزاج لوگ تفریحی کلمات کہہ دیا کرتے ہیں۔

پس اگر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی ایسے کچھ کلمات کہہ دیئے تو وہ اس طرح خوش مزاجی پر محمول سمجھنے چاہئیں نہ کہ دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تعریض کے لئے۔ مؤرخین نے اس کی تصریح کر دی ہے۔

..... انما قال ذالك علی رض مطائبة مباسطة كما هو عادة الجماعة اذا اجتمعوا علی عمل [1]

---

[1] (۱) تاریخ الخمیس، ج اوّل، ص ۳۴۵ - تحت ذکر بناء المسجد۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ناظرین کرام پر واضح ہے کہ امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مزاج مبارک میں خوش طبعی تھی اور یہ ایک فطری چیز ہے کہ بعض طبائع خوش مزاج ہوتے ہیں اور یہ اپنے حدود میں کوئی عیب کی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا بعض اوقات ان حضرات سے جو اس طرح کے تفریحی کلمات صادر ہوتے ہیں تو ان میں سے کسی دیگر بزرگ کی تحقیر پیشِ نظر نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ کسی مومن و مسلمان کی تحقیر و تذلیل اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

غزوۂ بدر اور سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ

مدنی زندگی میں اہل اسلام کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے جہاد کی اجازت ملی۔ مسلمانوں کے لئے مکہ شریف میں اشاعتِ اسلام میں جو عوائق اور موانع تھے۔ وہ اب رفع ہو چکے تھے۔ مدینہ طیبہ میں اہل اسلام کے لئے دوسرا دور شروع ہو چکا تھا۔ اپنی مخالفت کرنے والوں کے لئے مسلمانوں کو تلوار استعمال کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس سلسلہ میں اسلام میں بہت سے غزوات پیش آئے ان میں سے غزوۂ بدر کبریٰ ۲ھ سترہ رمضان میں بدر کے مقام پر پیش آیا۔

سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع ملی کہ قریشِ مکہ کا بہت بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان بن حرب کی زیرِ نگرانی ملک شام سے واپس آرہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے ساتھ مشورہ ہوا کہ اس عیر قریش (قافلہ قریش) پر قبضہ کیا جائے تاکہ ان کی طاقت کمزور ہو اور وہ مسلمانوں کو پریشان نہ کر سکیں۔ اس سلسلہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ بدر کی طرف پیش قدمی کی۔

ان حالات کی قافلہ والوں کو اطلاع ملی تو ابوسفیان نے اہل مکہ کی طرف اپنا قاصد روانہ کیا کہ ہمارے حالات مخدوش اور خطرناک ہیں ہماری معاونت کے لئے اور لوگوں کو تیاری کے ساتھ ان کے پاس پہنچنا چاہئے۔ اس طرح قریشِ مکہ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے پوری تیاری کے ساتھ بدر کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۲) سیرت الحلبیہ، ج ثانی، ص ۷۷، تحت ذکر بناء المسجد و ذکر عمار بن یاسر۔

روانہ ہو گئے۔

اس دوران ابوسفیان نے اپنے بچاؤ کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اس نے معروف ومشہور راستہ بدل کر دوسرا ساحلی طریق استعمال کیا اور بچ کر مکہ کی جانب نکل گیا۔

جب اہل مکہ پوری تیاری کے ساتھ بدر کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ہمارا قافلہ بحفاظت مکہ کی طرف نکل گیا ہے اور معارضہ کا خطرہ اٹھ چکا ہے۔ تاہم ابوجہل کے اصرار پر مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے پیش قدمی کی اور قتال پر آمادگی کا اظہار کیا اور میدان میں نکل آئے [1]

دوسری جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیش آمدہ حالات کی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ تو صحابہ کرام رض نے پوری جانثاری اور قربانی کا اظہار کیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس موقعہ پر بشارتیں اور معاونتِ غیبی کے وعدے بیان فرمائے۔

مختصر یہ کہ اہل اسلام اور اہل کفر کے درمیان یہ ایک فیصلہ کن معرکہ تھا اس میں اللہ تعالےٰ کی خصوصی نصرتیں شامل حال تھیں (جیسا کہ آیاتِ قرآنی میں مذکور ہے)۔

مبارزت کے موقعہ پر چند انصار حضرات فرمانِ نبوت کے تحت میدان میں نکلے اور ادھر کفارِ قریش کے اکابر عتبہ بن ربیعہ ، شیبہ بن ربیعہ ، ولید بن عتبہ میدان کارزار میں نکلے انہوں نے دریافت کیا کہ ہمارے مدمقابل آنے والے کون لوگ ہیں ؟ تو انصاریوں نے اپنا اپنا تعارف کرایا۔ جواب میں یہ قریشی کہنے لگے کہ تم ہمارے ہمسر نہیں ، ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہی قبیلہ کے قریشی آئیں۔ تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ، اپنے چچازاد برادر حضرت عبیدہ رض بن حارث بن عبدالمطلب اور اپنے عم زاد

---

[1] (۱) البدایہ ، ج ۳ ، ص ۲۶۶ ، تحت حالات غزوۂ بدر۔

(۲) تاریخ الخمیس ، ج ۱ ، ص ۳۷۴ ، تحت غزوۂ بدر۔

علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب کو رزمگاہ میں نکلنے کے لئے ارشاد فرمایا[1]۔

ان تینوں حضرات کا اپنے مقابلین کے ساتھ سخت مقابلہ ہوا۔ حضرت حمزہ رضؓ نے اپنے مدمقابل شیبہ بن ربیعہ کو اور حضرت علی رضؓ نے اپنے مدمقابل ولید بن عتبہ کو فوراً تہہ تیغ کر دیا۔ حضرت عبیدہ رضؓ بن حارث بن عبدالمطلب کا اپنے مدمقابل عتبہ بن ربیعہ کے ساتھ سخت مقابلہ ہوا اور دونوں مدمقابل نہایت زخمی ہو گئے۔ پھر حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ نے سبقت کر کے عتبہ کو ختم کیا۔ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث کو زخمی حالت میں اٹھا کر واپس خیمہ میں لائے۔ ان کا ایک پاؤں کٹ گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ رضؓ کو اپنے اقدام مبارک کے ساتھ سہارا دیا اور کچھ وقت کے بعد حضرت عبیدہ رضؓ شہید ہو گئے ؎

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے
کہ بوقت جان سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

انتقال کے وقت حضرت عبیدہ رضؓ بن حارث نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں شہید ہوں یا نہیں؟

تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا کہ "اشہد انک شہید[2] یعنی آپ کے شہید فی سبیل اللہ ہونے کی میں گواہی دیتا ہوں۔"

علَم نبویؐ اسلام کے اس عظیم معرکہ میں مہاجرین کا علَم حضرت علی رضؓ بن ابی طالب کے ہاتھ میں تھا اور بعض دفعہ ایک علَم حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں بھی ہوتا تھا۔

---

[1] (۱) البدایہ: ج ۳، ص ۲۷۳۔ تحت حالات غزوۂ بدر۔
(۲) الاصابہ لابن حجر: ج ۲: ص ۴۴۹۔ تحت عبیدہ بن الحارث۔
(۳) تاریخ الخمیس: ج ۱: ص ۳۷۸۔ حالات غزوۂ بدر

[2] (۱) البدایہ: ج ۳: ص ۳۲۷۔ ۲۷۴۔ تحت حالات غزوۂ بدر۔ (۲) تاریخ الخمیس: ج ۱: ص ۳۷۸۔

انصار کا عَلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ اور بعض مقام میں اس کا حضرت سعد بن معاذ رضؓ کے ہاتھ میں ہونا بھی مذکور ہے [1]

میدان کارزار میں کئی مراحل پیش آتے ہیں ان میں اس نوع کی تبدیلیوں کا پایا جانا کچھ عجب نہیں بہت ممکن ہے وقتی حالات کے تحت صاحب لواء اور صاحب عَلم تبدیل کئے گئے ہوں۔ بایں ہمہ بدر جیسے عظیم معرکۂ حق و باطل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عَلم برداری کا منصب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عطار کیا جانا نہایت اعلیٰ منقبت ہے۔

معرکۂ بدر میں جہاں دیگر اکابر مہاجرین نے مشاہیر کفار اور اعداءِ اسلام کو تہ تیغ کیا اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور بہت سے کفار مثلاً (الولید بن عتبہ، نضیر بن الحارث وغیرہم) کو نیست و نابود کیا۔ مشہور قول کے موافق ستّر کافر مقتول ہوئے اور ستّر قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لائے گئے۔

غنائم بدر

جنگ بدر میں اہل اسلام کو بہت سے غنائم حاصل ہوئے۔ ان میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ایک عمدہ قسم کی ناقہ اور ایک اعلیٰ قسم کی سیف جو ذوالفقار کے نام سے موسوم تھی حصہ میں ملی تھی۔ یہ تلوار سردارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم سے اپنے لئے پسند فرمائی تھی پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عنایت فرمادی [2]۔ اور ایک زرہ کا ملنا بھی علماء نے لکھا ہے [3]

---

[1] (۱) البدایہ: ج ۳، ص ۳۲۶، ۳۲۷۔ تحت فصل بعد از غزوۂ بدر۔

(۲) مسند امام احمد رح: ج ۱: ص ۳۶۸۔ مسندات ابن عباس رضؓ۔

(۳) تاریخ الخمیس: ج ۱، ص ۳۷۲۔ تحت غزوۂ بدر الکبریٰ۔

[2] البدایہ لابن کثیر رح: ج ۷، ص ۲۲۳۔ تحت خلافۃ امیر المؤمنین علی رضؓ۔

[3] مسند الحمیدی، ج ۱، ص ۲۲۔ تحت احادیث علی رضؓ بن ابی طالب۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیساتھ

قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت فاطمہ رضہ کے تزوج کا مسئلہ کتاب "رحماء بینہم" حصہ صدیقی باب اول میں چند تشریحات کے ساتھ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح کتاب "بناتِ اربعہ" میں سیدہ فاطمہ رضہ کے احوال میں بھی یہ مسئلہ بقدرِ ضرورت توضیحات کیساتھ درج کیا جا چکا ہے۔ بعض حضرات کو اس بحث میں تفصیل مطلوب ہو وہ مذکورہ بالا مقامات کیطرف رجوع فرمالیں۔ یہاں مسئلہ تزویج کو مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

نکاح اور زوجین کی عمر

ماہِ رجب سنہ ۲ھ میں حضرت علی المرتضیٰ رضہ کا نکاح سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا تھا۔ اور نکاح کا مہر چار صد مثقال مقرر کیا گیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اکیس [۲۱] یا چوبیس [۲۴] برس کی تھی اور حضرت زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر علیٰ اختلاف الاقوال پندرہ [۱۵]، اٹھارہ [۱۸] یا انیس [۱۹] سال کے قریب تھی [۱]

مجلسِ نکاح

انعقادِ نکاح کے لئے یہ بابرکت اجتماع بالکل سادہ، تکلفاتِ زمانہ سے مبرّا اور رسوماتِ مروجہ سے خالی تھا۔ اس مبارک نکاح کی تقریب میں سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا فاروقِ اعظم، سیدنا عثمان ذوالنورین اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شامل تھے۔ اور شاہدِ نکاح تھے۔ اہل السنۃ و شیعہ علماء دونوں حضرات نے ان بزرگوں کی شمولیت و شہادات نکاح کو درج کیا ہے [۲]

---

[۱] شرح مواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۳۔ تحت فصل ذکر تزوج ہذا۔

[۲] (۱) ذخائر العقبیٰ لمحب الطبری، ص ۳۰۔ باب ذکر تزویج فاطمہ رضہ۔ (بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

اور خطبۂ نکاح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔

جہیز طبقات ابن سعد اور مسند احمد رح کی روایات کی روشنی میں رخصتی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے موقع پر آپ کو جو جہیز دیا گیا وہ ایک چارپائی ایک بڑی چادر، چمڑے کا تکیہ (جو کھجور کی چھال یا خوشبودار گھاس اذخر سے بھرا ہوا تھا) ایک مشکیزہ ، دو گھڑے، اور ایک آٹا پیسنے کی چکی پر مشتمل تھا [1]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خانۂ مبارک میں شادی کے موقعہ پر یہ مختصر سامان زاہدانہ معیشت کے لئے کافی اور مکتفی تھا۔ جہانداری کی زیب و زینت کا کوئی نشان تک نہ تھا۔ اور اہلِ ثروت کا سا سامانِ تعیش مفقود تھا اور متمولین جیسی آرائش معدوم تھی

حصولِ مکان اور رخصتی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سکونتی مکان کے لئے اپنے ایک صحابی حارثہ بن نعمان رض کے مکان کا ذکر فرمایا۔ حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ پہلے بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ایک مکان پیش کر چکے تھے۔ تو اس دفعہ حضرت علی رض اور حضرت فاطمہ رض کے لئے حارثہ رض بن نعمان سے پھر ایک مکان لینے میں آپ کو تردد ہوا۔ یہ بات جب حارثہ رض تک پہنچی تو حارثہ بن نعمان رض نے خود آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض داشت پیش کی کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۲) شرح مواہب اللدنیہ للزرقانی رح ؛ ج ۲ ؛ ص ۳ ۔ تحت بحث ہذا ۔

(شیعہ) (۳) کشف الغمہ لعلی بن عیسیٰ الاربلی الشیعی ؛ ج ۱ ؛ ص ۴۷۱ ، ۴۷۲ ۔ تحت ذکر تزویج فاطمہ رض ۔

(شیعہ) (۴) بحار الانوار از ملّا باقر مجلسی ؛ ج ۱۰ ؛ ص ؛ تحت باب تزویجہا (طبع قدیم)

[1] (۱) مسند احمد رح ؛ ج ۱ ؛ ص ۱۰۴ ۔ تحت مسندات علوی رض ۔

(۲) طبقات ابن سعد ؛ ج ۸ ؛ ص ۱۴ ۔ تحت ذکر سیدہ فاطمہ رض (طبع لیدن) ۔

(۳) البدایہ لابن کثیر رح ؛ ج ۳ ؛ ص ۳۴۶ ۔ تحت فصل دخول علی رض علی زوجتہ فاطمہ رض ۔

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اور میرا مال اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے حاضر ہے۔ جو مکان آپ مجھ سے حاصل فرمائیں گے وہ میرے لئے اس مکان سے زیادہ پسندیدہ ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے چھوڑیں گے"

تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مکان حضرت علی رض و حضرت فاطمہ رض کے لئے قبول فرمایا اور دعائے خیر کے کلمات کہتے ہوئے فرمایا بارك الله عليك[1] یا فرمایا بارك الله فيك

اس کے بعد اس مکان میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی رخصتی کا انتظام کیا گیا۔ اور مکان کی تیاری کے سلسلہ میں صفائی و دیگر ضروری انتظامات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی معاونت سے مکمل فرمائے[2]

مکان کی تیاری کے بعد ذوالحجہ ۲ھ میں سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر فاطمہ رض کو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس مکان کی طرف اپنی خادمہ ام ایمن رض کی معیت میں پیادہ پا روانہ فرمایا۔ اور اس طرح خاتونِ جنت رض کی رخصتی اس سادہ سی تقریب کی صورت میں مکمل ہوئی جس میں مروجہ رسومات کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ اور یہ امت کے لئے عملی تعلیم کا بے مثل نمونہ تھا۔

اس موقعہ میں حضرت عائشہ رض اور حضرت جابر رض فرمایا کرتے تھے

وما رأينا عرسا احسن من عرس فاطمة رض[3]

یعنی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی شادی سے بہتر اور عمدہ ہم نے کوئی شادی نہیں دیکھی۔

---

[1] (۱) طبقات ابن سعد: ج ۸: ص ۱۴ - تحت ذکر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا۔
(۲) الاصابہ: ج ۴: ص ۳۶۶ - تحت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالےٰ عنہا۔

[2] السنن لابن ماجہ: ص ۱۳۹: - کتاب النکاح باب الولیمہ (طبع دہلی) -

[3] (۱) تاریخ الخمیس: ج ۱: ص ۴۱۱: - تحت بناء علی رض بہ فاطمہ رض۔
(۲) السنن لابن ماجہ: ص ۱۳۹: کتاب النکاح باب الولیمہ (طبع دہلی)۔

دعوتِ ولیمہ

رخصتی کی اس مبارک تقریب کے بعد دعوتِ ولیمہ کا مختصر سا انتظام کیا گیا جس میں جو کی روٹی، کچھ کھجور اور پنیر سے اپنے احباب کے لئے دعوتِ طعام ترتیب دی گئی لہ یہ اس بابرکت شادی کا متبرک ولیمہ تھا جس میں نہ تکلف تھا نہ تصنع اور نہ ہی قبائلی تفاخر مدنظر تھا۔ دعوتِ ولیمہ ایک سنت طریقہ ہے۔ اس سنت کو نمود و نمائش کے بغیر نہایت سادگی سے ادا کیا گیا اور اہلِ اسلام کے لئے اس میں عملی نمونہ پیش کیا گیا۔

کلماتِ دُعائیہ

جب انتظامی مراحل مکمل ہو گئے اور رخصتی بھی ہو چکی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر مناسب حال نصائح و ہدایات ارشاد فرمائیں اور زوجین رض کے لئے یہ دعائیہ کلمات کہے۔

" اللّٰهمّ بارك فيهما وبارك عليهما و بارك لهما ولنسلهما "[2]

یعنی اے اللہ! زوجین کے مال و جان میں برکت عطاء فرما اور ان کی اولاد کے حق میں بھی برکت فرما۔

غزوۂ اُحد اور سیدنا علیؓ

غزوۂ احد ۱۱ یا ۱۵ شوال (علی اختلاف الاقوال) ۳ھ میں پیش آیا تھا۔ اسلام میں یہ دوسرا بڑا معرکہ تھا جس میں حق و باطل کی صف آرائی ہوئی۔ اس غزوہ میں کفارِ قریش غزوۂ بدر کی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے اپنی جانب سے

لہ (۱) تاریخ الخمیس : ج ۱ : ص ۴۱۱ :- تحت بناء علی رض بہ فاطمہ رض۔

(۲) شرح مواہب اللدنیہ للزرقانی رح : ج ۲ ص ۶-۷ :- تحت تزویج فاطمہ رض۔

لہ (۱) الاصابہ لابن حجر رح : ج ۴ ص ۳۶۶ :- تحت فاطمۃ الزہرا رض۔

(۲) مسند الحمیدی : ج ۱ : ص ۲۲ :- تحت احادیث علی بن ابی طالب رض۔

(۳) السنن لسعید بن منصور : ج ۳ : ص ۱۵۴ - (القسم الاوّل)۔

پوری تیاری کے ساتھ مدینہ شریف پر اقدام کر کے آئے تھے۔ اور اس کے جواب میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رض کی معیت میں احد کے مقام کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ غزوۂ ہذا میں صحابہ کرام رض کی تعداد کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ ابتداءً کم و بیش ایک ہزار تھی اور ان کے مدمقابل مشرکین کی تعداد قریباً تین ہزار تھی۔

اس موقعہ پر مدینہ شریف میں نیابت صلوٰۃ کے لئے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام مقرر کیا گیا تھا۔

لشکر کی ترتیب کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ اس کے میمنہ کے امیر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور میسرہ کے امیر المنذر بن عمرو الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جبکہ قلب لشکر کے امیر سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم متعین تھے۔ " رجالہ " یعنی پیادہ پا دستہ پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر تھے۔ اور تیر اندازوں کی جماعت پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا گیا تھا۔

اس غزوہ میں مہاجرین کا پرچم حضرت مصعب بن عمیر رض کے پاس تھا جو ان کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رض کے سپرد کیا گیا۔ کفار کی طرف سے ان کا علم بردار ابو سعد بن ابی طلحہ تھا۔ اس نے حضرت علی رض کو مبارزت کے لئے آواز دی۔ پھر دونوں کا اس رزمگاہِ قتال میں سخت مقابلہ و مقاتلہ ہوا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رض نے اپنی کمال شجاعت کے ساتھ وار کر کے اسے گرا دیا [1]

اس کے علاوہ دوران جنگ آپ رض نے متعدد مشرکین کو تہ تیغ کیا۔ ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ ابوالحکم بن الاخنس کا فر ثقفی نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا تو جواباً حضرت علی المرتضیٰ رض نے ابوالحکم مذکور پر اپنی تیغ سے شدید حملہ کیا وہ اسپ سوار تھا تاہم اس کے پاؤں کو نصف ران سے قطع کر کے اسے گھوڑے سے گرا دیا اور ختم کر ڈالا [2]

---

[1] البدایہ لابن کثیر ؒ، ج ۴، ص ۲۰، تحت عنوان مقتل حمزہ رض۔ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خندق میں گرنے کا واقعہ پیش آیا۔ اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضہ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضہ پہنچے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں حضرات نے سنبھالا دیا [1]

ان سنگین حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خون آلود ہو گیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک کو ضرب پہنچی۔ شدتِ قتال فرو ہونے پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام میں آرام فرما ہوتے۔ اس وقت آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے خون صاف کرنے کے لئے حضرت علی رضہ نے اپنی ڈھال کے ذریعہ پانی مہیا کیا۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے خون بند کرنے کی ایک تدبیر کی [2]

غزوۂ ہذا میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم (مرد و زن) کے بے شمار کارنامے اور خدمات ہیں۔ اور بے مثل قربانیاں احادیث اور اسلامی تاریخ میں مذکور ہیں۔ حضرت سیدنا حمزہ رضہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضہ و دیگر صحابۂ کرام رضہ کی دردناک شہادت اس موقعہ پر ذکر کی گئی ہے۔ لیکن تالیف ہذا کے موضوع کی رعایت کے اعتبار سے ہم ان تفصیلات میں جانا ضروری نہیں سمجھتے۔

ایک اشتباہ پھر اس کا ازالہ

اس دور کے بعض مصنفین نے حضرت علی المرتضیٰ رضہ کی سیرت میں غزوۂ احد کے واقعات کے تحت طبری کی ایک روایت کے پیشِ نظر حضرت عمر اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما پر ایک اعتراض قائم کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) [2] طبقات ابن سعد : ج ۳ : ص ۱۲۸ : ق ثانی تحت ذکوان۔

[1] البدایہ : ج ۴ : ص ۲۴ : تحت فصل ثم انزل اللہ نصرہ علی المسلمین۔

[2] (۱) بخاری شریف : ج ۲ : ص ۵۸۴ : تحت ابواب غزوہ احد (طبع دہلی)۔

(۲) البدایہ لابن کثیر : ج ۴ : ص ۲۹ : تحت فصل فیما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ من المشرکین۔

(۳) المصنف لابن ابی شیبہ : ج ۱۴ : ص ۴۰۷، ۴۰۸ : (طبع کراچی) کتاب المغازی۔

کہ جنگِ احد میں جب ایک وقت میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہوا اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ افواہ پھیل گئی کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس دوران اہلِ اسلام پر ایک کیفیتِ یاس چھا گئی۔ اور کچھ لوگ ایک چٹان پر اسی اضطراب اور مایوسی کے عالم میں بیٹھ گئے۔ ان لوگوں میں حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہ رضی بھی موجود تھے۔ ان لوگوں میں سے بعض نے کہا۔

" کاش ہمیں کوئی قاصد مل جاتا جسے ہم عبداللہ بن ابیؔ کے پاس بھیجتے جو ہمارے لئے ابوسفیان سے امان کی درخواست کرتا۔

اے لوگو! محمدؐ تو قتل ہو گئے اب اپنی قوم (قریش) کی طرف واپس چلو قبل اس کے کہ وہ تمہارے پاس آئیں اور تمہیں قتل کر دیں "۔

..... قال بعض اصحاب الصخرة ليت لنا رسولا الى عبد الله بن ابيّ فيأخذ لنا امنة من ابی سفیان -

یاقوم ! ان محمدًا قد قتل فارجعوا الى قومكم قبل ان يأتوكم فیقتلوکم ۔[1]

معترض کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر دین سے منحرف ہو گئے تھے اور دین سے مایوس کر مندرجہ بالا خیالات کا اظہار کیا۔

ازالہ — شبہ ہذا کے جواب میں چند چیزیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ ان پر نظر غائر فرمائیں۔ اعتراض ہذا کا ازالہ ہو جائے گا۔

—— اوّل :۔ سب سے پہلے یہ چیز ملحوظ خاطر رہے کہ طبریؔ کی جس روایت کی بناء پر یہ اعتراض قائم کیا گیا ہے اس کی اسنادی حیثیت یہ ہے کہ اس کا ایک راوی " السدی " ہے اور اس راوی کو علمائے رجال نے " مجروح " اور " مقدوح " قرار دیا ہے اور شیعہ لکھا ہے۔[2]

---

[1] تاریخ طبریؔ ، ج ۳ ، ص ۲۰ ۔ تحت حالات غزوۂ احد سنۃ ثالثۃ ۔ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

——— دوم :۔ دوسری چیز یہ ہے کہ "السدّی" نے خود یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ واقعہ ہذا کسی سے نقل نہیں کیا۔ فلہٰذا یہ روایت سنداً منقطع ہے۔ کیونکہ راوی ہذا واقعہ احد سے بہت بعد کے دور کا آدمی ہے۔ اور واقعہ ہذا کے وقوع اور اس راوی کے درمیان مدتِ مدیدہ فاصل ہے۔

——— سوم :۔ نیز طبری نے اس روایت میں "لبعض اصحاب الصخرۃ" کے الفاظ سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (یعنی حضرت عمر یا حضرت طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے اسماء مذکور نہیں) بلکہ اصحاب الصخرہ میں سے کسی فرد کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ کسی کا نام متعین نہیں کیا۔

لیکن معترض نے اپنے رجحانِ طبع کے اعتبار سے حضرت عمر اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما مراد لئے ہیں۔

——— چہارم :۔ طبری میں اس مقام کی روایات میں یہ روایت موجود ہے کہ۔ پریشانی اور مایوسی کے عالم میں بعض مہاجرین و انصار بیٹھے تھے جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضؓ بھی موجود تھے کہ انس بن نضر رضؓ ان کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ تم اس طرح پریشان کیوں بیٹھے ہو؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس پر حضرت انس بن نضر رضؓ نے کہا کہ اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے تو پھر ہم آنجناب صؐ کے بغیر زندہ رہ کر کیا کریں گے...... چنانچہ یہ لوگ مخالفین کی طرف متوجہ ہوئے اور شدید قتال کیا اور اسی دوران حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ [1]

روایت ہذا میں "اصحاب الصخرہ" کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی اس میں ان رجحانات، اور خیالات کا ذکر ہے جو "اصحاب الصخرہ" والی روایت سے ظاہر ہوتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ "اصحاب الصخرہ" والی روایت میں حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہ رضؓ کے اسماء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) [2] کتاب میزان الاعتدال للذہبی، ج ۱، ص ۱۰۹، ۱۱۰۔ تحت اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکوفی طبع مصر قدیم)

[1] تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۹۔ تحت حالات غزوۂ احد ۳ھ۔

شامل نہیں۔ اور جس روایت میں حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کے اسماء مذکور ہیں اس روایت میں وہ رجحانات اور خیالات مذکور نہیں جو " اصحاب الصخرہ " کی روایت سے عیاں ہیں۔

قرائن وشواہد معترض نے اصحاب الصخرہ والی روایت سے، دین سے انحراف اور مایوسی کے جن رجحانات وخیالات کا الزام حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ پر عائد کیا ہے یہ ہرگز درست نہیں۔ ان کے غلط ہونے پر درج ذیل قرائن وشواہد موجود ہیں۔

۱:۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ

"..... فلما عرف المسلمون رسول الله صلى الله عليه وسلم نهضوا به ونهض نحو الشعب معه علي بن ابي طالب و ابوبكر بن قحافة وعمر بن الخطاب وطلحة بن عبيد الله و زبير بن العوام و الحارث بن الصمه في رهط من المسلمين" [۱]

یعنی اضطرابی کیفیت سے سنبھلنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک گھاٹی کی طرف تشریف لے گئے تو آپؐ کے ہمراہ حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، اور حضرت حارث بن الصمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مسلمانوں کی ایک جماعت تھی۔

یہ چیز اس بات کا قرینہ ہے کہ ان حضرات کے دین وایمان میں کوئی تذبذب یا مایوسی کا شائبہ تک نہیں آیا۔

۲:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آنجنابؐ کے اصحابؓ جنگ کے بعد ایک مقام پر تشریف فرما تھے کہ ابوسفیان نے تفاخر وتعلی کے انداز میں ندا دی کہ " لنا عزى ولا عزى لكم " تو بقول طبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ قل الله مولانا ولا

---

[۱] تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹ ۔ تحت واقعات غزوۂ احد ۳ھ

موولی لکھو " [1]

یہ واقعہ واضح طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت عمر رض آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور آنجناب ؐ کو آپ کے ایمان وایقان پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اسی لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی مشرکانہ ندا کے جواب کے لئے آپ ؓ کو منتخب فرمایا ۔

۳ :- اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہ رض سے متعلق اسی موقعہ کی ایک روایت طبری ؒ نے نقل کی ہے کہ ۔

ایک مرتبہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چٹان پر چڑھنے کی ضرورت ہوئی اور آپ نے تکلیف محسوس فرمائی تو حضرت طلحہ رض آپ کے پاس بیٹھ گئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سہارے سے چٹان پر چڑھے ۔

..... فلما ذهب لينهض لم يستطع فجلس تحته طلحة بن عبيد الله فنهض حتى استوى عليها " [2]

روایت مذکورہ بالا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور ان حضرات کے ایمان واسلام میں کوئی تذبذب وغیرہ نہیں آیا ۔

مندرجات بالا سے واضح ہے کہ معترض نے حقیقتِ واقعہ سے قطع نظر کر کے اعتراض قائم کرنے میں تلبیس سے کام لیا ہے ۔ اور اپنی کج فطرتی کے موافق غلط استخراج کیا ہے ۔

واقعہ بنی نضیر ربیع الاوّل ۴ھ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نضیر سے دو افراد کے قتل کی دیت (معاوضہ قتل) کے معاملہ میں گفتگو کے لئے ان کے ہاں تشریف لے گئے ۔ بنو نضیر مدینہ طیبہ سے قریباً دو میل باہر مقیم تھے ۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت ابوبکر

---

[1] تاریخ طبری ، ج ۳ ، ص ۲۱ ۔ تحت حالات غزوۂ احد ۳ھ

[2] تاریخ طبری ، ج ۳ : ص ۲۱ ، تحت حالات غزوۂ احد ۳ھ

صدیق رض، حضرت عمر فاروق رض، حضرت علی المرتضیٰ رض اور دیگر متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت تھی۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رض کی مصاحبت میں وہاں ایک یہودی کے مکان کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اکابر بنو نضیر بظاہر خوش اسلوبی سے پیش آئے۔ ادائیگی دیت کے معاملہ میں اعانت کا وعدہ کیا لیکن درپردہ انہوں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر سنگِ گراں گرا کر آپ کو شہید کرنے کی سازش کی۔ مگر اللہ تعالےٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مذموم ارادہ سے مطلع فرما دیا۔ اور آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ شریف واپس تشریف لائے۔ بعد میں صحابہ کرام بھی واپس آگئے [1]

یہود بنی نضیر کی اس مخادعت (فریب کاری) اور دیگر بدعہدیوں کی بنا پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر محاصرہ کا اقدام فرمایا۔ اس موقعہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رض کو علم عنایت فرمایا۔ جناب علی المرتضیٰ رض اہل اسلام کی طرف سے علم بردار تھے [2]

اس دوران آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف میں نماز کے انتظام پر پھر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رض کو مقرر فرمایا۔ بالآخر بنو نضیر محاصرہ کی تاب نہ لا سکے اور اپنے املاک و جائیدادیں چھوڑ کر بیشتر تو خیبر جا پہنچے اور کچھ دوسرے مقامات کی طرف رخصت ہو گئے۔

غزوۂ خندق اور احزاب

اسلام کے غزوات میں غزوۂ خندق ایک مشہور غزوہ ہے یہ شوال ۵ھ میں پیش آیا تھا۔ کفار اپنی پوری تیاری کے ساتھ مدینہ

---

[1] (۱) سیرت ابن ہشام ؛ ج ۲ ؛ ص ۱۹۰ ۔ تحت اجلاء بنی نضیر۔
(۲) تفسیر لابن کثیر ؛ ج ۴ ؛ ص ۳۳۱ ۔ تحت سورۃ الحشر ؛ پ ۲۸ ۔
(۳) البدایہ لابن کثیر ؛ ج ۴ ؛ ص ۷۵ ۔ تحت غزوۂ بنو نضیر۔

[2] (۱) طبقات ابن سعد ؛ ج ۲ ؛ ص ۴۱ ۔ تحت غزوۂ بنی نضیر۔
(۲) تاریخ الخمیس ؛ ج ۱ ؛ ص ۴۶۱ ۔ تحت غزوہ بنی نضیر۔

شریف پر حملہ آور ہونے کے لئے متعدد قبائل عرب کو ساتھ لے کر پہنچے تھے۔ اور مسلمانوں کی طرف سے مدینہ کے باہر ان کے حملے کے جواب کے لئے حفاظتی تدبیر کے طور پر خندق کھودی گئی تھی۔ اس واقعہ کی سیرت و تاریخ کی کتابوں میں بہت کچھ تفصیلات ہیں اور قرآن مجید میں سورۂ احزاب کی متعدد آیات میں اس کا بیان ہے۔ لیکن یہاں صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔

کفار کے قبیلہ بنی عامر میں ایک شخص عمرو بن عبدود مشہور شجاع تھا۔ یہ شخص جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس ہوا تھا۔ اور جنگ احد میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔ اس بار غزوۂ خندق میں اپنے گروہ کے ساتھ پھر شامل ہوا۔ بہادری کے غرور میں اہل اسلام کو اس نے مبارزت کی دعوت دی تھی۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابلہ کے لئے میدان کارزار میں نکلے۔ دونوں کا باہم سخت قتال ہوا اور حضرت علی رضؓ نے اس پر وار کر کے اسے قتل کر دیا اور اس کے غرور کو خاک میں ملا دیا [1]

غزوہ ہذا میں اللہ تعالیٰ کی کمال نصرت شامل حال ہوئی اور کفار کی جماعتیں سخت ہزیمت اٹھا کر پسپا ہوئیں اور مسلمانوں کو اللہ کریم نے کامیاب و کامران فرمایا۔

غزوہ بنی قریظہ

یہ واقعہ ذوالقعدہ ۵ھ کا ہے۔ اہل اسلام کے ساتھ یہود بنی قریظہ کا معاہدہ تھا کہ بنو قریظہ مسلمانوں کے خلاف کفار قریش کی مدد اور معاونت نہیں کریں گے اور مخالفانہ جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔

لیکن غزوۂ احزاب کے موقعہ پر بنو قریظہ نے بد عہدی کر کے کفار قریش کی معاونت کی اور دیگر قبائل عرب کو بھی مسلمانوں کے خلاف تحریص دلائی اور قتال پر آمادہ کیا۔

---

[1] (۱) سیرت لابن ہشام : ج ۲ ، ص ۲۲۵ ۔ تحت قتل علی لعمرو بن عبدود ۔

(۲) البدایہ لابن کثیرؒ : ج ۴ ، ص ۱۰۵ ، ۱۰۶ ۔ تحت فصل (احوال خندق)۔

(۳) تاریخ الخمیس : ج ۱ ، ص ۴۸۶ ، ۴۸۷ ۔ تحت مبارزت علی رضؓ لعمرو بن عبدود ۔

واقعہ احزاب کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ شریف تشریف لائے تو اسی وقت حکم خداوندی نازل ہوا کہ بنو قریظہ کی مخادعت اور بدعہدی کی بناء پر اقدام کرکے ان کا محاصرہ کیا جائے۔ تو سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رض کو ارشاد فرمایا کہ بنی قریظہ پر حصار کرکے ان کو قلعہ بند کر دیا جائے اور ان پر قبضہ کیا جائے۔ اور انتظامی امور میں یہ صورت اختیار کی کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ شریف پر نگران بنایا۔ اور ایک ابتدائی دستہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں بنو قریظہ کی طرف روانہ کیا اور علم بھی آپ کے سپرد کیا گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمعہ دیگر صحابہ رض کے بنو قریظہ کے ہاں پہنچے اور ان کے قلعہ کی دیواروں کے پاس جاکر عَلم نصب کر دیا۔ اس وقت یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت ص کے ازواج مطہرات رض کے حق میں سب و شتم کرنے لگے۔ ؎1

"وکان علی رض قد سمع منھم قولا سیئا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وازواجہ رضی اللہ عنھن ۔"

اور بعد میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ دیگر صحابہ رض تشریف لائے۔ تو حضرت علی رض نے سبقت کرکے ان (یہود) کے سب و شتم کا حال جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " ہمارے پہنچ جانے کے بعد اب سب و شتم نہیں کریں گے۔

اب یہ لوگ اپنی حفاظتی تدبیر کے تحت اپنے قلعہ میں داخل ہوگئے اور مسلمانوں نے بفرمان نبوت ص قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور کم و بیش پندرہ دن محاصرہ جاری رہا۔ پھر ان کا انجام ان کے قتل پر اختتام پذیر ہوا۔ ان کے جنگی مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ اور عورتوں اور بچوں کو اسیر بنا لیا گیا۔ اور ان کے اموال و امتاع مالِ غنیمت قرار پائے ؎2

؎1 (1) البدایہ لابن کثیر ج ۴ ص ۱۱۹ - فصل غزوۂ قریظہ۔

(2) سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۳۵۵ - تحت بنی قریظہ۔ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

تنبیہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آنجناب ﷺ کی ازواج مطہرات کے حق میں بدگوئی اور سب و شتم، کرنے والی پہلی قوم یہود بنی قریظہ ہیں۔ یہ ان کا بُرا عمل تھا جس کا نتیجہ بروقت ان کو نصیب ہو گیا۔

ازواج مطہرات رضی اللہ تعالےٰ عنہن کے حق میں بدکلامی کرنے والوں کے لئے اس میں سامان عبرت موجود ہے۔

سریہ بنی سعد (فدک) شعبان ۶ھ میں سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع پہنچی کہ قبیلہ بنی سعد بن بکر کے ہاں ایک قوم جمع ہے جو یہودِ خیبر کی امداد و اعانت کے لئے آمادہ ہے۔ ان کے تعاون سے یہود کی جمعیت بڑھے گی اور اہلِ اسلام کے خلاف ایک اور طاقت قائم ہو جائے گی۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرہ کو فرو کرنے اور ان کی جمعیت کو منتشر کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نگرانی میں مسلمانوں کی ایک جماعت ارسال فرمائی۔ یہ حضرات ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے ہمج کے مقام پر جا پہنچے۔ یہ ایک چشمۂ آب تھا جو فدک اور خیبر کے درمیان واقع تھا۔ وہاں ایک شخص کے ذریعہ حالات کی سراغ رسانی کی لیکن اس دوران بنو سعد کو مسلمانوں کے دستے کی آمد اور حملہ آوری کی اطلاع ہو گئی۔ وہ وہاں سے بھاگ گئے اور مسلمانوں کو بہت سے غنائم حاصل ہوئے اور حسبِ قواعدِ اسلامی حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھوں انہیں تقسیم کیا گیا [1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) [2] (۱) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۳۴، ۲۳۵۔ تحت غزوہ بنی قریظہ۔

(۲) البدایہ لابن کثیر، ج ۴، ص ۱۱۹۔ تحت غزوہ بنی قریظہ۔

(۳) تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۴۹۳، ۴۹۴۔ تحت غزوہ بنی قریظہ۔

[1] (۱) طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۶۵۔ تحت سریہ علی بن ابی طالب رضہ۔

(۲) تاریخ الخمیس، ج ۲، ص ۱۲۔ تحت بعث علی رضہ الی بنی سعد۔

(۳) زرقانی شرح مواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۶۲۔ تحت سریہ علی رضہ الی بنی سعد۔

صلح حدیبیہ ذوالقعدہ سنہ ۶ھ

واقعہ ہذا بڑی تفصیلات کا حامل ہے جو حدیث اور سیرت کی کتب میں مذکور ہے۔ یہاں مضمون میں ربط کے پیشِ نظر چند اشیاء ذکر کی جاتی ہیں۔

اس موقعہ پر جب کفار کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح ہوئی تو صلح نامہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے تحریر کیا تھا جب کتابت کرنے لگے تو اس طرح تحریر کیا کہ

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور قریش کے درمیان یہ صلح نامہ ہے .... الخ

کفار نے کہا کہ لفظ " الرحمٰن الرحیم " اور لفظ " رسول اللہ " نہ لکھئے۔ اگر یہ منصب ہم تسلیم کر لیں تو اختلاف ہی کیا ہے۔ " محمد بن عبد اللہ " لکھئے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ بن ابی طالب کو ارشاد فرمایا کہ لفظ " رسول اللہ " کاٹ دیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضا نے عرض کیا میں تو اس لفظ کو کاٹنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (رفع نزاع کے لئے) خود اپنے دستِ مبارک سے اسے محو فرمایا [1]

صلحنامہ ہذا میں متعدد شرائط تھیں (ان کی تفصیلات مفصل کتابوں میں پائی جاتی ہیں) مختصراً یہ ہے کہ یہ معاہدہ مضمونِ ذیل پر مشتمل تھا۔

۱ : مسلمانوں اور کفار کے درمیان قتال دس سال تک موقوف ہے۔

۲ : اس مدت کے درمیان ایک فریق دوسرے فریق پر تیغ زنی نہیں کرے گا اور نہ ہی خیانت

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ : ج ۱۴ ، ص ۴۳۵ ۔ کتاب المغازی ۔ طبع کراچی۔

(۲) مسلم شریف : ج ۲ ، ص ۱۰۴ ، ۱۰۵ ۔ تحت باب صلح حدیبیہ ۔ طبع دہلی ۔

(۳) بخاری شریف ، ج ۱ ، ص ۳۷۱ ، ۳۷۲ ۔ کتاب الصلح باب کیف یکتب ہذا ما صالح فلان بن فلان ۔

(۴) مشکوٰۃ شریف ، ص ۳۵۵ ۔ باب الصلح ۔ الفصل الثالث ۔ متفق علیہ ۔

کرے گا۔

——— ۳ : قریش کا جو شخص اپنے ولی اور آقا کی اجازت کے بغیر مدینہ جائے گا اس کو واپس کرنا ہوگا۔

——— ۴ : اور جو شخص مسلمانوں میں سے مدینہ سے مکہ آجائے اس کو واپس نہ کیا جائے گا۔

——— ۵ : اور امسال مسلمان بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں اور مکہ میں داخل نہ ہوں۔ آئندہ سال صرف تین یوم مکہ میں عمرہ کے لئے داخل ہو کر واپس ہو جائیں گے۔

اسی ضمن میں ابوجندل مسلمان ہو کر بھاگ کر مسلمانوں کی طرف آیا لیکن اس کو بفرمانِ نبوی معاہدہ کی رعایت کے لئے اس کے کافر والد سہیل بن عمرو کے حوالہ کر دیا گیا۔

صلحنامہ کے ذریعہ جو صلح ہوئی تھی یہ بظاہر کفار کے حق میں تھی اور ان کی اس سے بالادستی نمایاں تھی۔ معلوم ہوتا تھا مسلمانوں کے حق میں یہ صلح مغلوبانہ ہے اور اس میں مسلمانوں کی زیردستی ظاہر تھی۔ اس واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صلحنامہ کی کتابت کی خدمات سرانجام دیں جو نہایت قابل قدر ہیں۔ اور شانِ رسالت کا اس میں احترام و اکرام ملحوظ رکھنا بڑا وقیع کارنامہ ہے بظاہر تو فرمانِ نبوی سے گریز کرنا معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایمانی جذبات کا اظہار تھا جو اس شکل میں کیا گیا۔ اور اسے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ناپسند نہیں فرمایا بلکہ عملاً مستحسن سمجھا۔

تنبیہ ——— صلحنامہ پر اہلِ اسلام اور کفار دونوں فریقین کے تصدیقی و توثیقی دستخط ثبت کئے گئے مسلمانوں کی طرف سے شاہد بننے والے اکابر حضرت صدیقِ اکبر رض، حضرت عمر فاروق رض، حضرت علی رض، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رض وغیرہم تھے۔

اور کفار کی جانب سے گواہ بن کر دستخط کرنے والے عبداللہ بن سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص وغیرہ تھے[1]

---

[1] (۱) سیرت ابنِ ہشام : ج ۲ ، ص ۳۱۹ ۔ تحت من شہدوا علی الصلح ۔

(۲) تاریخ الخمیس : ج ۲ ، ص ۲۳ ۔ تحت حالات صلح حدیبیہ ۔

مسلمانوں اور کفار کے مابین معاہدہ کی یہ بڑی اہم دستاویز تھی اس پر مسلمانوں کی طرف سے دستخط کرنے والے اہلِ اسلام میں بڑے پختہ کردار اور انتہائی معتمد افراد ہی ہو سکتے تھے اور ان کے ایمان و یقین میں اشتباہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہ سکتی تھی۔ اور کفار کی نظروں میں بھی یہ حضرات اعلیٰ حیثیت کے مالک اور درجۂ اعتماد میں مرتبہ علیا پر فائز تھے۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ

اس موقعہ پر مخالفین صحابہؓ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں شبہ پیدا کرتے ہیں کہ ان کو ایمان باللہ وتصدیق بالرسالت میں شک ہو گیا تھا اور اس چیز کا خود انہوں نے اقرار کیا "واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ" (وغیرہ) یہ ضعیف ایمان کی علامت ہے۔

شبہ ہٰذا کے ازالہ کے لئے امور ذیل میں غور فرمائیں۔

۱ : حضرت فاروق اعظم رضؓ سے الفاظِ مذکورہ صحاح کی روایات میں مذکور نہیں بلکہ صحاح سے کم درجہ کی کتابوں میں کہیں کہیں ملتے ہیں۔

۲ : اس مسئلہ کی تمام روایات کی تحقیق کی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں تصرفِ راوی سے روایت محفوظ نہیں رہی۔ اس میں تعبیرِ راوی اور ظنِ راوی کا بہت دخل ہے۔ روایت میں یہ الفاظ "قال" کے بعد مذکور ہیں۔ یعنی "قال" کا مقولہ ہیں اور قال کا فاعل ابن شہاب زہری ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ الفاظ راوی کا اپنا ادراج ہے۔ اور روایت مدرج ہے اور راوی کا اپنا گمان ہے۔

۳ : حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس نوع کے الفاظ بالفرض اگر صادر بھی ہوئے تو وہ اس مغلوبانہ صلحنامہ کی قیود و شرائط اہلِ اسلام کے لئے سودمند ہونے یا نہ ہونے کے متعلق (وقتی طور پر) ایک اضطرابی کیفیت میں صادر ہوئے۔ ان الفاظ کو اشتباہِ ایمانی پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ اس معاہدہ کے مصالح و منافع علمِ خداوندی میں مستور تھے۔ جو کہ عنقریب اپنے موقعہ پر ظاہر ہونے والے تھے، اور ظاہری حالات پر نظر کرنے سے قیود و شرائط مندرجہ کا تسلیم

کرلینا مسلمانوں پر شاق تھا۔ اور حضرت عمر رضہ پر دینی حمیت کی بناء پر یہ اضطراب وقلق طاری تھا جو کہ کمالِ ایمان کی نشانی تھی نہ کہ زوالِ ایمان کی علامت۔

مختصر یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں اس مغلوبانہ صلح کی افادیت میں شک وشبہ ہوا تھا ایمان بالنبوت و بالرسالت میں ہرگز اشتباہ نہ تھا۔

۴ : جب اس موقعہ پر حضرت صدیقِ اکبر رضہ سے حضرت عمر فاروق رضہ کی گفتگو ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضہ نے فرمایا کہ " واشهد انه رسول الله .... الخ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

نیز صلحنامہ مذکورہ پر جس طرح اکابر صحابہ کرام رضہ سے بطور شاہد دستخط کرائے گئے تھے اسی طرح حضرت عمر فاروق رضہ سے بھی بطور گواہ دستخط حاصل کیئے گیے۔ تو معلوم ہوا کہ فاروقی ایمان پر خود صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر اہلِ اسلام کو پورا پورا اعتماد ویقین تھا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایمان واسلام پر شبہ کرنا واقعات کے خلاف ہے اور ان کے ساتھ قلبی عناد کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔

خیبر کے متعلقات

خیبر کا محل وقوع خیبر مدینہ طیبہ سے ملک شام کی جانب آٹھ برید کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور کم وبیش تین شب و روز کا سفر ہے۔ مدینہ سے قریبًا بالفاظ دیگر اسّی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مسافت اس دور کے اعتبار سے مصنفین نے لکھی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ۔

هی مدينة كبيرة ذات حصون ومزارع على ثمانية برد من المدينة الى الشام [1]

یعنی خیبر ایک بڑا حلقہ ہے جس میں بہت سے قلعے ہیں اور بہت سی مزروعہ زمینیں ہیں

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ، ج ۷ ، ص ۳۷۳ ۔ تحت غزوۂ خیبر۔

اور باغات ہیں ۔ یہ شہر مدینہ شریف سے آٹھ برید دور شام کی طرف واقع ہے ۔

نوٹ :- برید عموماً بارہ میل مسافت کا شمار ہوتا تھا ۔

تاریخ واقعہ خیبر صلح حدیبیہ کے بعد سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں کچھ قلیل مدت رہے اور اس کے بعد اواخر محرم الحرام ۷ھ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے خیبر تشریف لے گئے ۔ ماہ صفر المظفر پورا خیبر میں صرف ہوا ۔ پھر آپ ابتداء ربیع الاوّل ۷ھ میں مدینہ منورہ واپس تشریف لائے [1]

نیابت مدینہ اس موقعہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ منورہ میں نیابت کے فرائض ایک صحابی سباع بن عرفطۃ الغفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سرانجام دیئے اور بعض روایات کے اعتبار سے نمیلہ بن عبد اللہ اللیثی رضی اللہ تعالےٰ عنہ آنجناب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے مدینہ شریف میں نائب تھے [2]

خیبر کی طرف پیش قدمی یہود ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے اور کفار قریش اور منافقین کی حمایت میں ان کی مخالفانہ سازشیں ہمیشہ جاری رہتی تھیں یہ لوگ اہل اسلام کے خلاف مخاصمت و عداوت میں پیش پیش رہتے تھے ۔ خیبر میں ان کے بہت سے حفاظتی مراکز موجود تھے جن میں یہ اپنے قبائل کے ساتھ آباد تھے ۔ یہود بنی نضیر کو ۴ھ میں مدینہ طیبہ کے جوار سے بحکم خداوندی نکال دیا گیا تھا ۔ اور بعض دوسرے یہود یہاں خیبر میں آباد ہوتے تھے ان سب کے لئے یہ قلعے جائے پناہ تھے ۔ گویا اہل اسلام کے حق میں یہ قلعے ، فسادات کا سرچشمہ تھے یہ خیبر میں بسنے والے اپنی مرکزی مضبوطی کی بنیاد پر کسی سے خائف نہ ہوتے تھے ۔ مسلمانوں کے تحفظ کے لئے ان قومی مرکزی حیثیت اور بنیادی استحکام کو یہاں سے ختم کرنا ضروری

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ، ج اوّل ، ص ۴۴ ۔ تحت ربیع الاوّل ۷ھ ۔

[2] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ، ج ۴ ، ص ۱۸۱ ۔ تحت غزوہ خیبر (طبع اوّل مصر) ۔

تھا۔ اس بنا پر سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ایک لشکر (جو کم و بیش چودہ سو افراد پر مشتمل تھا)، کو ساتھ لے کر خیبر کی جانب اقدام فرمایا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ نے انہی صحابۂ کرام رضؓ کو ساتھ لیا جو صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی مالی جانی قربانیاں پیش کی تھیں۔

اس مہم میں اسلامی افواج کی انتظامی کیفیت اس طرح ذکر کی گئی ہے کہ مقدمۃ الجیش پر عکاشہ بن محصن الاسدی رضؓ مامور تھے اور لشکر کے میمنہ یعنی بحصہ راست پر حضرت عمر بن الخطاب متعین تھے اور لشکر کے میسرہ یعنی حصہ لیسار پر ایک دوسرے صحابی رضؓ مامور تھے۔

پرچم دیئے گئے افواجِ اسلامی کی ابتدائی کیفیات میں اس طرح مذکور ہے کہ لشکر کے مختلف حصے تجویز کیے ہوتے تھے۔ پھر ایک ایک طبقہ کے لیے عَلم اور جھنڈے دیئے گئے تھے۔ فوج کے ایک حصہ کے لیے حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ کے پاس عَلم تھا۔ لشکر کے ایک حصے کا جھنڈا حضرت عمر بن الخطاب رضؓ کے ہاتھ میں تھا۔ لشکر کے کچھ حصے پر حضرت الحباب بن المنذر رضؓ پرچم اٹھائے ہوئے تھے تو افواج کے ایک دستے کا عَلم حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کے ہاتھ میں تھا۔

فانہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرق الرأیات یومئذ بین ابی بکر وعمر و الحباب بن المنذر وسعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہم[1]۔

اور طبقات ابن سعد میں اس طرح بھی وارد ہے کہ بریدہ اسلمیؓ کہتے ہیں کہ جب خیبر میں نبیٔ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تو عَلم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عنایت فرمایا تھا۔

ان عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ بریدہ الاسلمی قال لما کان حیث نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحضرۃ اھل خیبر اعطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللواء عمر بن الخطاب رض[2]

---

[1] سیرتِ حلبیہ ، ج ۳ ، ص ۱۴۱ ۔ تحت ذکر رأیات ۔ (بقیہ حاشیہ صفحۂ آئندہ پر)

حصونِ خیبر (خیبر کے قلعے) یہود کے اس مرکزی مقام میں نہایت مستحکم متعدد قلعے تھے۔ بعض علماء نے گیارہ یا بارہ قلعے ذکر کئے ہیں۔ بعض سیرت نگار اس سے بھی کم ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان میں جو دفاعی لحاظ سے زیادہ اہم تھے ان میں سے چند ایک کے نام ذکر کئے جاتے ہیں۔

حصن ناعم[1]، حصن سموان[2]، الشق[3] اور اس کے ذیلی قلعے (حصن ابی[4] اور حصن النزار[5]) النطاۃ[6] اور اس کے ذیلی قلعے (حصن الصعب[7] بن معاذ اور حصن الزبیر[8]) تھے۔ اور الکتیبہ[9] اور اس کے ذیلی قلعے (القموص[10] اور الوطیح[11]، السلالم[12]) تھے [1]

ان میں سے بعض کے مختصر کوائف ذکر کئے جاتے ہیں۔ قلعوں کے متعلق تمام تفصیلات ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں۔ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے درجہ میں انہیں تصور کر لیا جائے۔

حصن ناعم علماء نے ذکر کیا ہے کہ قلعہ ناعم فتوحاتِ خیبر کے لحاظ سے پہلا قلعہ ہے اور اس پر سخت قتال واقع ہوا تھا اور یہاں محمود بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ شہید ہوئے تھے۔ وہ اس طرح کہ شدتِ گرمی کی وجہ سے محمود بن مسلمہ رضؓ قلعہ کی دیوار کے سایہ میں کچھ آرام لینے لگے تو اس وقت ایک یہودی نے قلعہ کے اوپر سے ان پر سنگِ گراں پھینک دیا محمود بن مسلمہ رضؓ اس کی چوٹ کی وجہ سے شہید ہو گئے۔

وعندہ قتل محمود بن سلمۃ رضؓ القیت علیہ الرحاء فقتلہ [2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) [2] طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۹۵۔ تحت ذکر ہجرت عمر بن الخطاب رضؓ۔

[1] (۱) طبقات ابن سعد، جلد ثانی، ص ۷۷۔ غزوہ خیبر۔ طبع لیڈن۔

(۲) سیرت حلبیہ، جلد ثالث، ص ۴۷، ۴۸۔ تحت حالات خیبر۔

[2] (۱) البدایہ، جلد رابع ص ۱۹۱ تحت فتح حصونِ خیبر۔

(۲) سیرت حلبیہ، ج ۳، ص ۴۰۔ تحت تفصیل حصون۔

یاد رہے کہ آپ محمد بن مسلمۃ الانصاری رضؓ کے بھائی تھے اور اسلام کے بہترین مجاہد تھے۔ دین کی خاطر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

حصن ابیؓ

یہ قلعہ "الشق" کا ذیلی قلعہ شمار کیا گیا ہے اس پر اہل اسلام کا یہودیوں کے ساتھ شدید مقابلہ ہوا اور یہودیوں کے کئی بہادر یکے بعد دیگرے "ھل من مبارز" (ہے کوئی میرے مقابلے میں آنے والا) للکارتے ہوئے نکلے۔ ایک یہودی کے مقابلہ میں حضرت الحباب بن منذر رضؓ نکلے اور اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور جب یہودی بھاگنے لگا تو ایک شدید وار کر کے اسے ختم کر دیا۔ پھر دوسرا جنگجو یہودی مسلمانوں کو للکارتے ہوئے نکلا تو حضرت ابو دجانہ رضؓ نے اس کے پاؤں کاٹ ڈالے اور پھر اسے ختم کر ڈالا۔ قتال شدید کے بعد مسلمانوں نے اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے ہوئے یکدم حملہ کر دیا اور قلعہ کو فتح کر ڈالا۔ اس قلعہ میں بہت سا اثاثہ او متاع سامان خوراک اور مال مویشی وغیرہ مسلمانوں کو حاصل ہوئے [1]

حصن النطاۃ

قلعہ النطاۃ کے ذیل میں متعدد حصون تھے۔ ان کے متعلقات میں سے بعض چیزیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

صاحب سیرت حلبیہ نے لکھا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "النطاۃ" کے قلعوں پر سات دن تک قتال کرتے رہے اور ہر یوم محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قتال کے لئے ارسال فرماتے تھے۔ اور اس موقع پر مسلمانوں کے مرکزی اور فوجی مستقر پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محافظ مقرر فرمایا گیا تھا۔ انہوں نے اس فریضہ کو نہایت عمدگی کے ساتھ سرانجام دیا۔ یہ مقام جس کو مرکز بنایا گیا تھا یہ اہل خیبر اور بنی غطفان کے وسط میں واقع تھا۔ اسی کو رجیع کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے جب شب کو افواج اسلام کی واپسی ہوتی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت

---

[1] (۱) البدایہ، جلد رابع، ص ۱۹۸ - تحت فصل فی فتح حصونہا۔
(۲) حلبیہ، جلد ثالث، ص ۴۷ - تحت تفصیل حصون خیبر۔

میں سب حضرات اسی مرکزی مقام پر جمع ہوتے ۔ زخمی اور مجروح مجاہدین کو یہاں لایا جاتا اور علاج معالجہ کی تدبیر کی جاتی ۔ گویا کہ یہ مرکزی مقام فوجی مستقر کی حیثیت میں تھا ۔ شب کو اس کی نگرانی اور حراست کا خاص انتظام کیا جاتا تھا ۔ اور بحکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت مرکزی مقام کی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین باری باری نگرانی کرتے تھے ۔ ان ہفت ایام کی چھٹی شب میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیگر ہمراہیوں کے ساتھ حفاظت و نگرانی کے لئے متعین فرمایا ۔ حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں سمیت رات کو جنگی مقامات کی طرف چکر لگا رہے تھے کہ نصف شب کے قریب یہود خیبر میں سے ایک شخص کو مشتبہ حالت میں پایا ۔ حضرت عمرؓ نے اسے گرفتار کر کے گردن اڑانے کا قصد کیا تو اس شخص نے کہا کہ آپ مجھے اپنے پیغمبر کے پاس لے جائیے میں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں ۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ اسے قتل کرنے سے متوقف ہوئے اور اسے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لائے ۔ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف تھے ۔ جب عمرؓ بن الخطاب کی آواز سنی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم فرمائی ۔ حضرت عمرؓ نے حاضری کے لئے عرض کیا ۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی ۔ حضرت عمرؓ اس یہودی کو لے کر حاضرِ خدمت ہوتے تو سردارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے حالات دریافت فرمائے ۔ تو وہ عرض کرنے لگا کہ اے ابوالقاسم ! مجھے امان دیجئے ۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دی ۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم کے خاص خاص احوال بیان کئے اور بعض خفیہ معلومات اور مقامات کی نشاندہی کی ۔ اور بتلایا کہ فلاں فلاں مقام پر زیر زمین مقامات میں اسلحہ کے ذخائر ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ آخر کلام میں اس نے پھر اپنے اور اپنی زوجہ کے لئے خون کی معافی طلب کی ۔ اور یہ معافی اس کو دے دی گئی ۔ بعد میں اسے اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو کہنے لگا کہ مجھے اس کی مہلت عنایت فرمائیں ..... الخ

بہر کیف اس کے ذریعہ کئی اہم خفیہ معلومات میسر آئیں جو مسلمانوں کے لئے اس موقعہ پر

از بس مفید ثابت ہوئیں [1]

یہاں سے محمد بن مسلمہ انصاری رضی کے کارنامے اور حربی خدمات معلوم ہوئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مرکز کی حفاظتی مساعی بھی نمایاں ہوئیں۔ اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شبانہ حفاظت وحراست کی کارگزاری سامنے آئی اور جاسوس سے دشمن کے اہم رازوں کا افشاء ہوا۔

حصن الصعب

قلعہ النطاۃ کے ذیلی قلعوں میں سے یہ قلعہ الصعب (بن معاذ) کے نام سے مشہور تھا اس قلعہ پر چند یوم محاصرہ قائم رکھا گیا۔ سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلعہ کی فتح کے لئے خصوصی دعاء فرماتے ہوئے الحباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم عنایت فرمایا اور جنگ کے لئے روانہ کیا۔ الحباب رضی نے اس مہم کو سر کرنے کے لئے کمال سعی فرمائی اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں "قلعہ الصعب" فتح فرمایا۔ اس قلعہ سے بہت سا سامان خورد و نوش حاصل ہوا۔ تمر، روغن زرد، زیتون، چربی، شہد وغیرہ کے کافی ذخائر حاصل ہوئے۔ اس قلعہ کے حصول میں قتال کے موقع پر یوشع کافر کو حضرت حباب بن منذر رضی نے اور الدیال کافر کو عمارۃ بن عقبہ رضی صحابی نے قتل کیا [2]

حصن القموص

قلعہ قموص خیبر میں الکتیبہ کے ذیلی قلعوں میں سے ایک مضبوط قلعہ تھا [3] الکتیبہ کے تین ذیلی قلعے تھے۔ القموص، والوطیح، والسلالم۔ قلعہ قموص پر قتال شدید پیش آیا۔ اور یہود نے مسلمانوں کے ساتھ سخت مقابلہ کیا اور کئی ایام صرف ہوئے۔ بعض کے نزدیک چودہ روز اور بعض کے نزدیک بیس روز اہل اسلام نے اس قلعہ کا محاصرہ جاری

---

[1] سیرت حلبیہ، جلد ثالث، ص ۴۰، ۴۱۔ تحت حالات حصون خیبر۔

[2] سیرت حلبیہ، ج ثالث، ص ۴۶، ۴۷۔ تحت احوال قلعہ ہذا۔

[3] سیرت حلبیہ، ج ۳، ص ۴۸۔ تحت حصون کتیبہ۔

رکھا تھا۔ پھر آخر میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محبوب رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول اس کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالٰے اس کے ہاتھ پر اس قلعہ کو فتح فرمائیں گے۔

لاعطین ھذہ الرایۃ غدا رجلا یفتح اللہ علی یدیہ یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ [1]

پھر دوسرے روز صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت اس بات کی منتظر تھی کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے اکمال واتمام کی سعادت کس شخص کو حاصل ہوتی ہے۔ تو دوسرے روز ارشاد فرمایا کہ علی بن ابی طالب رض کہاں ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ آشوب چشم کے عارضہ کی وجہ سے ان ایام میں قتال میں شریک نہیں ہو رہے تھے مگر خیبر میں دوسرے صحابہ کرام رض کے ساتھ پہنچے ہوئے تھے: تو صحابہ کرام رض نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ بن ابی طالب کو آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے مقام میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رض کو ارشاد فرمایا کہ ان کو لائیں۔ تو سلمہ بن اکوع رض گئے اور حضرت علی رض کو ساتھ لا کر حاضر خدمت کیا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالٰے عنہ کے چشموں پر لعاب دہن لگا کر دعاء فرمائی۔ پس اللہ تعالٰے نے اس طرح شفاء کاملہ بخشی کہ گویا کوئی عارضہ پہلے لاحق ہی نہ تھا [2]

---

[1] (۱) بخاری شریف ، ج ثانی : ص ۶۰۵ - باب غزوہ خیبر ۔

(۲) مسلم شریف ، جلد ثانی ، ص ۲۷۹ طبع نور محمدی دہلی - باب فضائل علی بن ابی طالب رض ۔

[2] (۱) بخاری شریف ، ج ثانی : ص ۶۰۵ ، ۶۰۶ - تحت باب غزوہ خیبر - طبع نور محمد دہلی ۔

(۲) تاریخ الخمیس ، ص ۴۸ ، ۴۹ - تحت قلعہ قموص ۔

(۳) سیرت حلبیہ ، ص ۴۱ ، جلد ثالث : تحت حالات خیبر ۔

اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رض کو پرچم عطا فرما کر قتال کیلئے روانہ فرمایا۔ ساتھ ہی دعائیہ کلمات اور نصائح ارشاد فرمائے۔ (جو اس مقام میں اپنی تفصیلات کے ساتھ منقول ہیں)۔

ان حالات میں مسلمانوں نے یہود کے ساتھ سخت مقاتلہ کیا اور بہت سے اعدائے اسلام کو تہہ تیغ کیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حضرت علی رض کی امارت میں شاندار فتح نصیب فرمائی جو فتوح خیبر کے اعتبار سے آخری فتح تھی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اعلیٰ اعزاز کی حامل تھی۔ یہودیوں کا سردار مرحب جو ایک مشہور بہادر جنگجو پہلوان تھا اس کے ساتھ اسی موقعہ پر سخت مقابلہ ہوا تھا اور اسے مسلمانوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ بعض کے نزدیک مرحب کے قاتل محمد بن مسلمہ انصاری رض ہیں[1] اور بعض کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رض نے اسے ختم کیا تھا[2] اور مرحب کے برادر یاسر کو جو مشہور شجاع تھا حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واصل جہنم کر دیا[3]

قلعہ قموص کی شدید جنگ حصون خیبر کے فتوح کے لئے اختتامی جنگ ثابت ہوئی اس کے بعد یہود خیبر کا غرور ختم ہوا اور ان کا اپنے مرکزی استحکام کا نشہ فرو ہوا۔ جب انہیں اپنی ناکامی کا پختہ یقین ہو گیا تو بقایا مقامات مثلاً وطیح اور سلالم وغیرہ مضبوط قلعے انہوں نے صلحاً پیش کر دیئے اور

---

[1] (۱) تاریخ خلیفہ بن خیاط ، ج اول ، ص ۴۵ ، تحت غزوہ خیبر ۷ھ۔
(۲) مسند ابی یعلی الموصلی ، ص ۳۸۶ ، جلد ثالث ۔ تحت مسندات جابر ، مطبوعہ دمشق ۱۹۸۴ء۔

[2] سیرت حلبیہ ، جلد سوم ، ص ۴۵ ۔ تحت غزوہ ہذا ۔

[3] (۱) سیرت حلبیہ ، ج ۳ ، ص ۴۵ ۔ تحت غزوہ ہذا ۔
(۲) تاریخ خلیفہ بن خیاط ، ج اول ، ص ۴۵ ۔ تحت غزوہ خیبر ۷ھ
(۳) البدایہ ، ج رابع ، ص ۱۸۹ ۔ تحت غزوہ خیبر ۔

یہ مقامات مصالحت کے طور پر بغیر جنگ و قتال کے مفتوح ہوئے۔

تنبیہ تاریخی کتابوں میں اس موقع کی بعض روایات میں یہ چیز پائی جاتی ہے کہ قلعہ مذکور (حصن قموص) کا ایک دروازہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پکڑ کر بطور ڈھال استعمال کیا تھا اور وہ اس قدر وزنی تھا کہ اسے بقول بعض چالیس آدمی اور بقول بعض ستر آدمی بھی اٹھانے سے عاجز تھے (اس نوع کی متعدد تاریخی روایات کتابوں میں پائی جاتی ہیں) ان روایات کے متعلق علماء نے جرح کی ہے اور ان کو معیار صحت کے اعتبار سے بے اصل قرار دیا ہے۔ جس صاحب کو ان روایات کی تنقیح مطلوب ہو درج ذیل مقامات کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

۱— : البدایہ ، ج رابع ، ص ۱۸۹ ، ۱۹۰ - تحت غزوۂ خیبر (بحث ہذا)۔

۲— : سیرت حلبیہ ، ج ثالث ، ص ۴۳ ، ۴۴ - تحت بحث ہذا۔

۳— : تاریخ الخمیس ، ج ثانی ، ص ۵۱ میں بعبارت ذیل منقول ہے۔

قال القسطلانی قال شیخنا وکلها واھیة ولذاانکرہ بعض العلماء کذا فی مواھب اللدنیہ ۔

یعنی اس نوع کی روایات سب بے اصل ہیں۔ اسی بنا پر بعض علماء نے ان کی صحت کا انکار کر دیا۔

۴— : علامہ سخاوی رح وغیرہ ناقد محدثین نے بھی یہی تنقید ذکر کی ہے۔ ملاحظہ ہو "مقاصد الحسنہ" ص ۱۹۳ (علامہ سخاوی رح)۔ تحت حدیث نمبر ۴۱۸ (حمل علی رض باب خیبر) طبع مصر۔

۵— : الاصابہ لابن حجر ، ص ۵۰۲ ، جلد ثلثی مع الاستیعاب تذکرہ علی بن ابی طالب رض۔

فدک معلوم رہے کہ فدک خیبر کے قلعوں کے پاس ایک عمدہ زرخیز زمین تھی۔

"ھی طائفة کبیرة من ارض خیبر نزلوا من شدة رعبھم منه (صلی اللہ علیہ وسلم) فصالحوہ" [1]

---

[1] : البدایہ لابن کثیر رح ، ج رابع ، ص ۲۰۳ ، تحت حالات خیبر۔

یعنی (فدک) ارضِ خیبر میں سے ایک بڑا قطعہ اراضی تھا۔ اہلِ فدک آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے ترکِ قتال کر کے صلح پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی تھی۔[1] اسی طرح یہ حلقہ فدک بھی بغیر جنگ کے مسلمانوں کے زیرِ نگین ہوا۔ پھر فدک کی آمدن اور اس کی تقسیم کے مسائل کے متعلق بحثیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان کو ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں ہے بقدرِ ضرورت ان کی تفصیل اپنی کتاب " رحماء بینہم " حصہ صدیقی و تحت عنوان " آلِ رسولؐ کے مالی حقوق کا تحفظ " میں۔ اور اپنی کتاب " بناتِ اربعہؓ " (بحث ثالث مالی حقوق کا مطالبہ) میں ہم بیان کر چکے ہیں وہاں رجوع فرمائیں۔

خیبر میں اعلانات

واقعہ خیبر میں متعدد دفعہ وقتی اعلانات کی ضرورت پیش آتی رہی کئی دفعہ اطلاعات کرنے کے مختلف مواقع پیش آئے ان میں سے چند ایک ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱ : انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اپنی خوراک کے لئے حمار (یعنی گدھے) ذبح کئے اور انہیں پکانے لگے (اس وقت تک حمار کا ذبح کرنا ممنوع نہ ہوا تھا)۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس چیز کی اطلاع پہنچی۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ انصاری رضؓ کو ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں میں اعلان کر دو کہ اللہ اور اس کے رسول صؐ نے گدھوں (الحمر الاہلیہ) کا گوشت کھانے سے تم کو منع کر دیا ہے۔ جن لوگوں نے اس کی ہانڈیاں چڑھا رکھی تھیں انہوں نے اس اعلان کے بعد وہ سب کی سب الٹ دیں اور اعلان کے مطابق فوراً عمل درآمد کیا گیا۔[2]

بعض روایات کے مطابق یہ اعلان حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کرایا گیا تھا۔[3]

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ، ج اوّل ، ص ۴۵ ۔ تحت سنہ ۷ھ

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ، ص ۴۷۰ ، جلد ۱۴ ۔ روایت نمبر ۱۸۷۳۵ ۔ طبع کراچی ۔ کتاب المغازی ۔

[3] سیرتِ حلبیہ ، ص ۵۴ ، جلد سوم ، تحت حالاتِ خیبر ۔

۲ ، روایات کی کتابوں میں مذکور ہے کہ خیبر کے مختلف مواقع میں بعض لوگوں سے کچھ خطائیں سرزد ہوئیں جو ان کے کردار سے متعلق تھیں اور ایسے مواقع میں بعض افراد کی غلطی جماعت پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ اس بناء پر ان کے لئے تنبیہ کی ضرورت پیش آئی اور انہیں تنبیہ فرمائی گئی اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ لگایا کہ لوگوں میں جا کر اعلان کریں کہ جنت میں صرف وہی شخص جائے گا جو مومن (کامل) ہوگا۔ چنانچہ اس کے موافق عمل درآمد کیا گیا۔

ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابن الخطاب! اذھب فنادی فی الناس انہ لا یدخل الجنۃ الا المومنون [1]

اموالِ خیبر کی تقسیم یہاں اموالِ خیبر کی تقسیم کا اجمالاً ذکر مناسب ہے۔ جو شیعہ و اہلسنت دونوں کی کتابوں میں مذکور ہے۔ ذیل میں شیعوں کی روایت نقل کی جاتی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما افتتح خیبر و قسمھا علی ثمانیہ عشر سھما۔ کانت الرجال الفا و اربعمائۃ رجل والخیل مائتی فرس و اربعمائۃ سھم للخیل۔ کل سھم من الثمانیۃ عشر سھما مائۃ سھم رأس فکان عمر رضؓ بن الخطاب رأسا و علی رض رأسا و طلحۃ رض رأسا والزبیر رض رأسا وعاصم بن عدی رض رأسا۔ وکان سھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع عاصم بن عدی رض۔ [2]

یعنی شیعہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کر لیا تو اس کے اموال کو اٹھارہ حصوں پر تقسیم کیا۔ چودہ سو افراد تھے۔ اور دو سو گھوڑے تھے۔ چار صد حصے اسپ سواروں کیلئے تجویز

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ، ص ۴۶۶، ج ۱۴ نمبر ۱۸۷۴۳: کتاب المغازی، طبع کراچی۔

[2] الامالی للشیخ (محمد بن حسن) الطوسی، ج اوّل، ص ۲۶۸ تحت الجزء العاشر، طبع النجف الاشرف۔

کیئے اور باقی چودہ حصوں کو چودہ سو افراد پر اس طرح تقسیم کیا کہ ہر صد افراد کو ایک رأس (حصہ) قرار دیا تو عمر بن الخطاب رضہ ایک رأس (حصہ) تھے اور علی بن ابی طالب رضہ ایک رأس تھے۔ اسی طرح طلحہ رضہ اور زبیر رضہ کو ایک ایک رأس مقرر فرمایا۔ عاصم بن عدی رضہ ایک رأس تجویز ہوئے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ عاصم بن عدی رضہ کے حصہ میں شامل تھا۔

اسی طریقہ کے موافق اہل السنۃ علماء نے تقسیم اموالِ خیبر کا مسئلہ اپنے اپنے مقام پہ ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں البدایہ لابن کثیر رح ۔ ص ۲۰۲ ، ج رابع ، تحت فصل فی فتح حصونہا وقسمۃ ارضہا ۔ اور دیگر کتب کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اموالِ خیبر سے تمام شرکاء حضرات نے حصہ رسدی حاصل کیا۔ جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضہ کو اموالِ خیبر سے حصہ ملا بالکل اسی طرح حضرت عمر فاروق رضہ حضرت طلحہ رضہ اور حضرت زبیر رضہ کو بھی دیگر صحابہ کرام رضہ کے ساتھ اپنی گرانقدر مساعی کی بناء پر حصے نصیب ہوئے۔ یہ مسئلہ اس چیز کی واضح شہادت ہے کہ یہ حضرات جنگِ خیبر میں کمال اخلاص کے ساتھ شریک و شامل تھے اور اپنی مساعی جمیلہ کی بناء پر غنائم خیبر کے مستحق قرار دیئے گئے۔ اور واقعہ خیبر میں ان حضرات کے یہ اہم کارنامے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں مقبول و منظور ہوئے۔

فتح خیبر دو چار حضرات کی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان تمام شامل ہونے والے بزرگوں کی مجموعی محنتوں کا ثمرہ ہے۔

خیبر کا ایک سرسری جائزہ

واقعہ خیبر کے آخر میں ایک مختصر سی بات اور ملاحظہ کیجئے۔

۱ :۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ خیبر کے کم و بیش گیارہ ، بارہ قلعے تھے اور ان کی فتوح پر اہلِ اسلام نے سنہ ۷ھ میں قریباً ڈیڑھ ماہ صرف کیا تھا۔ اور یہودِ خیبر کیساتھ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بار بار شدید قتال کرنا پڑا تھا۔ جس کا مختصر سا بیان سابقاً ذکر کیا جا چکا ہے۔

۲ : خیبر اعداءِ اسلام کی جائے پناہ تھی اور یہاں ان کی ایک مستحکم طاقت تھی۔ اہل اسلام نے ہدایاتِ نبوی ص کی روشنی میں اس کو فتح کیا۔ اس سے مخالفین کی قوت پاش پاش ہو گئی اور اسلام

کا اقتدار غالب آگیا۔

۳ : صحابہ کرام رضؓ میں سے جن کی اس مقام میں نمایاں خدمات پائی گئیں ان میں سے صرف چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں ۔ مثلاً حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ ، حضرت عمر رضؓ ، حضرت عثمان رضؓ حضرت علی رضؓ ، الحباب بن المنذر رضؓ ، عکاشہ بن محصن الاسدی رضؓ ، جابر بن عبداللہ رضؓ ، ابو دجانہ رضؓ ، عبداللہ بن عمر رضؓ ، عبداللہ بن مغفل رضؓ ، عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضؓ ، براء بن عازب رضؓ عمارۃ بن عقبہ رضؓ ، سلمۃ بن اکوع رضؓ ، سعد بن عبادۃ رضؓ ، محمد بن مسلمۃ رضؓ ، ابو ایوب انصاری رضؓ عاصم بن عدی رضؓ ، طلحہ بن عبید اللہ رضؓ ، زبیر بن العوام رضؓ وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

۴ : اس موقع پر متعدد مسلمان شہید ہوئے ۔ بعض حضرات کے نزدیک پندرہ اور بعض کے نزدیک سترہ مجاہدوں نے واقعہ خیبر میں جام شہادت نوش فرمایا ۔

۵ : یہود خیبر کے مقتولین کی تعداد ترانوے ذکر کی جاتی ہے ۔

۶ : خیبر کے موقع پر متعدد حضرات کو عَلَم و رأیات عنایت فرمائے گئے ۔ حضرات شیخین رضؓ کو ، الحباب بن منذر رضؓ کو ، سعد بن عبادۃ رضؓ وغیرہم کو ۔ پھر آخر میں قلعہ قموص کی فتح کے موقعہ پر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بھی خصوصی طور پر عَلَم عنایت فرمایا گیا ۔ جو فتح و کامرانی کا موجب بنا اور اس پر اس معرکے کا اختتام ہوا ۔ واقعہ خیبر میں وقتاً فوقتاً اعلانات احکام کی ضرورت پیش آئی تو بحکم نبوی حضرت ابو طلحہ انصاری رضؓ ، حضرت عمر بن الخطاب رضؓ وغیرہما یہ خدمت بجالاتے رہے ۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ واقعہ خیبر یہی کچھ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تلوار ہاتھ میں لی اور چند ساعتوں کے اندر اندر سب کفار ختم کر دیئے اور خیبر فتح کر ڈالا ۔ یہ نظریہ واقعات کے مطابق نہیں ہے ۔ فتح خیبر کوئی تر نوالہ نہیں تھا جسے اٹھا کر منہ میں رکھ لیا گیا ۔ یا یہ کوئی ایسا مقام نہ تھا جو چند ضربوں کا محتاج تھا کہ چند ضربیں واقع ہوئیں اور تمام محاذ مفتوح ہو گیا ۔ بلکہ فتح خیبر تو ایک صعب تر مہم تھی جس کو حل کرنے کے لئے صحابۂ کرام رضؓ نے اپنی اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے ، مالی قربت صرف کی ۔ قیمتی جانوں کے نذرانے پیش کئے ہر ایک صحابی رضؓ نے اپنی اپنی گرانقدر خدمات بڑی جانفشانی کے

ساتھ ادا کیں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات کریمہ اور بابرکت دعائیں شامل حال ہوئیں تب جا کر مالکِ حقیقی اور قادرِ مطلق نے فتح و نصرت عطا فرمائی۔

یہ مختصر سا خاکہ چند صفحات میں دے دیا گیا ہے تاکہ اصل واقعہ سمجھنے کے لئے مدد ملے۔ مندرجاتِ بالا کی طرف نظرِ غائر فرمائیں امید ہے مسئلہ متوازن صورت میں سمجھ آسکے گا اور افراط و تفریط سے اجتناب کرنے کے لئے معاون ثابت ہوگا۔

عمرۃ القضاء صلح حدیبیہ کے موقع پر کفارِ اہلِ مکہ کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا تھا کہ آئندہ سال آپ عمرہ کر سکتے ہیں اور اس کے ساتھ چند شروط اور قیود لگائی گئی تھیں۔ چنانچہ قریباً ایک سال کے بعد یعنی ذوالقعدہ ۷ھ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی معیت میں عمرۃ القضاء کے لئے مکہ شریف تشریف لائے۔ اس کی تفصیلات احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بہت کچھ مذکور ہیں۔ ہم نے یہاں صرف وہ واقعہ ذکر کرنا ہے جس کا تعلق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے۔

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم تین دن مکہ شریف میں قیام فرما چکے تو قریش کی طرف سے سویطب ابن عبدالعزیٰ وغیرہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کی مدتِ قیام تمام ہوگئی ہے آپ مکہ شریف سے واپس تشریف لے جائیں تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط کے مطابق واپسی کے لئے آمادہ ہوگئے۔ اس موقعہ پر سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی دختر (عمارۃ بنت حمزہ بن عبدالمطلب) آنجناب کے پیچھے پیچھے چل پڑی اور ندا دینے لگی یا عمّ یا عمّ اے میرے چچا جان! مجھے ساتھ لے جائیے میں یہاں اقامت نہیں کر سکتی۔ اس موقعہ پر حضرت علی رض نے ان کا ہاتھ پکڑا اور حضرت فاطمہ رض جو ساتھ ہی تھیں ان سے کہا کہ یہ اپنے چچا کی بیٹی ہیں انہیں اپنے ساتھ سوار کرلو۔ حضرت جعفر الطیار رض اور حضرت زید بن حارثہ رض دونوں موجود تھے۔ ان کے اور حضرت علی رض کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا۔ حضرت علی رض کہتے تھے یہ میرے چچا کی بیٹی ہیں ان کی کفالت کا میں زیادہ حق دار ہوں۔ اور حضرت جعفر الطیار رض کہنے لگے یہ میرے چچا کی بیٹی ہیں اور ان کی خالہ میری زوجہ ہیں۔

اس لئے ان کی کفالت کا میں زیادہ مستحق ہوں ۔ اور حضرت زید بن حارثہ رضؓ کہتے تھے کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہیں میرے اور ان کے والد حضرت حمزہ رضؓ کے درمیان نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات قائم فرمائی تھی فلہذا ان کی نگرانی کی ذمہ داری میرے سپرد کی جائے ۔

سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کا اس طرح فیصلہ فرمایا کہ "الخالة بمنزلة الام" یعنی خالہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے ۔ اس لڑکی کی خالہ اسماء بنت عمیس رضؓ حضرت جعفر الطیار رضؓ کی زوجہ ہیں اس لئے عمارۃ بنت حمزہ رضؓ کی کفالت وغیرہ کا حق دار حضرت جعفر رضؓ کو ہونا چاہیئے ۔ اور آپ نے ان ہرسہ حضرات کے حق میں فضیلت اور عزت افزائی اور تسلی کے الفاظ کہتے ہوئے فرمایا کہ ۔

اے علی ! انت منی و انا منك ۔ یعنی نسب اور صہر اور محبت میں آپ مجھ سے قریب ہیں اور میں آپ سے قریب تر ہوں ۔

اور حضرت جعفر الطیار رضؓ کے حق میں فرمایا کہ

اشبهت خلقی و خلقی ۔ یعنی آپ میری ظاہری صورت اور سیرت میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہیں ۔

حضرت زید بن حارثہ رضؓ سے فرمایا کہ انت اخونا و مولینا ۔ یعنی تم ایمان و اسلام میں میرے بھائی ہو اور ہمارے آزاد شدہ غلام ہو ۔ [1]

تنبیہ اس مقام پر بعض کتابوں میں واعظین اور قصہ گو لوگوں کی طرف سے ایک واقعہ "مقاتلة الجن" کے نام سے حضرت علی رضؓ سے منسوب کیا جاتا ہے ۔ مقام جحفہ کے قریب ایک کنواں تھا ۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں حضرت علی رضؓ کا قتال جنوں سے ہوا ۔ یہ جاہل قصہ گو لوگوں کی وضع کی ہوئی داستان ہے جس کی کوئی اصل نہیں ۔ اس کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہیئے ۔

---

[1] (۱) بخاری شریف ؛ ص ۶۱۰ ؛ طبع دہلی ؛ تحت باب عمرۃ القضاء ۔

(۲) البدایہ لابن کثیرؒ ؛ ج رابع ؛ ص ۲۳۴ ؛ تحت ذکر خروجہ علیہ السلام من مکۃ بعد قضاء ۔

البدایہ لابن کثیرؒ میں ہے کہ

وما یذکرہ کثیر من القصاص فی مقاتلۃ الجن فی بئر ذات العلم وھو بئر قریب من الجحفۃ فلا اصل لہ و ھو من وضع الجھلۃ من الاخباریین فلا یغتر بہ [1]

واقعہ ہذا درایت کی روشنی میں

واقعہ ہذا کے متعلق نقلی طور پر حافظ ابن کثیرؒ کی جرح و تنقید کافی ہے اور فکری طور پر یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ ابتدائی دور میں اہل اسلام کے جتنے مقابلے و مقاتلے اشاعت اسلام کے سلسلہ میں پیش آئے وہ کافر و مشرک انسانوں کے ساتھ واقع ہوئے۔ ان میں سے کوئی واقعہ بھی جنات سے مسلمانوں کے مقاتلے کا پیش نہیں آیا۔ اب خاص اس مقام پر جنات کی کون سی ایسی قوت و جمعیت رونما ہوئی جس سے اہل اسلام کو خطرہ لاحق ہوا اور اس کی سرکوبی کی ضرورت پیش آئی تھی ؟

کسی صحیح روایت میں یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی کی جماعت کو جنات کی قوت فرو کرنے کے لئے کوئی حکم فرمایا کرتے ہوں۔ فلہذا یہاں جحفہ کے قریب عادت جاریہ کے خلاف کیسے یہ فرمان جاری کیا گیا ؟ غور کرنے کا مقام ہے۔

بنا بریں جنات کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضہ کے مقابلہ و مقاتلہ کا واقعہ روایتاً درایتاً درست نہیں ہے۔

واقعہ حاطب بن ابی بلتعہ میں حضرت علی رضہ کا کردار

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے اور ابھی سفر نہیں فرمایا تھا کہ ایک واقعہ پیش آیا۔ اس کو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی زبانی اس طرح ذکر فرماتے ہیں کہ۔

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ، ج سابع، ص ۲۲۴، تحت ذکر خلافت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضہ۔

سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر بن العوام اور مقداد بن الاسود کو ارشاد فرمایا کہ ایک عورت روضۃ الخاخ (مدینہ شریف اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک مقام ہے) میں سفر کر رہی ہے اور اس کے پاس ایک مکتوب ہے وہ آپ لوگ اس سے لے کر یہاں لائیں۔ چنانچہ ہم لوگ فوراً ہی سواریوں کو دوڑاتے ہوئے " روضۃ الخاخ " جا پہنچے اور دیکھا کہ ایک عورت تیز سواری پر سفر کر رہی ہے۔ ہم نے اسے روک کر کہا کہ وہ خط جو تیرے پاس ہے وہ نکال کر ہمیں دے دو۔ تو اس نے صحیح معاملہ بتلانے سے پس وپیش کیا۔ تو ہم نے اسے سختی کے ساتھ دھمکی دی کہ اگر تو نے خط ہمارے حوالے نہ کیا تو تیری جامہ تلاشی کریں گے۔ اس پر اس نے اپنے سر کے بالوں کے جوڑے سے خط نکال کر ہمیں دے دیا۔ اور ہم نے وہ مکتوب لا کر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔

مکتوب کھولنے پر معلوم ہوا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے بعض مشرکین قریش مکہ کی جانب لکھا گیا ہے۔ اور اہلِ اسلام کے بعض معاملات کی مکہ والوں کو خبر دی گئی ہے۔

حاطب مہاجرین میں سے تھے اور بدری صحابی تھے۔ اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضؓ کو بلایا۔ اور فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے ؟

تو اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جلدی نہ فرمائیں میں اصل بات عرض کرتا ہوں۔ اور کہا کہ میں نے اسلام سے ارتداد اختیار نہیں کیا اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد کفر پر رضامند ہوں بات یہ ہے کہ میرے بال بچے وہاں قریش میں ہیں اور ان کا کوئی معاون نہیں۔ باقی مہاجرین کی کچھ نہ کچھ قرابت داریاں ہیں جن کی بنا پر وہ لوگ ان کے اہل وعیال اور مال ومتاع کی رعایت کرتے ہیں۔ ان حالات میں میں نے ان پر ایک احسان قائم کرنا چاہا ہے جس کی بنا پر وہ میرے قرابت والوں کی رعایت کریں۔

یہ جواب سماعت فرما کر سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حاطب رضہ نے صحیح معاملہ پیش کر دیا ہے اس لئے اس سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ حالانکہ کچھ صحابہ کرام رضہ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس کی غلطی کو شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔ اور سزا دینے کے حق میں تھے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی معذرت کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حاطب رضہ تو بدری ہیں

اور بدریوں کے لئے اللہ تعالےٰ نے بہت کچھ رعایت فرما کر مغفرت فرمادی ہے ۔ [1]

واقعہ ہذا میں جس طرح دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فرمانِ نبوی ص کے ایفاء کرنے میں سعی کی اسی طرح جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی فرمانِ نبوی ص کے ادا کرنے میں سعی تام فرمائی اور اپنی مستعدی وصلاحیت کے ساتھ یہ مسئلہ پورا کیا۔ اسلامی خدمات میں یہ ان کا اعلیٰ کردار ہے ۔

قتل بروزِ فتح مکہ فتح مکہ کے موقعہ پر بعض کفار جو خاص طور پر ایذاء دہندہ تھے ان کو قتل کردیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رض کے متعلق سیرت کی کتابوں میں ایک واقعہ منقول ہے ۔

وہ اس طرح ہے کہ " الحویرث بن النقید " نامی ایک شخص مکہ کا باشندہ تھا اور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء رسانی میں پیش پیش رہتا تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گوئی کرتا تھا نیز اس نے ہجرتِ مدینہ کے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں حضرت ام کلثوم رض اور حضرت فاطمۃ الزہراء رض کی سواری کو زخمی کر دیا تھا ۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فتح مکہ کے روز اس کو قتل کر دیا ۔ [2]

قتل کا ارادہ فتح مکہ کے روز حضرت علی المرتضیٰ رض نے اپنی ہمشیرہ حضرت ام ہانی رض بنت ابی طالب کے خاوند کے رشتہ داروں (الحارث بن ہشام اور زہیر بن امیہ) کو قتل کرنے

---

[1] (۱) بخاری شریف ، ص ۶۱۲ ، جلد ثانی ، طبع دہلی ، تحت باب غزوہ الفتح وما بعث حاطب رض الی مکۃ۔

(۲) البدایہ لابن کثیر رح ، ج رابع ، ص ۲۸۳ ، طبع اوّل مصر ، تحت قصہ حاطب رض بن بلتعہ۔

(۳) سیرت حلبیہ ، ج ثالث ، ص ۸۷ ، تحت مبادمیات فتح مکہ ، طبع مصری۔

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر رح ، ج ۴ ، ص ۲۹۸ ، تحت حالات فتح مکہ ۔

(۲) سیرت حلبیہ ، ج ۳ ، ص ۱۰۵ ، تحت حالات فتح مکہ ۔

(۳) الاصابہ لابن حجر العسقلانی ، ج اوّل ، ص ۲۵۸ ، تحت حبیر ابن الحویرث بن نقید ۔

کا ارادہ فرمایا۔ تو حضرت ام ہانی رضؓ اس مسئلہ میں مانع ہوئیں اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ تمام ماجرا ذکر کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے دونوں خاوند کے رشتہ داروں کو پناہ دے دی ہے اور علی رضؓ ان کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت فرماتے ہوئے فرمایا۔

اجرنا من اجرت و امنا من امنت فلا یقتلهما ؎

یعنی اے امّ ہانی! جس کو تو نے پناہ دے دی ہے ہم نے بھی اس کو پناہ دے دی ہے اور جس کو تو نے امان دے دی ہے اس کو ہم نے بھی امان دے دی ہے۔ پس اب علی المرتضیٰ رضؓ بن ابی طالب ان کو قتل نہیں کریں گے۔ (قبل ازیں یہ واقعہ ہم ام ہانی رضؓ کے حالات میں درج کر چکے ہیں یہاں بقدر ضرورت ذکر کر دیا ہے)۔

اس واقعہ سے یہ استدلال کرنا کہ حضرت علی رضؓ کا یہ ارادہ قتل ایک عاجلانہ اقدام تھا اور خلاف منشاء رسالت تھا تکوین الٰہی اس کے خلاف تھی، ہرگز صحیح نہیں یہ محض ایک اتفاقی بات تھی جو عمل میں نہ آئی۔ اس قسم کی باتوں پر عقائد کے نقشے نہیں کھینچتے۔

فتح مکہ پر اعلان اور انتم طلقاء کی وضاحت

فتح مکہ اسلام کا ایک بہت عظیم واقعہ ہے۔ فتح مکہ سے قبل اسلام اور اہل اسلام کی ایک دوسری کیفیت تھی بعد از فتح اہل اسلام کا دور اقتدار قائم ہو گیا تھا اور اسلام غالب آ گیا تھا۔

سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی سابقہ عداوتوں کا جواب "لا تثریب علیکم الیوم" یعنی آج کے دن تم پر کچھ سرزنش نہیں" کے الفاظ میں دیا۔ ان کلمات سے کریمانہ انداز میں خلق عظیم

؎ (۱) البدایہ لابن کثیرؒ، ص ۲۹۹، ۳۰۰، جلد رابع، تحت حالات فتح مکہ۔
(۲) سیرت حلبیہ، ج ۳، ص ۱۰۷، تحت فتح مکہ۔

کی پوری جھلک موجود ہے۔ آپؐ نے اہل مکہ کی مخاصمت اور معاندت کو معافی کے ساتھ متبدل فرما دیا اور سب حضرات کے حق میں گزشتہ امور پر عام معافی کا اعلان انتم طلقاء کے الفاظ سے ارشاد فرمایا اور ماضی سے درگزر فرما دیا۔ اس اعلان کے مصداق مکہ میں موجود تمام قبائل تھے کسی خاص قبیلہ یا خاندان کے لئے یہ خطاب نہیں تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر بنی ہاشم میں سے بھی متعدد حضرات و خواتین داخل دائرہ اسلام ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سگی ہمشیرہ حضرت ام ہانی رضؓ بنت ابی طالب اور بقول بعض آپ رضؓ کے حقیقی برادر عقیل بن ابی طالب وغیرہما بھی اسی روز ایمان لائے۔ اسی طرح بنو امیہ میں سے حضرت ابوسفیان رضؓ بن حرب داخل دائرہ اسلام ہوئے۔ حضرت امیر معاویہؓ فتح مکہ سے قبل اپنے طور پر اسلام لا چکے تھے۔

فتح مکہ پر جو لوگ مسلمان ہوئے قرآن کریم کے ارشاد کے موافق وہ واقعی دین اللہ میں داخل ہوئے یہ طاقت کے آگے جھکنا ہوتا تو اسے دین المسلمین میں داخلہ کہا جاتا " یدخلون فی دین اللہ افواجا " (پ۳۰ سورہ نصر) سے نہ سراہا جاتا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر ایمان لانے والوں کو ضعیف الایمان قرار دینا درست نہیں۔ یہ ایک تکوینی مصلحت تھی اور قدرت الٰہی کی ایک تقسیم تھی کہ بعض لوگ فتح مکہ سے قبل اسلام لائے اور بعض فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے۔ ان دونوں فریق کے درمیان بیشک فرق مراتب ہے اور وہ اپنی جگہ مسلمات میں سے ہے لیکن یہ دونوں قسم کے حضرات (قبل الفتح و بعد الفتح مکہ ایمان لانے والے) از روئے نص قرآنی اللہ کریم جل شانہ کے وعدہ وکلا وعد اللہ الحسنی کے اعزاز سے موعود اور اس قرآنی اعلانؐ کی بشارت پانے والے ہیں (یعنی جنت) کے مستحقین میں داخل ہیں۔ فلہذا ان لوگوں کو " طلقاء طلقاء " کہہ کر حقارت آمیز انداز میں ذکر کرنا اور ان کے منصب کی تنقیص کرنا ہے جو اس قرآنی بشارت کی روشنی میں ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ نصوص شرعیہ کے خلاف اور آسمانی خبروں کے منافی ہے۔ " انتم طلقاء " کی مزید وضاحت انشاء اللہ تعالےٰ " سیرت امیر معاویہ رضؓ " کے

لہ وکلا وعد اللہ الحسنیٰ (الآیہ) سورۃ الحدید، پ۲۷، رکوع اوّل

باب " جواب المطاعن " میں ذکر ہوگی (بعونہ تعالیٰ)۔

غزوۂ حنین میں حضرت علیؓ کی ثابت قدمی

فتح مکہ رمضان شریف ۸ھ میں ہوئی تھی اس کے بعد ابتداءِ شوال ۸ھ میں غزوۂ حنین پیش آیا تھا اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی ہوازن کی طرف پیش قدمی فرمائی تھی اس موقعہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب رضؓ بن اسید بن ابی العیص بن امیہ کو امیرِ مکہ مقرر فرمایا تھا۔ عتاب رضؓ بنی امیہ کے ایک مشہور با اعتماد فرد تھے جن کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایک عظیم منصب عطا فرمایا۔

اس غزوہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت سے قبائل شریکِ قتال تھے۔ بنی ہوازن نے اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمان افواج کا مقابلہ کیا تھا۔ وہ لوگ اس دور میں نہایت مشاق تیر انداز تھے اور تیر اندازی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

قتال کے ابتدائی مراحل میں بنی ہوازن کے یکدم حملہ کرنے کی وجہ سے اہل اسلام کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ (اگرچہ کچھ وقت کے بعد مسلمان افواج سنبھل کر پھر ثابت قدم ہوگئی تھیں)۔

اس مرحلہ میں جو حضرات آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور ان کے اقدام متزلزل نہیں ہوئے تھے ان میں مندرجہ ذیل حضرات ممتاز ہیں، ان میں سیدنا علی المرتضیٰ رضؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے۔

..... فیمن ثبت معہ من المہاجرین ابوبکر رضؓ وعمر رضؓ و من اہل بیتہ علی بن ابی طالب والعباس بن عبد المطلب وابو سفیان بن الحارث وابنہ والفضل بن العباس وربیعۃ بن الحارث واسامۃ بن زید [1]

---

[1] (۱) سیرۃ لابن ہشام ، ج ۲ ، ص ۴۴۳ ۔ تحت اسماء من ثبت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

یعنی مہاجرین میں سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ حضرت عمر فاروق رضؓ تھے اور آنجنابؐ کے "ہاشمی اقربار" میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ بن ابی طالب، حضرت عباس رضؓ بن عبدالمطلب، ابوسفیان رضؓ بن الحارث، اور حضرت عباس رضؓ کے فرزند فضل بن عباس رضؓ اور ربیعہ بن الحارث وغیرہم شامل تھے۔

غزوۂ حنین میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کچھ مزید بہترین خدمات بھی ذکر کی جاتی ہیں۔ جو علمار سیرت نے اپنی اپنی جگہ نقل کی ہیں۔

غزوۂ تبوک

تبوک علاقہ شام کے قریب ایک مشہور مقام ہے۔ اسی جگہ غزوہ تبوک ابتداءِ ماہِ رجب ۹ھ میں پیش آیا تھا۔ اس کے انتظام کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مساعی فرمائی تھیں۔ مالی عدم تیسّر کے اعتبار سے اور موسم کی سختی کے لحاظ سے نہایت مشکل مرحلہ تھا۔ چنانچہ متعدد بار مالی فراہمی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ان ہی مشکلات کے پیش نظر اس کو "جیش العسرۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اس موقعہ پر مالی قربانی پیش کر کے عدیم المثال نظیر قائم کی تھی۔

سفرِ تبوک اختیار کرنے سے قبل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی حفاظت اور نگرانی کا انتظام کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو نماز کے انتظام پر مامور فرمایا۔ اور اہل وعیال وخانگی امور کی نگرانی وانتظامی امور کے لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضؓ منافقین کی طعنہ زنی کی وجہ سے اور جہادِ ہذا میں شمولیت سے محرومی پر متاسف اور پریشان ہو کر عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جہاد پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ تو جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نیابت مدینہ کی فضیلت بخشتے ہوئے یوں اطمینان دلایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۳) البدایہ لابن کثیرؒ: ج ۴، ص ۳۲۶ ۔ فصل فی کیفیت الواقعۃ وما کان فی الامر من انوار... الخ

اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ

الا انه لا نبی بعدی " [1]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے علیؓ! کیا آپ پسند نہیں کرتے کہ آپ میری طرف سے اس مرتبہ پر ہوں جس مرتبہ پر حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی طرف سے تھے۔ مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد کسی کو منصب نبوت نہیں ملے گا۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی معیت میں سفر تبوک پر روانہ ہو گئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضؓ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی تک مدینہ شریف میں اہل وعیال پر نگران رہے۔

انت منی بمنزلۃ ہارون کی تشریح

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مدینہ شریف میں غزوۂ تبوک کے موقع پر وقتی نیابت سے بعض لوگ ان کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی ہے اور جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ہوئے تھے اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضؓ بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے چاہئے تھے۔ اور اس نوع کا فرمان کسی دوسرے صحابی رضؓ کے حق میں نہیں دیا گیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ نبی نہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے پھر غزوۂ تبوک آخری غزوات میں سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو معزول نہیں فرمایا۔ پس یہ بلافصل خلیفہ نبوی ہوتے "

اس کے جواب میں چند چیزیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں ان پر غور فرمائیں اس سے مذکورہ استدلال کا ضعف واضح ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] (۱) مشکوٰۃ شریف ، ص ۵۶۳ ، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲) بخاری شریف ، ج اوّل ، ص ۵۲۶ ، تحت مناقب علی بن ابی طالب رضؓ۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

۱ : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نیابت کو حضرت ہارون علیہ السلام کی نیابت کے ساتھ کل امور میں برابر کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ

اوّلاً تو حضرت ہارون علیہ السلام خود ایک نبی تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رض نبی نہیں۔

ثانیاً یہ کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں ہی وفات پا گئے تھے اور آپ کے بعد خلیفہ نہ ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات پر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام آپ کے خلیفہ ہوئے تھے۔ لیکن یہاں معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ حضرت علی رض نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات نہیں پائی۔ فلہذا حضرت علی المرتضیٰ رض کی خلافت و نیابت کو حضرت ہارون علیہ السلام کی خلافت و نیابت سے کلیتہً تشبیہ دینا صحیح نہیں ہے۔ اور تشبیہ کسی ایک بات میں بھی ہو تو ارادہ تشبیہ پورا ہو جاتا ہے۔

نیز مدینہ طیبہ میں حضرت علی المرتضیٰ رض کی یہ نیابت وقتی طور پر تھی دائمی نہیں تھی۔ آپ کو یہ ذمہ داری نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی تک دی گئی تھی۔ اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ شریف میں تشریف آوری پر یہ خود بخود ختم ہو گئی جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نیابت عارضی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی تک تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ہارونی نیابت خود بخود ختم ہو گئی تھی اور یہ کسی مزید فرمانِ معزولی کی محتاج نہیں تھی۔

۲ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر یا غزوہ کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام اور وقتی خلیفہ مقرر فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح بیس[۵] سے زائد غزوات و اسفار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں اپنے قائم مقام اور نائب مقرر فرمائے جو وقتی طور پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور قائم مقام ہوتے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر خود بخود بغیر کسی فرمان

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۳) مسلم شریف، ص ۲۷۸، جلد ثانی، تحت فضائل علی رض۔

(۴)۔ البدایہ لابن کثیر رح، ج ۵، ص ۷، تحت غزوہ تبوک بحوالہ احمدؒ و ترمذی رح وغیرہم۔

معزولی کے ان کی نیابت ختم ہو جاتی تھی ۔ ذیل میں صرف تین نظائر ذکر کئے جاتے ہیں جو اس مسئلہ کی تفہیم کے لئے کافی ہیں ۔

۱:۔ غزوہ قینقاع جب پیش آیا تھا تو اس موقعہ پر مدینہ طیبہ میں وقتی طور پر حضرت بشر بن منذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا گیا تھا ۔

۲:۔ جب غزوہ مریسیع پیش آیا تو اس وقت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتی طور پر مدینہ شریف میں نگران مقرر فرمایا ۔

۳:۔ اسی طرح جب " غزوہ بنی غطفان " (غزوہ انمار) پیش آیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں وقتی طور پر خلیفہ بنایا گیا ۔ نیز "غزوہ ذات الرقاع" کے موقعہ پر بھی حضرت عثمان غنی رضؓ کو ہی وقتی طور پر مدینہ شریف میں خلیفہ بنایا گیا تھا [1]

ان تمام مواقع میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف واپس تشریف لاتے رہے تو مذکورہ بالا نیابتیں اور وقتی خلافتیں بغیر کسی فرمان معزولی کے خود بخود ختم ہو جاتی رہی تھیں ۔ بعینہ اسی طرح غزوہ تبوک سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری پر حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی وقتی نیابت خود بخود ختم ہو گئی تھی اس پر کسی مزید حکم نسخ کی ضرورت نہ تھی ۔ یہ عملی نسخ خود بخود کافی تھا ۔

۴:۔ غزوہ تبوک کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضؓ علاقہ یمن میں گئے ہوئے تھے ۔ اور یمن سے واپسی پر مکہ مکرمہ میں حج کے موقعہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔ اس دوران مدینہ شریف میں وقتی خلافت و نیابت پر ایک دوسرے صحابی ابو دجانہ الساعدی رضی اللہ تعالےٰ عنہ یا سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو مامور فرمایا گیا تھا ۔ اور یہ نیابت استخلاف تبوک کے بعد بالاتفاق واقع

---

[1] (۱) منہاج السنۃ لابن تیمیہ رح : جلد ۳ : ص ۱۶ ۔

(۲) منہاج السنۃ لابن تیمیہ رح : جلد ۴ : ص ۸۷ ۔

ہوئی تھی ۔

معلوم ہوا کہ تبوک کے موقعہ پر نیابت اور قائم مقامی دائمی نہیں تھی یہ ایک وقتی نیابت تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر از خود ختم ہوگئی تھی۔ اصل کی موجودگی میں بدل کا کبھی سوال نہیں اٹھتا ۔ فلہذا علی المرتضیٰ رض کی خلافت بلافصل کے لئے یہاں سے استدلال کرنا کسی صورت میں درست نہیں ہے۔

اختتامی گزارش روایت مذکورہ بالا (اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ)۔ جو صحاح کی کتابوں میں مروی ہے وہ سنداً صحیح ہے اور اپنے مفہوم کے اعتبار سے درست ہے۔ اس میں سیدنا علی المرتضیٰ رض کی بہترین فضیلت ذکر کی گئی ہے جو مسلّمات میں سے ہے۔ لیکن بعض کتابوں میں روایت مذکورہ بالا کے ساتھ اور چند کلمات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً :-

۱ : فقال لعلیؓ ان المدینة لا تصلح الّا بی وبك "

۲ : اور بعض جگہ اس روایت میں یہ اضافہ بھی پایا جاتا ہے کہ۔

...... انه لا ینبغی أن اذهب الا وانت خلیفتی "

حدیث میں یہ سب اضافے ہیں۔ اس نوع کی روایات از روئے فن قواعد حدیث درست نہیں ان روایات میں سے کوئی ایک بھی از روئے سند صحیح ثابت نہیں ہوتی ۔

۱ : ایک روایت میں ایک راوی حفص بن عمر الابلی ہے جو محدثین کے نزدیک " کذاب " ہے اور ائمہ سے باطل چیزیں منسوب کر کے نقل کرتا ہے ۔ [1]

۲ : دوسری روایت میں ایک راوی " البلج یحییٰ بن سلیم " ہے یہ شخص محدثین کے نزدیک سخت مجروح [2]

---

[1] (۱) میزان الاعتدال للذہبی رح ؛ ج ۱ ؛ ص ۵۶۱ ؛ تحت حفص بن عمر الابلی ۔ طبع بیروت (۲۱۳۲)

(۲) الفوائد المجموعۃ للشوکانی رح ؛ ص ۳۵۷ ؛ روایت نمبر ۵۳ ؛۔ تحت فضائل علوی رض ۔ طبع مصر۔

[2] ۔ میزان الاعتدال للذہبی رح ؛ ج ۴ ؛ ص ۳۸۴ ؛۔ تحت یحییٰ بن سلیم البلج الفزاری ۹۵۳۹ ؛ طبع بیروت ۔

ہے اس کی روایت قابل قبول نہیں۔

اس قسم کی روایات میں کبھی رواۃ کی طرف سے بھی کئی کلمات کے اضافے ہو جاتے ہیں۔ یہ ادراجات کہلاتے ہیں۔ یہ حجت اور قابل تسلیم نہیں تھے تو سوان سے اصل مسئلہ خلافت مرتضوی رض پر استدلال قائم کرنا صحیح نہیں۔ استدلال کی بنیاد صحیح روایات پر قائم کی جاتی ہے ضعیف روایات سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت سے فضیلت علوی رض کا ثبوت تو درست ہے لیکن خلافت بلا فصل کا اثبات ہرگز درست نہیں۔

مکہ مکرمہ میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ابلاغ

سن ۹ھ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود حج پر تشریف نہیں لے جا سکے تھے اور امارت حج میں اپنے قائم مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا اور آپ رض کو مکہ مکرمہ روانہ فرمایا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رض کی روانگی کے بعد " سورۃ برأت " کی آیات کا نزول ہوا جن میں مشرکین مکہ سے سابقاً کئے گئے معاہدے کے ختم ہونے کا اعلان تھا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات قرآنی کے ابلاغ اور مزید چند ایک اہم اعلانات کے لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی سواری (الناقة العضباء) عنایت فرما کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تا حال مکہ معظمہ نہیں پہنچے تھے اور " العرج " کے مقام میں تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ رض نے حضرت صدیق اکبر رض کے ساتھ جا کر ملاقات کی۔ حضرت صدیق اکبر رض نے دریافت فرمایا کہ۔

" امیر او مامور فقال بل مامور ثم مضیا فاقام ابوبکر للناس الحج "

اے علی رض! آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امیر حج بنا کر روانہ کئے گئے ہیں یا (امیر حج کے) مامور بنا کر؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ " میں مامور ہوں امیر حج جناب ہی ہیں "۔ پھر دونوں حضرات باہمی مصاحبت میں مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور حج کے موقعہ میں حج کے احکامات، حضرت ابوبکر صدیق رض کی ہدایات کے ماتحت ادا کئے گئے۔ البتہ " یوم النحر " میں " سورۃ برأت "

کی آیات اور دیگر ضروری احکامات جو اس موقعہ کے متعلق تھے ان کا اعلان حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی معاونت فرمائی۔ مجمع کثیر ہونے کی وجہ سے زور دار آواز سے اعلانات کرنے کی صورت میں حضرت علی رضؓ کی آواز متاثر ہوئی تو حضرت ابوہریرہ رضؓ نے اس ابلاغ میں آپ سے تعاون کیا۔ اس موقعہ پر اوائل سورت برأت کی آیات کے ابلاغ کے ساتھ جن احکام کا اعلان کیا گیا وہ مندرجہ ذیل تھے۔

۱ : اے لوگو! مسلمان ہی جنت میں داخل ہوں گے کافر نہیں ہوں گے۔

۲ : اس سال کے بعد مشرک حج بیت اللہ نہیں کر سکے گا۔

۳ : آج کے بعد کوئی شخص بیت اللہ کا طواف برہنہ بدن کے ساتھ نہ کرے۔

۴ : جس شخص کا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی عہد ہے وہ اپنی مقررہ مدت تک قائم رہے گا۔

مضمون ہذا مندرجہ ذیل مقامات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ [1]

مختصر یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرمان نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موافق امیرِ حج تھے اور تمام حج کے احکام ان ہی کی ہدایات کے تحت سرانجام پائے اور بعض اعلانات کی ذمہ داری

---

[1] (۱) سیرت لابن ہشام ، ج ثانی ، ص ۵۴۵ ، ۵۴۶ ۔ تحت اختصاص الرسول علیا بتأدیۃ برأۃ عنہ۔

(۲) تفسیر لابن کثیرؒ ، ج ثانی ، ص ۳۳۳ ۔ تحت آیۃ واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر (سورۃ توبہ)

(۳) مسند حمیدی ، ج اوّل ، ص ۲۶ ، ۲۷ ۔ تحت احادیث علی بن ابی طالب رضؓ۔

(۴) مسند امام احمدؒ ، ج اوّل ، ص ۷۹ ۔ تحت مسندات علی رضؓ۔

(۵) المستدرک للحاکم ، ج ۳ ، ص ۵۲ ۔ کتاب المغازی۔

(۶) البدایہ لابن کثیرؒ ، ج ۵ ، ص ۳۷ ۔ طبع اوّل ۔ تحت ذکر بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابا بکرؓ امیراً علی الحج۔

(۷) صحیح ابن حبان ، ج ۹ ، ص ۲۲۲ ، جلد تاسع ۔ تحت قراۃ سورۃ برأۃ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سپرد تھی۔ وہ انہوں نے بدرجہ اتم ادا فرمائی۔ اس طرح دونوں حضرات (صدیق رض و مرتضیٰ رض) نے اپنے اپنے مناصب کے مطابق فرائض سرانجام دیئے اور یہ سفر مکمل کیا۔

اندریں حالات وہ قبائل جو تا حال مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسلام لانے میں پس و پیش کر رہے تھے انہیں ان اعلانات سے تشویش لاحق ہوئی کہ مزید تاخیر کرنا اب ان کے حق میں مفید نہیں۔ فلہذا انہوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے میں عجلت اختیار کی۔

امیر اور مامور کی وضاحت

بعض لوگ یہاں اپنی جانب سے اعتراض تجویز کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے امیر حج ابوبکر رض کو بنایا گیا تھا لیکن نااہلی کی بنا پر آپ کو امارت حج سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ علی المرتضیٰ رض کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ فلہذا یہ واقعہ ابوبکر رض کی عدم صلاحیت اور علی رض کی لیاقت و اہلیت کی دلیل ہے۔

شبہ ہذا کے ازالہ کے لئے مندرجہ ذیل امور پیش خدمت ہیں ان پر غور فرمائیں۔

۱ :- "مسند حمیدی" میں ہے کہ ایک شخص "زید بن یثیع" کہتا ہے کہ ہم نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روانگی ہذا کے متعلق سوال کیا کہ کس بات کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو روانہ فرمایا تھا ؟ حضرت علی المرتضیٰ رض نے ارشاد فرمایا کہ مجھے امارت حج کے لئے نہیں، بلکہ مندرجہ ذیل چار چیزوں کے اعلان کے لئے بھیجا گیا تھا۔ (یہ چار چیزیں اوپر مذکور ہو چکی ہیں)۔

۲ :- اور امام محمد باقر رح سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب "سورۃ براءت" نازل ہوئی تھی تو اس وقت ابوبکر صدیق رض کو حج قائم کرنے کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ بھیج دیا تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رض کو بعد میں روانہ فرمایا۔ تو جب ان حضرات کی باہم ملاقات ہوئی تو حضرت صدیق رض نے سوال کیا "آپ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور بن کر ؟ تو حضرت علی المرتضیٰ رض نے فرمایا کہ " امیر نہیں بلکہ مامور بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

امام محمد باقر رح کی روایت سے واضح ہو گیا کہ امیر حج تو ابوبکر صدیق رض ہی ہے لیکن بعض اعلانات حضرت علی المرتضیٰ رض کے سپرد کئے گئے تھے جو انہوں نے اپنے موقعہ پر بطریق احسن سرانجام دیئے۔

(بحوالہ سیرت لابن ہشام، تفسیر لابن کثیر رح، البدایہ بتفصیل سطور گزشتہ)

۳ :- حضرت عبداللہ بن عباس رض ہاشمی کی ایک روایت اس مسئلہ کو اور واضح کرتی ہے۔ آپ رض کہتے ہیں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مراسلہ بعد میں حضرت علی المرتضیٰ رض کے ذریعہ روانہ فرمایا تھا اس میں یہ تصریح تھی کہ

فدفع الیہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امرہ علی الموسم وامر علیا رض ان ینادی بھٰؤلاء الکلمات ... "

یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (حضرت ابوبکر رض کو) تحریر فرمایا تھا کہ موسم حج کے امیر تو وہ (ابوبکر صدیق رض) ہی ہیں اور ان کلمات کا اعلان کرنے کے لئے علی المرتضیٰ رض کو حکم دیا تھا ... الخ۔

اس سے بھی واضح ہو گیا کہ حج کی علی الاطلاق امارت حضرت صدیق اکبر رض کے پاس ہی تھی۔ اور چند خصوصی احکام کا اعلان حضرت علی المرتضیٰ رض کے ذمہ تھا۔

۴ :- حافظ ابن حجر العسقلانی رح نے "فتح الباری شرح بخاری" میں اس واقعہ پر ایک مستحسن چیز ذکر کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے "سورۃ برأت" کی تبلیغ کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رض پر اکتفاء نہیں فرمایا کیونکہ اس میں " حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ" کی مدح و ثنا تھی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد ہوا کہ ابوبکر رض کی یہ مدح سرائی انکی اپنی زبان سے نہ ہو۔ لوگ یہ مدح سرائی ابوبکر صدیق رض کے ماسوا کسی دوسرے شخص کی زبان سے سنیں۔ آپ نے یہ کام حضرت علی المرتضیٰ رض سے لیا۔

.... انما لم یقتصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی تبلیغ ابی بکر رض عنہ ببراءۃ لانھا تضمنت مدح ابی بکر رض فاراد ان یسمعوھا من غیر ابی بکر رض ...... الخ [1]

---

[1] فتح الباری شرح بخاری لابن حجر رح ؛ ج ۸ ؛ ص ۲۵۸ ؛- کتاب التفسیر باب قولہ واذان من اللہ ورسولہ۔ الخ

حاصل کلام یہ ہے کہ ۔

ان اکابر حضرات کی تصریح کے مطابق اس حج (۹ھ) کے امیر علی الاطلاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور چند ضروری اعلانات کی ذمہ داری حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد ہوئی۔ اور دونوں حضرات نے اپنے اپنے مناصب بطریق احسن سرانجام دیئے۔ اس سے نااہلی یا عدم صلاحیت وغیرہ کا کچھ تعلق نہیں اور یہ اعتراض خواہ مخواہ عناد کی بنا پر مستنبط کیا گیا ہے۔ اور واقعات کے برخلاف ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی تھی کہ معاہدہ حدیبیہ کے وقت حضورؐ خود موجود تھے اور وہ معاہدہ آپ کے ساتھ ہی طے پایا تھا۔ معاہدہ کے ختم کے لئے اب آپ کا ہونا ضروری تھا یا یہ کہ آپ کا کوئی قریبی رشتہ دار آپ کی نمائندگی کرے۔ غیر مسلم عرب ابھی جماعتی زندگی سے ناآشنا تھے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے جماعتی زندگی سیکھ چکے تھے ان کے لئے حضورؐ کی نمائندگی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کر سکتے تھے اور کر رہے تھے۔ لیکن کافروں کے نزدیک آنجنابؐ کی نمائندگی آپ کا کوئی قریبی رشتہ دار ہی کر سکتا تھا سو حضرت علی رضؓ کی تشریف آوری اس خاص حکمت کے لئے بھی تھی۔

وفد اہل نجران اور واقعہ مباہلہ

۹ھ کے واقعات میں ایک واقعہ اہل نجران کے وفد کے متعلق سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں واقع ہے اور یہ اس علاقہ میں عیسائیوں کا ایک مرکزی مقام تصور کیا جاتا تھا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل نجران کو دعوت اسلام پہنچی تو ان کی طرف سے اکابر عیسائیوں کا ایک وفد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے اسلام اور اپنے مذہبی مسائل میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔ مگر یہ لوگ اسلام اور خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق کج بحثی پر اتر آئے۔ اس موقعہ پر سورۃ آل عمران کی آیات نازل ہوئیں۔ ان میں یہ آیت بھی ہے۔

....فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا

وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنة اللہ علی الکاذبین ؕ

(پ ۳ ، سورۃ آل عمران)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں آپ کے پاس علم آجانے کے بعد جھگڑا کرے تو کہہ دیجئے کہ "آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ، اور ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ ، پھر ہم گڑگڑا کر (خدا تعالیٰ سے) دعا مانگیں اور جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالےٰ کی لعنت کریں ؕ"

تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشادِ خداوندی کے مطابق اہلِ نجران کو مباہلہ کی دعوت دی لیکن وہ اپنے اکابر عیسائیوں سے مشورہ کے بعد مباہلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اسلام کے لئے جزیہ دینا انہوں نے قبول کرلیا۔

اگرچہ اہلِ نجران سے مباہلہ کی نوبت نہیں آئی تاہم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے پوری آمادگی کا اظہار فرمایا۔ اور بعض روایات کے مطابق آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ میں شامل کرنے کے لئے حضرت علی المرتضیٰ رض حضرت حسن رض ، حضرت حسین رض اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کو ساتھ لیا۔ یہ روایت اپنی جگہ درست ہے۔ ہاں اگر وہ (نصاریٰ نجران) اس دعوت کو قبول کر لیتے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی مباہلہ کے مطابق اپنی ازواجِ مطہرات رض اور اپنے خاص خاص لوگوں کو بھی لے آتے اور مباہلہ قرآن کریم کے مطابق ہوتا۔

اور ایک دوسری روایت (جو امام جعفر صادق رح نے امام محمد باقر رح سے نقل کی ہے) کے اعتبار سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور ان کی اولاد ، حضرت عمر فاروق اور ان کی اولاد ، حضرت عثمان غنی اور ان کی اولاد ، اور حضرت علی اور ان کی اولاد (رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین) کو بھی مباہلہ میں شمول کے لئے لائے۔

.... قال فجاء بابی بکر وولدہ وبعمر وولدہ وبعثمان وولدہ وبعلی وولدہ ؕ لہ (حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اور نیز "سیرت حلبیہ" میں مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مباہلہ فرماتے تو دعائے مباہلہ میں شامل کرنے کے لئے کن لوگوں کے ہاتھ پکڑتے ؟

تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں " علی ، فاطمہ ، حسن ، حسین ، عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے ہاتھ پکڑ کر دعا کرتا "

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لولا عنتم یارسول اللہ ! بید من کنت تأخذ ؟ قال اخذ بید علی وفاطمۃ والحسن والحسین وعائشۃ وحفصۃ " وھذا ای زیادۃ عائشۃ وحفصۃ فی ھذہ الروایۃ دل علیہ قولہ تعالیٰ ونساءنا ونساءکم " [1]

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اگر مباہلہ کی صورت پیش آتی تو مذکورہ بالا تمام حضرات کو شامل کرنا منظور خاطر تھا صرف ایک گھرانہ کو شریک کرنا اور باقی کو شریک و شامل نہ کرنا مقصود نہ تھا۔ یہ چند حضرات صرف نمونہ کے طور پر لئے تھے۔

واقعہ مباہلہ اور مسئلہ خلافت بلا فصل

بعض لوگ مباہلہ کے واقعہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرنے کی سعی بلیغ کرتے ہیں۔ لیکن یہ سعی لاحاصل ہے اور کسی طرح نتیجہ خیز نہیں۔ اس سلسلہ میں معروضات ذیل پر نظر فرمائیں۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) [1] (۱) در منثور للسیوطیؒ ، ج ۲ ، ص ۴۰ ، تحت الآیۃ ۔

(۲) روح المعانی ، ج ۳ ، ص ۱۹۰ ، تحت الآیۃ ۔

(۳) تفسیر للشوکانی رح ، ج اول ، ص ۳۴۸ ، تحت الآیۃ ۔

[1] سیرت حلبیہ ، ج ۳ ، ص ۲۴۰ ، باب یذکر فیہ ما یتعلق بالوفود ۔

۱ : گزارش ہے کہ قرآن مجید میں فریقِ ثانی (اہلِ نجران) کے حق میں یہ عمومی دعوت ہے "ابناءکم، و نساءکم وانفسکم" کے الفاظ کے ساتھ اس کو تعبیر کیا ہے۔ ان الفاظ میں فریقِ مقابل (اہلِ نجران) کے مخصوص فرزند (فلاں فلاں)۔ مخصوص بی بیاں (فلاں فلاں عورت)۔ اور مختص اشخاص (فلاں فلاں افراد) متعین نہیں بلکہ فریقِ مقابل کے لئے یہ عبارت اپنے عموم پر قائم ہے۔ (یہ چیز شیعہ سنی سب حضرات کو تسلیم ہے)۔

ٹھیک اسی طرح "ابناءنا و نساءنا و انفسنا" کے الفاظ اہل اسلام کے لئے بھی اپنے عموم پر قائم ہیں چند مخصوص حضرات کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔ یعنی اس صورت میں " ابناءنا" سے مراد صرف حسنین رض اور " نساءنا" سے مراد صرف بی بی فاطمہ رض اور " انفسنا" سے مقصود صرف حضرت علی رض کے لئے آیت کے عموم الفاظ کو چھوڑ کر تخصیص تجویز کرنا صحیح نہ ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں الفاظ اہل نجران اور اہل اسلام دونوں جماعتوں کے لئے متقابلاً ذکر ہوئے ہیں ان الفاظ میں فریقِ مقابل کے لئے تخصیص نہیں بلکہ عمومی حکم ہے تو اسی طرح اہلِ اسلام کے لئے بھی یہ عمومی حکم ہوگا۔

۲ :- اگر یہ لوگ قرآنِ مجید سے یہاں استدلال اس طرح قائم کریں کہ لفظ " انفسنا " میں حضرت علی رض کی ذات کو عین ذاتِ رسول قرار دیں تو اس تقدیر پر " خصوصی صفاتِ نبوت " سب کی سب حضرت علی رض کے لئے تسلیم کرنا ہوں گی۔ (مثلاً رسالت، نبوت، ختمِ نبوت، نزولِ وحی اور نزولِ قرآن وغیرہ وغیرہ) بے شمار خصوصیاتِ نبوی ہیں ان سب میں نبی ؐ و علی رض کے مابین مساوات ماننا ہوگی اور یہ چیز بالکل بالاجماع باطل اور غلط ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر حضرت علی رض خود نفسِ رسول ہوتے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ رض کا نکاح ان سے نہ کرتے کیونکہ یہ خود اپنے سے نکاح کرنا شمار ہوتا۔

اور اگر بعض صفات کے اعتبار سے مساوات تسلیم کریں تو یہ شیعہ حضرات کو موضوعِ خلافت میں کسی طرح مفید نہیں۔ کیونکہ بعض اوصاف میں مساوی شخص اولی بالتصرف اور افضل قرار نہیں پاتا۔ فلہذا یہ

صورت بھی انہیں کسی طرح سود مند نہیں ہے۔

البتہ اگر روایت کے ذریعے یہاں تخصیص پیدا کی جائے تو اس صورت میں مسئلہ ہذا کا تعلق آیت کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ اس روایت کے ساتھ ہوگا۔ اور روایات اس مقام میں متعدد نوع کی پائی جاتی ہیں۔ ان تمام روایات پر نظر کرنے سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اگر مباہلہ کی نوبت آتی تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جس طرح حضرت علی رضؓ حضرات حسنین رضؓ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ کو شامل کرنا پسندیدہ خاطر تھا اسی طرح خلفاءِ ثلاثہ رضؓ کو مع ان کی اولاد کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ کو بھی شامل کرنا ملحوظِ خاطر تھا۔

یعنی اگر یہ واقعہ مباہلہ پیش آتا تو ان حضرات کو بھی شامل فرمایا جاتا اور مباہلہ بالکل قرآنی تعلیم کے مطابق ہوتا۔

فضیلت کا اقرار

اس واقعہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی اور دیگر مذکور حضرات کی "عزت افزائی" اور "فضیلتِ دینی" ثابت ہوتی ہے جس کو ہم اہلسنت بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

البتہ خوارج کے نظریات کے خلاف ہے وہ عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اقرار نہیں کرتے۔ ہاں بطورِ فضیلت یہ درست اور صحیح ہے۔ مسئلہ خلافت کے ساتھ نہ اس آیت کو کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ان روایات کا اس آیت سے کوئی ارتباط ہے۔

نوٹ:۔ قبل ازیں یہ مسئلہ کتاب "بناتِ اربعہ رضؓ" بحث دفع توہمات۔ وہم سادس میں بقدر ضرورت ہم نے درج کر دیا ہے وہاں رجوع فرمالیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی علاقہ یمن کی طرف روانگی

یمن کے علاقہ میں اسلام کی تبلیغ کافی عرصہ سے جاری تھی اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے متعدد صحابہ کرام رضؓ کو وقتاً فوقتاً وہاں بھیجتے رہتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم یمن میں تبلیغی مقاصد کی خاطر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمانے لگے تو حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! میں نوعمر آدمی ہوں (تجربہ کار نہیں ہوں)

اور قضا کے معاملات میں مجھے زیادہ سابقہ پیش نہیں آیا اور اس قوم میں تنازعات کے فیصلے کرنے کی نوبت آئے گی تو میں کیا کروں گا ؟ اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ سیھدی لسانک ویثبت قلبک ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو درست فیصلہ کی توفیق دے گا اور تمہارے دل کو ثابت رکھے گا۔

اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں۔

فوضع یدہ علی صدری وقال اللھم ثبت لسانہ واھد قلبہ [1]

یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کے سینے پر رکھا اور دعا دی کہ اے اللہ ان کی زبان کو ثابت رکھ اور ان کے قلب کی راہنمائی فرما۔

اور ساتھ ہی فیصلہ کرنے کا ایک بنیادی قاعدہ ارشاد فرمایا کہ اے علیؓ! جب آپ کے سامنے دو فریق پیش ہوں تو ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کریں جب تک کہ دوسرے فریق کی بات نہ سن لیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے سامنے جب بھی کسی کی قضا کا معاملہ پیش آیا تو اس میں اشکال پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کے حل کے لئے کوئی بہتر صورت منکشف ہو گئی۔

یمن میں چند واقعات

علاقہ یمن میں اقامت کے دوران حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متعدد واقعات پیش آئے تھے۔ علماء سیرت نے اس مقام میں متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ ان میں سے بعض بطور خلاصہ درج کی جاتی ہیں۔

۱:- ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقہ کے اونٹ علاقہ یمن سے فراہم کئے۔ تو حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے سوال کیا کہ ہم صدقہ کے اونٹوں پر سوار ہو جائیں اور اپنے اونٹوں کو کچھ راحت دے لیں۔ کیونکہ وہ سفر کی وجہ سے بہت ماندہ ہو چکے ہیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۱۰۷، تحت باب بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب و خالدؓ بن ولید الی یمن قبل حجۃ الوداع ۔

اس مطالبہ کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ " انما لکم فیھا سھم کما للمسلمین " لہ

یعنی تمہارے لئے ان میں وہی حصہ ہو سکتا ہے جو باقی مسلمانوں کے لئے ہے ۔

آپ کا مطلب یہ تھا کہ تمام اونٹوں کو آپ استعمال نہیں کر سکتے ان میں سے جو آپ کے حصہ میں آئیں گے انہی کو آپ استعمال کر سکتے ہیں باقی کو نہیں ۔

۲ ۔ ایک دفعہ یمن کے علاقہ سے کچھ اموال پوشاک و لباس کی صورت میں حاصل ہوئے جن کی تا حال تقسیم نہ ہوئی تھی ۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف سے جو ان اموال پر نگران تھا اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضہ کی اجازت کے بغیر اپنے ساتھیوں کو یہ پوشاکیں دے دیں اور انہوں نے اپنے زیب تن کر لیں حضرت علی المرتضیٰ رضہ جب اس صورت حال پر مطلع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کیوں کیا گیا ہے ؟ یہ اموال ابھی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں پہنچے تھے ۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تقسیم فرماتے ۔ تم لوگوں نے ایسا معاملہ کیوں کیا ؟

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حکم دیا کہ ان پوشاکوں کو پہننے والے انہیں اتار ڈالیں ۔

قال علی ما ھذا ؟ قالوا کسانا فلان قال اما دعاك الی ھذا قبل ان تقدم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، فیصنع ماشاء فنزع الحلل منھم " لہ

۳ ۔ نیز سیرت کی روایات میں ہے کہ یمن کے علاقہ سے مال غنیمت میں کچھ لونڈیاں دستیاب ہوئیں ۔

لہ البدایہ والنہایہ ، ج ۵ ، ص ۱۰۵ ۔ تحت باب بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضہ وخالد بن ولید الی یمن قبل حجۃ الوداع ۔

لہ البدایہ والنہایہ ، ج خامس ، ص ۱۰۶ ۔ تحت باب بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضہ وخالد بن ولید رضہ الی یمن قبل حجۃ الوداع ۔

ان اموالِ غنائم سے بطورِ خمس حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے ایک خادمہ حاصل کی۔ اس پر دیگر ساتھیوں کو کچھ اعتراض ہوا۔ گو موقعہ پر اس کے بارے میں کوئی خاص کشیدگی نہیں ہوئی۔ مگر جب یہ حضرات آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو حضرت بریدہ بن خصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے یہ اعتراض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

یا بریدة أتبغض علیًا ؟ فقلت نعم قال لا تبغضه فان له فی الخمس اکثر من ذالک ؟ [1]

یعنی اے بریدہ! کیا تم علی بن ابی طالب رضؓ کے ساتھ بغض رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! (مجھے اس بات میں ان سے مخالفت ہے) آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کے ساتھ بغض مت رکھو کیونکہ علی رضؓ کے لئے ان اموال میں اس سے زیادہ حق تھا ؟

اس روایت کی وضاحت میں علماء لکھتے ہیں کہ اس وقت بعض صحابہ کرام رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے اس فعل پر جو اعتراض کیا وہ اس بنا پر تھا کہ انہوں نے خیال کیا کہ یہ مالِ غنیمت میں ایک گونہ خیانت ہے۔ اس بنا پر علی المرتضیٰ رضؓ کو یہ فعل نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور صفائی کے اس مسئلہ کو بیان فرمایا کہ اس مال میں سے اس نے جس قدر لیا ہے علی بن ابی طالب رضؓ کا اس سے زیادہ حق تھا تو وہ لوگ اپنی غلطی پر مطلع ہوئے اور اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محبوب جاننے لگے۔

۴:- علاقہ یمن میں جو واقعات پیش آئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے یمن سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سونے کا ٹکڑا بھیجا وہ دباغت شدہ چمڑے

---

[1] (۱) بخاری شریف، ج ثانی، ص ۶۲۳، باب بعث علی بن ابی طالبؓ وخالد بن ولید رضؓ الی الیمن۔

(۲) البدایہ والنہایہ، ج خامس، ص ۱۰۴، تحت باب بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضؓ وخالد بن ولید رضؓ الی الیمن قبل حجۃ الوداع۔

کی سُرخ تھیلی میں بھیجا گیا تھا یعنی وہ ٹکڑا ابھی صاف شدہ نہیں تھا اس کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صوابدید کے تحت بعض صحابہ کرام رضؓ میں تقسیم فرما دیا ۔ [1]

اس سے حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کی دیانت وامانت اور اپنے یمن کے قیام کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل رابطہ رکھنے کی خبر ملتی ہے ۔ جو آپ کے حضور ؐ کے ہاں کامل اعتماد کا ایک کھلا نشان ہے ۔

مختصر یہ ہے کہ جو واقعات سفر ہذا میں پیش آئے اور ان میں اختلاف رائے کی صورت رونما ہوئی تو اس میں بفضلہٖ تعالےٰ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ صائب الرائے ثابت ہوئے ۔ یہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کلماتِ دعائیہ کے کھلے اثرات تھے ۔

یمن سے حج کیلئے پہنچنا

سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سنہ ۱۰ھ میں حج کے لئے مدینہ شریف سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو بے شمار لوگ اس حج میں شریک ہونے کے لئے مکہ معظمہ پہنچے ۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے لئے تشریف آوری کی اطلاع یمن میں ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حج کے لئے مکہ شریف پہنچے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ اے علیؓ ! آپ نے کس طرح احرام باندھا تھا تو حضرت علی رضؓ نے عرض کیا ۔

أهللت بما اهل به النبي صلى الله عليه وسلم ؟ [2]

یعنی میں نے اسی طرح احرام باندھا ہے جس طور پر خدا کے نبی ؐ نے احرام باندھا ہے ۔

---

[1] (۱) بخاری شریف ، ج ثانی ، ص ۶۲۴ ، کتاب المغازی تحت باب بعث علی بن ابی طالب رضؓ وخالد رضؓ بن ولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع ۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری شریف ، ج ثامن ، ص ۵۵ ، تحت باب بعث علی بن ابی طالب رضؓ وخالد رضؓ بن ولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع ۔

[2] (۱) بخاری شریف ، ج ثانی ، ص ۶۲۴ ، کتاب المغازی باب بعث علی بن ابی طالب رضؓ وخالد بن ولید رضؓ

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

موسمِ حج میں مرتضوی خدمات

۱ :- حجۃ الوداع میں حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موقعہ بموقعہ احکامات ادا کرتے رہے۔ پھر یوم النحر (جس دن قربانی کی جاتی ہے) کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ[۶۳] اونٹ اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمائے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ بقایا شتران کو آپ ذبح کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس پر عمل درآمد کیا۔ ؎[۱]

۲ :- نیز اس سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ان ہدایا کو ذبح کرنے کے بعد ان کے گوشت اور چمڑوں کو تقسیم کردیں اور ان کے جھول تک بھی خیرات کردیں اور قربانی بنانے والوں کو ان کی اجرت اس میں سے نہ دیں۔ بلکہ ان کو الگ اجرت دیں۔

ابن ابی لیلیٰ ؒ کہتے ہیں کہ۔

ان علیا اخبرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یقوم علی بدنہ و ان یقسم بدنہ کلہا لحومہا وجلودہا وجلالہا ولا یعطی فی جزارتہا شیئا ؎[۲]

۳ :- اس موقعہ پر منیٰ میں بعض احکام کی تبلیغ کے لئے خطبات دیئے گئے۔ روایات میں مذکور ہے کہ چاشت کا وقت ہوگیا تھا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے "بغلۃ الشہباء" (سفید خچر) پر سوار ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو بعید افراد تک پہنچانے کے لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ معبّر کا کام دے رہے تھے۔ بعض حاضرین نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الی الیمن قبل حجۃ الوداع۔

(۲) مسلم شریف مع النووی : ج اوّل : ص ۴۰۸ - باب جواز التمتع فی الحج والقران ۔

؎[۱] مشکوٰۃ شریف : ص ۲۲۵ :- باب قصہ حجۃ الوداع بحوالہ مسلم شریف ۔

؎[۲] بخاری شریف : ج اوّل : ص ۲۳۲ : باب یتصدق بجلود الہدی و باب یتصدق بجلال البدن ۔

کھڑے تھے اور بعض حضرات اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔

عن رافع بن عمرو المزنی قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الناس بمنیٰ حین ارتفع الضحیٰ علی بغلۃ الشہباء وعلیؓ یعبّر عنہ والناس بین قائم وقاعد۔ رواہ ابوداؤد " لہ

۴ : ایامِ منیٰ میں بعض اعلانات کی ضرورت پیش آئی تو اس کے لئے سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابۂ کرام رضؓ کو منتخب فرمایا۔ ان میں سے ایک حضرت علی رضؓ بھی تھے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا کہ لوگوں میں اعلانِ عام کیا جائے کہ ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ) کو کوئی روزہ نہ رکھے بلکہ یہ ایام خورد و نوش کے لئے ہیں کھائیں پئیں۔

عن عبد اللہ بن عمرو ان النبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم قال لعلی رضؓ ومعاذ رضؓ بن جبل وبدیل رضؓ بن ورقاء وسحیم ان نادوا فی الناس فانموھم ان یصوموا ایام التشریق فانھا ایام اکل وشرب " لہ

حجۃ الوداع سے واپسی اور واقعہ غدیر خم

حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور بہت سی جماعتیں جنہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف نہیں جانا تھا اپنے اپنے مقامات کی طرف روانہ ہوگئیں اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کثیر جماعت تھی جنہوں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ منورہ واپس ہونا تھا۔ جس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم (جو مقام جحفہ کے قریب واقع ہے) میں

لہ مشکوٰۃ شریف: ص ۲۳۴، ۲۳۵ بحوالہ ابی داؤد۔ تحت باب خطبۃ یوم النحر الفصل الثانی۔

لہ (۱) الاصابہ لابن حجرؒ ، ج ۲ : ص ۱۶ مع الاستیعاب نمبر ۳۰۹۶ تحت سحیم غیر منسوب "

(۲) الاصابہ لابن حجرؒ ، ج ۴ : ص ۴۷۳ ۔ تحت ام مسعود الانصاریہ (نمبر ۱۴۹۸) "

پہنچے ہیں تو اس مقام پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ وقت کے لئے آرام فرمایا۔ اس دوران بعض لوگوں کی طرف سے وہ شکایات پیش کی گئیں جو سفر یمن میں شریک سفر حضرات کو حضرت علی رضؓ کے متعلق پیش آئی تھیں انکا ایک مختصر سا تذکرہ پہلے کر دیا گیا ہے۔

بعض لوگوں کے دلوں میں حضرت علی رضؓ کے متعلق ان شکایات کی بنا پر رنجش تھی اور حضرت علی رضؓ کے بعض افعال پر ان کو اعتراض تھا۔

غدیر خم (غدیر عربی میں جوہڑ یا تالاب کو کہتے ہیں خم ایک مقام تھا) کے مقام پر بروز یکشنبہ ۱۸ ذالحجہ ۱۰ھ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے جن ضروری امور کا ذکر فرمایا تھا ان میں سے ایک اہم چیز جو رفع شبہات کے درجہ میں تھی وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق تھی جو اعتراضات سفر یمن میں حضرت علی رضؓ کے ہمسفر احباب کو ان کے خلاف پیدا ہوئے تھے ان کی مدافعت کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کی فضیلت بیان فرمائی اور حضرت علی رضؓ کی امانت وعدالت کا واضح طور پر ذکر فرمایا۔ جس سے ان کی شکایات کا پوری طرح ازالہ ہوتا تھا۔

ان کلمات میں ایک کلمہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ۔ " من کنت مولاہ فعلی مولاہ " [1]

یعنی جس شخص کے لئے میں محبوب اور دوست ہوں پس علی بن ابی طالب رضؓ بھی اس کے محبوب و دوست ہیں "

ان کلمات میں حضرت علی رضؓ سے اعتراضات کا ازالہ اور شکایات کا دفعیہ مقصود تھا اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فضیلت وبرأت اور ان کے حسن کردار کا بیان کرنا پیش نظر تھا۔ مسئلہ خلافت اور نیابت نبوی کے متعلق یہاں کچھ مذکور نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی یہ اس وقت کا موضوع تھا۔ نہ اس سفر کے دوران آپ

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - بحوالہ النسائی واحمد وابن ماجہ وغیرہم - فصل فی ایراد الحدیث الدال علی انہ علیہ السلام خطب بمقام بین مکۃ والمدینۃ -

کی خلافت زیر بحث آئی تھی ۔ چنانچہ اس کے بعد جن لوگوں کے قلوب میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلاف شکایات جاگزیں تھیں اس بیان کے ذریعہ ان کا ازالہ ہو گیا ۔ شکایات کنندگان میں بریدہ بن الحصیب الاسلمی رضؓ اور براء بن عازب رضؓ وغیرہما کے نام عموماً پائے جاتے ہیں ۔ ان لوگوں کے گمان اور اعتراضات کو رفع کر دیا گیا اس کے بعد ان میں سے کسی صاحب نے اس معاملہ میں کبھی کوئی شکایت نہیں کی ۔

حاصل یہ ہے کہ یہ ایک وقتی مسئلہ تھا جو اس فرمان نبوت کے ذریعہ حسن اسلوبی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا ۔ افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس مقام پر مسئلہ خلافت کی بحث خواہ مخواہ پیدا کر لی ۔ اس کو صاف کرنے کے لئے یہاں ایک تنبیہ ذکر کی جاتی ہے ۔

تنبیہ (متعلقہ غدیر خم) " غدیر خم " کے واقعہ کو بعض لوگوں نے بڑی اہمیت دی ہے اور اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت بلا فصل ثابت کرنے کیلئے ناکام کوشش کی ہے ۔ یہ لوگ اس واقعہ کو مسئلہ خلافت کے لئے انتہائی درجہ کی قوی دلیل قرار دیتے ہیں ۔ یہاں چند اشیاء غور طلب ہیں ۔ ان پر توجہ فرمانے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ دلیل مسئلہ خلافت کو ہرگز ثابت نہیں کرتی ۔ اور عدم اثبات مدعا کی بنا پر یہاں تقریب تام نہیں ۔

جحفہ کے مقام کے قریب ایک تالاب تھا جسے غدیر خم کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا ۔ یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع تھا ۔ جس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تھے تو راستہ میں اس مقام پر آپ نے سفری تقاضوں کے تحت کچھ وقت کے لئے قیام فرمایا تھا ۔ اس دوران بعض ضروری چیزوں کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا ۔ اس میں ان شکایات کا بھی ازالہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق یمن کے سفر میں ان کے ہمسفر حضرات کو پیدا ہوئی تھیں (ان شکایات کا سابقاً اجمالاً ذکر ہو چکا ہے) ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے متعلق شکایات کا ازالہ جن الفاظ سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں یہ جملہ مذکور ہے کہ ۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔ یعنی جس شخص کے لئے میں محبوب اور دوست ہوں پس علی بن ابی طالب رضؓ اس کے محبوب اور دوست ہیں ۔

اب اس اعلان کا صریح مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضہ کے متعلق آپ لوگ ان شکایات کے سبب بدگمانی نہ کریں۔ علی بن ابی طالب رضہ بغض و عداوت کے قابل نہیں بلکہ یہ تو اپنی دیانت داری اور بلندی اخلاق وکردار کے اعتبار سے محبت و دوستی کے لائق ہے۔ یہاں مسئلہ "خلافت و نیابت" کا ذکر تک نہیں۔ نہ کسی جماعت کی طرف سے آپ کے سامنے خلافت کے مضمون کو زیر بحث لایا گیا اور نہ ہی کسی شخص نے اس کے متعلق کوئی سوال پیش کیا جس کے جواب میں آپ نے یہ کلام فرمایا ہو۔ فلہذا اس کلام کا وہی محمل درست اور صحیح ہے جو پہلے ذکر کر دیا ہے مسئلہ خلافت کے ساتھ اس کا کچھ ارتباط نہیں ہے۔ بلکہ صفائی معاملات کے درجہ میں یہاں حضرت علی رضہ اور ان کے معترضین کے درمیان یہ ایک حکیمانہ اور ناصحانہ خطبہ تھا۔ حضرت علی رضہ سے بدگمانی اور سوء ظنی رفع کرنا مطلوب تھی جو اس وقت کر دی گئی ہے۔

پھر اس روایت کے اگلے الفاظ بھی غور طلب ہیں ان میں موالات اور معادات کو ایک دوسرے کے بالمقابل ذکر کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں (مولیٰ کے لفظ میں) ولایت بمقابلہ عداوت ہے۔ بمعنی خلافت نہیں۔ روایت کے وہ الفاظ یہ ہیں۔

"اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ"

"اے اللہ! اسے دوست رکھ جو علی رضہ سے دوستی رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی رضہ سے عداوت رکھے۔"

یہ ہے اصل واقعہ کا پس منظر جو سادہ الفاظ میں عرض کر دیا ہے۔ اور روایت ہذا کے متعلق ہمارا یہی موقف ہے جو ہم نے وضاحت سے پیش کر دیا۔

شیعہ کا خلافت بلافصل پر استدلال

شیعوں کے نزدیک روایت ہذا (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت بلافصل کے لئے نہایت اہم حجت اور قوی تر دلیل ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ روایت ہذا میں (مولیٰ) کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے (یعنی جس کا مولیٰ میں ہوں علی رضہ بھی اس کے مولیٰ ہیں) اور "مولیٰ" کے معنی خلیفہ اور حاکم کے ہیں۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کے مولیٰ ہیں فلہذا اس فرمان کی بنا پر حضرت علی رضہ بھی تمام امت کے

مولی ہیں۔اور یہ روایت مسلّم بین الفریقین ہے اور متواترات میں اس کو شمار کیا جاتا ہے۔لہٰذا اس پر عقیدے کی بنیاد ہو سکتی ہے۔نیز اس نوع کی روایت کسی دوسرے صحابی کے حق میں وارد نہیں ہوئی فلہٰذا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافتِ بلافصل کے لئے یہ نص صریح ہے اور آپ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت کے لئے خلیفہ و حاکم ہیں۔

استدلال مذکور کے متعلق مندرجہ ذیل معروضات پیش کی جاتی ہیں جن سے ان کے استدلال کی حقیقت سامنے آجائے گی [1]

روایت ہذا کے متعلق فریق مقابل کا یہ دعویٰ کہ یہ روایت بین الفریقین متواتر روایات میں سے ہے قابلِ غور ہے۔یہ دعویٰ علی الاطلاق صحیح نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ بعض اکابر محدثین نے اس روایت پر کلام کیا ہے۔امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں اس پر کلام کیا ہے اور اس روایت کو صحیح بخاری میں درج نہیں کیا۔ابن حزمؒ الظاہریؒ نے کتاب الفصل فی الملل والنحل میں۔شیخ جمال الدین زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں۔صاحبؒ شرح المواقف نے شرح مواقف میں۔علامہ تفتازانیؒ نے شرح مقاصد میں۔اور صاحبؒ کتاب المسامرہ نے المسامرہ میں۔وغیرہ وغیرہ اور دیگر متعدد علماء کبار نے اس پر کلام کیا ہے۔اس وجہ سے اس روایت کو متواترات میں سے شمار کرنا صحیح نہیں۔

یہ روایت اخبارِ آحاد میں سے ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کی اسانید ضعف سے خالی نہیں۔کئی اکابر علماء اسے روایۃً تسلیم نہیں کرتے۔تاہم بعض دیگر علماء اس روایت کی صحت کے قائل ہیں اور روایت کو اپنے مفہوم کے اعتبار سے قبول کرتے ہیں۔

بنا بریں ہم بھی اس روایت کو درست تسلیم کرتے ہیں۔لیکن اس کے بعد روایت ہذا کے معنی و مفہوم

---

[1] اس موضوع پر نسائی کی روایات کے تحت اپنی کتاب "حدیث ثقلین" ص ۹۵-۹۶-۹۷ - طبع ثانی میں بقدرِ ضرورت بحث کر دی ہے۔تاہم یہاں بھی اس مقام کے مناسب چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

میں کلام جاری ہے اس پر توجہ فرمائیں۔

نیز فریق مقابل کا یہ قول کرنا کہ یہ الفاظ دوسرے صحابی کے لئے استعمال نہیں ہوتے یہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے حق میں بھی آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

..... قال لزيد انت اخونا و مولانا

ترجمہ: آپ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے مولےٰ ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف، ص ۲۹۳ بحوالہ بخاری و مسلم - باب بلوغ الصغیر الفصل الاول)

۲ : روایت ہذا میں لفظِ " مولیٰ " وارد ہے اور " مولیٰ " کے معانی کتاب و سنت اور لغتِ عرب میں متعدد پائے جاتے ہیں۔ النہایہ لابن اثیر الجزری (جو لغت حدیث میں مشہور تصنیف ہے)، میں " مولیٰ " کے سولہ[1] عدد معانی ذکر کئے ہیں لیکن ان میں " خلیفہ بلافصل اور حاکم " والا معنی کہیں نہیں ملتا یکسر مفقود ہے۔ یعنی لغت حدیث والوں نے " مولیٰ " کا یہ معنی کہیں نہیں بیان کیا۔ باقی معانی انہوں نے لکھے ہیں۔

اسی طرح " المنجد " میں " مولیٰ " کے اکیس[2] معانی ذکر کئے گئے ہیں وہاں بھی " مولیٰ " کا معنی خلیفہ یا حاکم نہیں پایا گیا۔ یہ تو کسی مسلمان کی تالیف نہیں ایک عیسائی کی علمی کاوش ہے۔ سو یہ بات پختہ ہے کہ اس روایت میں " مولیٰ " کا لفظ خلیفہ اور حاکم کے معنی میں ہرگز وارد نہیں۔

اسی طرح کتاب اللہ اور دیگر احادیث صحیحہ میں " مولیٰ " کا لفظ خلیفہ یا حاکم کے معنی میں کہیں مستعمل نہیں دیگر معانی میں وارد اور مستعمل ہے۔ اہل علم کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے۔ خلافت بلافصل ثابت کرنے کے لئے نص صریح درکار ہے۔ لفظِ " مولیٰ " جیسے مجمل الفاظ جو متعدد معانی کے حامل ہوں اور مشترک طور پر مستعمل ہوتے ہیں، سے یہ مدعیٰ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔

مختصر یہ کہ خلافت بلافصل کا دعوےٰ خاص ہے اور اس کے اثبات کے لئے جو دلیل پیش کی

---

[1] النہایہ فی غریب الحدیث، ج ۴، ص ۲۳۱، تحت مولیٰ۔

گئی ہے اس میں لفظِ مولیٰ اگر بمعنی حاکم ہو تو بھی یہ لفظ عام ہے۔ دلیل عام مدعی خاص کو ثابت نہیں کرتی۔ سو اس بنا پر یہاں تقریب تام نہیں پائی گئی۔

۴:۔ علی سبیل التنزل اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ خلافت بلافصل کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا تھا اور جناب علی المرتضیٰ رض بلافصل خلیفہ نامزد تھے تو درج ذیل چیزوں پر نظر غائر فرمائیں اصل مسئلہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۱:۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے کچھ قبل حضرت عباس رض بن عبدالمطلب نے حضرت علی المرتضیٰ رض کو ارشاد فرمایا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ شاید آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو جائے اس بنا پر ہم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مسئلہ خلافت و امارت کے متعلق عرض کریں۔ اگر یہ امارت ہم میں ہو گی تو ہمیں معلوم ہونا چاہئے اور اگر امارت و خلافت ہمارے سوا دوسروں میں ہو گی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے متعلق لوگوں کو وصیت فرما دیں گے۔

اس کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رض نے حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کہا کہ اگر ہم نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ خلافت و امارت کے متعلق سوال کیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرما دیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ کبھی ہمیں خلافت کا موقعہ نہیں دیں گے۔ اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں اس بات کا ہرگز سوال نہیں کروں گا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رح نے بحوالہ بخاری شریف ذکر کیا ہے کہ

فقال علی رض انا واللہ لئن سألناها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمنعناها لا یعطیناها الناس بعده والخ واللہ لا اسألها رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم [1]

واقعہ ہذا نے واضح کر دیا ہے کہ خم غدیر کے موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں کوئی فیصلۂ خلافت نہیں ہوا تھا۔ ورنہ طے شدہ امر کے لئے

۱۔ اوّلاً تو حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ گفتگو ہی نہ فرماتے۔

۲۔ ثانیاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ارشاد فرماتے کہ اس مسئلہ کا میرے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم میں فیصلہ فرما چکے ہیں فلہٰذا اس سوال کی حاجت نہیں ہے۔

۲ (ا)۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے حق میں اس نص صریح کو کیوں پیش نہیں فرمایا؟

۳ :۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے انتخاب کے موقعہ پر دیگر اکابر ہاشمی حضرات نے اس نص صریح کو کیوں پیش نہیں کیا؟ حالانکہ اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کے لئے اس نص صریح کی اشد ضرورت تھی۔ پھر انصار جو سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو خلیفہ بنانے کی سوچ رہے تھے۔ اور حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کی تجویز سے معارضہ کیا تو پھر انصار نے اس نامزدگی کا سہارا کیوں نہ لیا کہ اے ابابکر رضؓ حضورؐ حضرت علی رضؓ کو خلیفہ بنا چکے ہوئے ہیں۔

۴ :۔ تمام مہاجرین وانصار صحابۂ کرام رضؓ جو غدیر خم کے موقعہ پر اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست سننے والے تھے۔ انہوں نے اس نص صریح کو یکسر کیسے فراموش کر دیا؟ اور اس سے کیوں روگردانی کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اعراض کر کے حضرت صدیق اکبر رضؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ان کا قبیلہ بنو تیم (شاخ قریش) بنو ہاشم سے بڑا تو نہ تھا

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ، ج ۵، ص ۲۲۷۔ تحت حالات مرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (بحوالہ بخاری شریف)

(۲) مسند امام احمدؒ، ص ۳۲۵، ج اوّل۔ تحت مسندات ابن عباس رضؓ۔

(۳) سیرت ابن ہشام، ص ۶۵۴، ج ۲۔ شان العباسؓ وعلیؓ (تحت عنوان تمریض رسول اللہؐ الخ)۔

اگر کوئی صاحب یہ کہنے کی جرأت کریں کہ ان حضرات کو حضرت علی المرتضیٰ رضہ کے حق میں یہ نص صریح معلوم تھی مگر انہوں نے فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض دیگر مصالح کی بنا پر پس پشت ڈال دیا اور اس سے اعراض کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد نہیں کیا۔ تو یہ کہنا حقیقت کے برخلاف ہے۔ نہ شریعت کا مزاج اسے تسلیم کرتا ہے نہ عقل اسے ممکن مانتی ہے۔

وجہ یہ ہے کہ فرمانِ نبوت کی اطاعت صحابہ کرام رضہ کے لئے ایک اہم ترین مقصدِ حیات تھی جس پر ان کی تمام زندگی شاہد عادل ہے۔ فلہٰذا یہ تمام حضرات فرمانِ نبوت کے خلاف کیسے مجتمع ہو سکتے تھے۔ (لا تجتمع امتی علی الضلالة)۔

یہاں سے ہمارے اس دعوے کی پوری تائید ہوتی ہے کہ غدیر خم میں جو فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہوا تھا وہ مسئلہ خلافت سے متعلق ہرگز نہیں تھا بلکہ اس کے سوا دیگر مقاصد کے لئے تھا جیسا کہ سابقاً عرض کر دیا ہے۔

۵ :- دورِ صدیقی رضہ کے اختتام پر حضرت صدیق اکبر رضہ نے اکابر صحابہ رضہ اور اکابر بنی ہاشم کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو خلیفہ منتخب فرمایا، اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضہ کے حق میں خلافت کے متعلق کسی نے یہ نص صریح پیش نہیں کی۔ حالانکہ یہ اثباتِ خلافت علوی کے لئے ایک اہم موقعہ تھا۔

۶ :- اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے انتقال کے موقعہ پر خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک مختصر سی کمیٹی مقرر کی تھی (جس طرح کہ اہل سیرت و تاریخ کو معلوم ہے) پھر سیدنا حضرت فاروق رضہ کے وصال کے بعد ان حضرات کا باہمی مشورہ ہوا اور انتخاب کا مکمل اختیار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دیا تھا پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضہ نے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو خلیفہ منتخب فرمایا۔

تو اس موقعہ پر بھی کسی ہاشمی یا غیر ہاشمی نے غدیر خم والی نص صریح کو پیش نہیں کیا۔

۷۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب لوگ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے لوگوں کے اصرار کے باوجود بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ اور بنی عمرو بن مبذول کے باغ میں جا کر الگ بیٹھ گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحؒ نے البدایہ میں ذکر کیا ہے کہ۔

وقد امتنع علی رضؓ من اجابتهم الی قبول الامارة حتی تکرر قولهم له وفرّ منهم الی حائط بنی عمرو بن مبذول واغلق بابه له

اور شیعہ علماء نے اس سلسلہ میں خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام، "نہج البلاغہ" میں ذکر کیا ہے کہ جب قتل عثمان رضؓ کے بعد لوگ بیعت کے ارادہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو آنحضرت رضؓ نے فرمایا کہ

دعونی والتمسوا غیری .... وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموه امرکم وانا لکم وزیراً خیر لکم منی امیراً۔[2]

یعنی (بیعت کے معاملہ میں) مجھے تم چھوڑ دو اور میرے سوا کسی اور کو تلاش کر لو ـــــــ اور اگر مجھے تم چھوڑ دو گے تو میں تم میں سے ایک فرد ہونگا۔ اور جس شخص کو تم اپنے امر کا والی بناؤ گے امید ہے کہ میں اس کا تم سے زیادہ

---

[1] البدایہ، ص ۲۲۵، ج سابع، قبل ذکر بیعت علی رضؓ بالخلافة۔

[2] نہج البلاغة للسید الشریف الرضی، ص ۱۸۱، ۱۸۲، طبع مصر، تحت ومن خطبة له علیه السلام لما ارید علی البیعت بعد قتل عثمان رضؓ۔

تابعدار اور زیادہ مطیع ہوں گا اور میرا تمہارے لئے وزیر رہنا امیر بننے سے زیادہ بہتر ہے "

مندرجات بالا کی روشنی میں واضح ہوا کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اوّلاً انکار فرمایا۔ اگرچہ بعد میں دیگر اکابر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے اصرار پر بیعت لینا منظور فرمالیا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ غدیر خم یا دیگر کسی مقام میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت بلافصل کے لئے کوئی نص صریح موجود نہیں تھی ورنہ انا لکم وزیرا خیر لکم منی امیرا جیسا کلام کیسے فرمایا ہوتا ؟

۸:۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے صاحبزادے حسن مثنیٰؒ کے سامنے ان کے ایک غالی رافضی عقیدت مند نے کہا کہ

" کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ (جس کا میں مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں "

تو اس کے جواب میں حضرت حسن مثنیٰؒ رضہ فرماتے ہیں کہ۔

" اما واللہ لو یعنی بذالک الامرۃ والسلطان لا فصح لھم بذالک کما افصح لھم بالصلوۃ والزکوۃ وصیام رمضان وحج البیت ویقال لھم ایھا الناس ھذا ولیکم من بعدی فان افصح الناس کان للناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [1]

یعنی اگر اس جملہ سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد " امارۃ " اور " سلطنت "

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۲۳۵ - تحت تذکرہ حسنؓ بن حسنؓ (المثنیٰ)۔

ہوتی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ، نماز ، زکوٰۃ ، روزہ رمضان ، اور حج بیت اللہ کی طرح واضح طور پر اس کا فرمان صادر فرماتے اور فرما دیتے کہ اے لوگو! علی رضہ میرے بعد تمہارے حاکم ہیں۔ کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ فصیح اور افصح الناس تھے"

یہاں سے واضح ہو گیا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا جملہ اکابر ہاشمی حضرات کے نزدیک بھی خلافت بلافصل کے لئے نص صریح نہیں۔

۹ :- واقعہ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکمین کی تحکیم کو قبول کر لینے کے متعلق کبار علماء نے ذکر کیا ہے کہ اگر علوی خلافت بلافصل کے متعلق کوئی نص صریح اور حجت قطعی موجود ہوتی تو حضرت علی المرتضیٰ رضہ ہرگز تحکیم قبول نہ فرماتے اور حکمین پر رضامند نہ ہوتے اور پھر حکمین حضرت علی رضہ کو خلافت سے علیحدہ کرنے کی کوئی تجویز سامنے نہ لاتے۔

مسند عمر بن الخطاب رضہ میں ہے کہ ایک صاحب کے ساتھ امام اوزاعی رحمہ اللہ کی "خلافت کی وصیّت" ہونے کے متعلق گفتگو ہوئی تو امام اوزاعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ۔

لو کانت الخلافۃ وصیۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رضی علی بالحکمین۔[1]

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے خلافت اگر وصیت ہوتی تو حضرت علی اللہ تعالیٰ عنہ حکمین کو قبول و منظور کرنے پر کبھی رضامند نہ ہوتے "

---

[1] مسند عمر بن الخطاب ، ص ۶۶ ، طبع بیروت ، طبع اوّل ، تحت روایات الاوزاعی رح۔

مختصر یہ ہے کہ ۔

مندرجہ عنوان کے تحت جن چیزوں کو درج کیا گیا ہے ان تمام پر نظر غائر کر لینے کے بعد عیاں ہو گیا کہ غدیر خم کے موقعہ پر جو فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صادر ہوا تھا اس کا خلافتِ مرتضوی کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے اور نہ ہی مسئلہ خلافت وہاں مطلوب و مقصود تھا ۔

بلکہ وقتی تقاضوں کے مطابق اس خطبہ میں دیگر مقاصد پیشِ نظر تھے جن کو وہاں پورا کر دیا گیا۔

شیعہ علماء کا اعتراف کہ اس حدیثِ ولایت میں خلافت کی تصریح نہیں

اکابر شیعہ علماء، جو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کو منصوص مانتے ہیں اور اس حدیث سے خلافت پر غلط استدلال کرتے ہیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اس روایت میں خلافت کی صراحت ہرگز نہیں ہے ۔ بلکہ اس کا اشارتاً اور تعریضاً اس میں ذکر پایا جاتا ہے۔

چنانچہ صاحب " احتجاج الطبرسی " نے اس چیز کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے ۔

...... واثبت حجة الله تعريضا لا تصريحا بقوله في وصيته من كنت مولاه فهذا مولاه [1]

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وصیت کے قول " من کنت مولاہ " میں اللہ تعالیٰ کی حجت کو اشارتاً ثابت کیا ہے صراحتاً نہیں کیا ۔

---

[1] کتاب احتجاج الطبرسی ، ص ۱۲۹ طبع قدیم ایران ، تحت احتجاجہ علیہ السلام علی زندیق جاء مستدلا علیہ بآی من القرآن ۔

مرض الوفات کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمات

۱:۔ واقعہ غدیر خم کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف واپس تشریف لائے ذوالحجہ کے اواخر اور محرم الحرام مدینہ شریف میں اقامت فرمائی اور پھر اواخر ماہ صفر المظفر ۱۱ھ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری کے بعض عوارض لاحق ہوئے۔ اس دوران نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض اوقات مرض کا غلبہ ہوجاتا تھا۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اقامت صلوٰۃ کے لئے تشریف لے جایا کرتے بعض دفعہ ضعف کی حالت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں تشریف لانے کے لئے دو آدمیوں کے سہارا دینے کی ضرورت ہوتی تو اس وقت سہارا دینے والوں میں ایک طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب رض ہوتے تھے اور دوسری جانب بعض دفعہ حضرت علی ابن ابی طالب رض سہارا دیئے ہوئے ہوتے تھے۔ اس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیماری کے دوران میں اس نوع کی اہم خدمات سرانجام دیں۔[1]

چنانچہ صحیح روایت میں ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجد من نفسہ خفۃ فخرج بین الرجلین احدھما العباس۔[2]

یعنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ (دوران مرض) میں اپنے وجود مبارک میں آرام محسوس فرماتے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم دو شخصوں کا سہارا لے کر مسجد کی طرف تشریف لے جاتے ان سہارا دینے والوں میں ایک حضرت عباس رض بن عبدالمطلب

---

[1] البدایہ لابن کثیر، ص ۲۳۵، ج خامس، تحت حالات مرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

[2] مسلم شریف، ص ۱۷۸، ج اوّل: استخلاف الامام اذا عرض لہ عرض الخ

ہوتے تھے۔

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ روایت بالا میں دوسرے شخص سہارا دینے والے بعض دفعہ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ ہوتے تھے اور بعض اوقات فضل بن عباس رضؓ یا اسامہ بن زید رضؓ ہوتے تھے [1]

ان واقعات میں مسلمانوں کے لئے عملاً تعلیم و تلقین تھی کہ بحالت مرض بھی نماز اور جماعت کا اہتمام اس قدر ضروری ہے۔

— ۲ —

مرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران خانہ نبوت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان وقتاً فوقتاً خدمات کی سرانجام دہی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس دوران ایک دفعہ خانہ اقدس سے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ باہر تشریف لائے تو لوگوں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے عرض کیا۔ اے ابوالحسن! نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج اقدس کیسا ہے؟ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ بحمد للہ مزاج شریف بہتر ہے اور طبع مبارک خیریت سے ہے۔

خرج علی بن ابی طالب من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجعہ الذی توفی فیہ فقال الناس یاابا الحسن! کیف اصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اصبح بحمد اللہ بارئا [2]

---

[1] (۱) شرح مسلم شریف للنووی، ج اوّل، ص ۱۷۸، تحت استخلاف الامام اذا عرض لہ عرض الخ

(۲) البدایہ، ج خامس، ص ۲۲۵۔ تحت حالات ابتداء مرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہاں سے اسلوب عیادت معلوم ہوا کہ مریض کے حق میں خیر کلمات کے ساتھ ہی عیادت کنندہ کو جواب دینا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

— ۳ —

سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر ملال سے کچھ قبل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ایک طبق (کاغذ) لاؤں جس میں ایسی چیز تحریر کی جائے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جناب صلعم کی امت گمراہ نہ ہو جائے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا مجھے خدشہ تھا اس بنا پر میں نے عرض کیا کہ آنجناب (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ارشاد فرمائیں میں سب سے (تحریر کرنے کی بجائے) محفوظ کر لوں گا اور نگاہ رکھوں گا۔ تو حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے (۱) نماز کے متعلق وصیت فرمائی اور (۲) زکوٰۃ کے متعلق اور (۳) غلاموں کے حق میں حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔

عن علی بن ابی طالب قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اٰتیہ بطبق یکتب فیہ مالا تضل امتہ من بعدہ قال فخشیت ان تفوتنی نفسہ قال قلت انی احفظ واعی۔ قال اوصی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وما ملکت ایمانکم [1]

---

[2] (حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱) البدایہ لابن کثیرؒ ج خامس، ص ۲۲۷- مرض الوفات کے حالات (بحوالہ بخاری شریف)

(۲) سیرت لابن ہشام، ج ثانی، ص ۶۵۴، تحت شبان العباسؓ وعلیؓ (تمریض رسول صلعم فی بیت عائشہ رضی اللہ عنہا)۔

(۳) مسند امام احمدؒ، ج اوّل، ص ۳۲۵، تحت مسندات ابن عباس رضؓ۔

[1] (۱) مسند امام احمدؒ، ج اوّل، ص ۹۰، تحت مسندات علی المرتضیٰ رضؓ۔

(۲) البدایہ لابن کثیرؒ: ج خامس، ص ۲۳۸، تحت فصل فی کیفیۃ احتضارہ ووفاتہ علیہ السلام۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

۱:۔ معلوم ہوا آخری ساعات تک جہاں ازواجِ مطہرات رض و دیگر صحابۂ کرام رض نے اس موقع کی خدمات سرانجام دیں اسی طرح حضرت علی رض بھی امورِ تیمارداری و خدمت گزاری میں مکمل طور پر شریک و شامل رہے ۔ یہ امور ان حضرات کے حق میں باعثِ صد اعزاز و اکرام ہیں اور حصولِ سعادتِ دارین کا ذریعہ ہیں۔

۲:۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لئے یہ وصیت متعدد محدثین کرام اور اہلِ سِیَر حضرات نے نقل کی ہے (جیسا کہ حاشیہ میں حوالہ دے دیا ہے)۔

۳:۔ اس موقعہ میں حافظ ابن کثیر رح نے وصیت خلافتِ علوی کے متعلق بعض امور ذکر کیے ہیں جو نہایت قابلِ توجہ ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جاہل شیعہ اور قصہ گو لوگ "خلافتِ علوی" کے متعلق جس وصیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں وہ خالص جھوٹ، بہتان اور افتراء عظیم ہے۔ اس چیز سے صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر خیانت کا الزام، وصیتِ نبوی صلعم کے نفاذ کو ترک کرنے اور اسے غیر کی طرف پھیر دینے کی "خطاءِ عظیم" کا صدور لازم آتا ہے۔ ہر مومن مسلمان اس بات کا یقین کامل رکھتا ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان پر یہ افتراء ہے۔ اور صریح باطل ہے۔ کیونکہ نصِ قرآنی اور اجماعِ سلف و خلف کے ذریعہ ثابت ہے کہ صحابۂ کرام رض خیر الخلق بعد الانبیاء تھے اور اس امت میں سے خیر القرون تھے۔

فلہٰذا ان حضرات سے اس نوع کی خیانت اور عدمِ اطاعتِ نبوی صلعم پائے جانے کی کوئی صورت نہیں۔

وکل مومن باللہ و رسولہ یتحقق ان دین الاسلام

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۳) طبقات ابن سعد ج ثانی، ص ۳۷، قسم ثانی۔ تحت ذکر الکتاب الذی اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...الخ

هو الحق يعلم بطلان هذا الافتراء لان الصحابة كانوا خير الخلق بعد الانبياء وهم خير قرون هذه الامة التي هي اشرف الامم بنص القرآن و اجماع السلف والخلف، في الدنيا و الآخرة و لله الحمد [1]

یہاں یہ بھی واضح کر دینا مناسب ہے کہ " واقعۂ قرطاس " جو احادیث میں مذکور ہے وہ اس سے قبل پیش آیا تھا۔ اور اس میں دوسرا مضمون تھا۔ یعنی خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ایماء کرنا مقصود تھا۔ اس کے بعد وصایا بالا فرمائی گئیں ان کا " مسئلہ خلافت " کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔

---

[1] البدایہ لابن کثیر رحمہ اللہ: ج سابع، ص ۲۲۴ - ۲۲۵ - تحت خلافۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دورِ سوم

عہدِ خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ایک گزارش

اس مقام میں اس چیز کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ہر سہ خلفاءِ کرام رضوان اللہ علیہم کے ایامِ خلافت میں امیر المومنین سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے متعلق واقعات ہم نے کتاب " رحماء بینھم " کے ہر سہ حصص میں اپنے اپنے مقام پر ذکر کر دیئے ہیں۔

پھر اس مقام میں ان واقعات میں سے چند ایک کا اعادہ اس بنا پر کیا جا رہا ہے کہ

۱۔ ممکن ہے ناظر کتاب ہذا کی نظر " رحماء بینھم " کے ان ہر سہ حصص پر نہ ہو اور وہ ان واقعات سے قبل ازیں مطلع نہ ہو۔ سو یہاں ان واقعات کا تسلسل کی خاطر اجمالاً ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

۲۔ علاوہ ازیں ناظرین کو اس بات پر بھی مطلع کرنا ہے کہ ان ہر سہ خلفاء رض کے عہد کے مندرجات میں کئی اہم ابحاث اور ضروری حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے جو قارئین کرام کے لئے نہایت نفع مند ہو سکتے ہیں۔ اور یہ قبل ازیں درج نہیں ہو سکے۔ فلہذا بعض مواد کا تکرار قابل اعتراض نہیں ہے۔

انتقالِ نبویؐ اور مسئلہ بیعت

وصالِ نبوی ص کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر ایک قسم کی دہشت اور حیرانی کا عالم طاری تھا۔ اور اس پریشانی اور اضطراب میں تمام حضرات متحیر اور سرگرداں تھے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے لئے طریق کار کیا ہوگا ؟ اس پریشانی میں اللہ تعالےٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو ایک خاص قسم کی راہ دکھائی ، ان کے وجدان کو سنوارا اور ان کے قلوب میں القاء کیا کہ پہلے سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام اور خلیفہ مقرر ہونا چاہیئے۔

علما۔ فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں دینی امور کے لئے جو مشورے کئے گئے ان میں سب سے پہلا مشورہ خلافت پر تھا جس پر اکابر صحابہ کرام رض باہم سر جوڑ کر بیٹھے۔

فاضل قرطبی لکھتے ہیں۔

" اوّل ماتشاور فیہ الصحابۃ الخلافۃ "[1]

اس مقام میں اکابر مہاجرین اور اکابر انصار کے درمیان بحث و تمحیث کے بعد سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کا اجتماعی فیصلہ ہوا۔ اور اکابر صحابہ کرام رض نے وہیں بیعت کر لی۔ اس موقعہ پر اگر کسی صاحب (مثلاً سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ) کی رائے اس فیصلہ کے خلاف ہوئی تھی تو اس نے رجوع کر کے صدیقی رض بیعت کی تائید کی[2] اور ایسا تفرد اجماع میں کبھی مخل نہیں ہوتا۔ النادر کالمعدوم پرانی مثل چلی آتی ہے۔

اس مسئلہ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے باقی اکابر صحابہ کرام رض کے فیصلہ کے ساتھ اتفاق کیا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔

جبر و اکراہ کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اجبار و اکراہ اور تقیہ وغیرہ اشیاء کا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف انتساب کرنا ان کے کمالِ ایمان اور شانِ اخلاص کے خلاف ہے۔ فلہٰذا یہ چیزیں درست نہیں۔

اکابر محدثین نے اس واقعہ کو اپنی تصانیف میں بے شمار مواقع میں درج کیا ہے۔ ذیل میں

---

[1] تفسیر قرطبی، ج ۱۶، ص ۳۷، تحت آیہ " وامرھم شوری بینھم "۔

[2] (۱) تاریخ ابن جریر طبری، ج ۳، ص ۲۱۰۔ تحت اخبار السقیفہ۔

(۲) تاریخ ابن خلدون، ص ۸۵۵، جلد ثانی، تحت خبر السقیفہ۔

(۳) سیرت حلبیہ، ص ۳۹۶، جلد سوم، تحت بعد از انتقالِ نبوی ص۔

چند ایک تصریحات اس مسئلہ کے لئے درج کی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کرام کو اطمینانِ قلبی ہو جائے۔

ابو نضرہ اپنے شیخ حضرت ابو سعید الخدری رض سے نقل کرتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (کی خلافت) پر جب صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجتماع اور اتفاق ہو گیا تو حضرت ابو بکر صدیق رض نے دریافت فرمایا کہ علی بن ابی طالب رض نظر نہیں آ رہے وہ کہاں ہیں ؟ تو چند افراد انصار میں سے حضرت علی رض کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو لے آئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رض نے حضرت علی رض سے دریافت فرمایا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں۔ کیا آپ مسلمانوں کے اتفاق میں انشقاق پیدا کرنا چاہتے ہیں ؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جواب میں کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ آپ عتاب اور سرزنش نہ کریں اپنا ہاتھ پھیلائیے۔ پس صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنا ہاتھ دراز کیا اور حضرت علی رض نے بیعت کی۔

قال (ابو سعید الخدری رض) لما اجتمع الناس علی ابی بکر رض فقال مالی لا اریٰ علیاً رض فذهب رجال من الانصار فجاءا به فقال له یا علی رض ! قلت ابن عم رسول الله صلی الله علیه وسلم وختن رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لا تثریب یا خلیفة رسول الله ص ابسط یدك فبسط یده فبایعه ..... الخ [1]

---

[1] (۱) کتاب السنة لامام احمد رح ؛ ص ۱۹۶ ؛ طبع مکہ مکرمہ۔

(۲) المستدرك للحاکم ؛ ج ثالث ؛ ص ۷۶ ، کتاب معرفة الصحابة۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیهقی رح ؛ ج ثامن ؛ ص ۱۴۳ ؛ باب قتال اهل البغی۔

(۴) البدایہ لابن کثیر رح ؛ ج ۵ ؛ ص ۲۴۹ ۔ تحت ذکر اعتراف سعد بن عبادہ .... یوم السقیفہ۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

تعجیل بیعت کی روایات

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے برضا و رغبت بیعت کرنے کا مسئلہ مندرجہ ذیل مقامات میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے [1]

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت اور حواشی میں درج شدہ حوالہ جات میں اس بات کی نہایت وضاحت آگئی ہے کہ علی بن ابی طالب رضنے اجبار و اکراہ کے بغیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اس موقع پر پہلے یا دوسرے دن بیعت کرلی تھی اور اس مسئلہ میں کوئی تنازعہ قائم نہیں ہوا تھا۔ اور یہ بیعتِ خلافت تھی۔

فائدہ جلیلہ حافظ ابن کثیر رہ نے " البدایہ " میں ایک فائدہ جلیلہ ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا تعجیلاً بیعت کرلینا برحق ہے (بیعت میں تاخیر نہیں ہوئی تھی) اس پر قرائن موجود ہیں۔ مثلاً

۱:۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کسی وقت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جدا نہیں ہوئے تھے۔

۲:۔ اور کسی وقت کی نماز صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جدا ہوکر ادا نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی ایک نماز کے وقت ان سے الگ رہے۔

۳:۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب اہل الردۃ کے قتال کے لئے تیغ برہنہ لے کر نکلے تھے تو حضرت علی رض ان کے ہمراہ تھے۔

---

(۵) (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ البدایہ لابن کثیر رہ، ج سادس، ص ۳۰۲، تحت خلافت ابی بکر الصدیق رض الخ

[1] (۱) طبقات ابن سعد، ج ثالث، ص ۱۳۰، تحت ذکر بیعت ابی بکر رض (طبع لیدن)

(۲) المستدرک للحاکم، ج ثالث، ص ۶۶، تحت کتاب معرفۃ الصحابہ رض

(۳) المصنف لعبد الرزاق، ج خامس، ص ۴۵۰، تحت بیعت ابی بکر رض

(۴) المصنف لابن ابی شیبہ، ج ۱۳، ص ۵۰، ۵۱، کتاب التاریخ (طبع کراچی)

۷۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہمیشہ خیرخواہی اور نصیحت کے ساتھ پیش آتے رہے اور ہر مشورہ میں شریک کار اور ہمنوا رہے۔

وفیہ " فائدہ جلیلۃ " وھی مبایعۃ علی بن ابی طالب رض اما فی اوّل الیوم او فی الیوم الثانی من الوفاۃ وھذا حق فان علی بن ابی طالب رض لم یفارق الصدیق رض فی وقت من الاوقات ، ولم ینقطع فی صلاۃ من الصلوٰۃ خلفہ کما سنذکرہ وخرج معہ الی ذی القصۃ لما خرج الصدیق رض شاھرا سیفہ . یرید قتال اھل الردۃ۔[1]

...... وبذلہ لہ النصیحۃ المشورۃ بین یدیہ ۔[2]

حاصل یہ کہ مذکورہ امور پر غور کرنے سے تعجیل بیعت کا مسئلہ واضح طور پر ثابت ہے۔

نیز جناب صدیق اکبر رض کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رض کی تعجیلاً بیعت کا بیان ہم کتاب "رحماء بینہم" حصہ صدیقی باب دوم میں تفصیل سے کر آئے ہیں۔ اور وہاں شش ماہی تاخیر کا جواب بھی مدلل لکھا گیا ہے۔ اگر تفصیل مطلوب ہو تو وہاں رجوع فرمائیں۔ تاہم بقدر ضرورت ناظرین کرام کے افادہ کے لئے تاخیر بیعت کی روایت کا جواب یہاں بھی پیش خدمت ہے۔ یہاں محدث زہری کے لئے ایک مزید حوالہ بھی پیش کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اہل تحقیق حضرات اسے پسند فرمائیں گے۔

---

[1] البدایہ ، ج خامس ، ص ۲۴۹ ، تحت ذکر اعتراف سعد بن عبادۃ رض بصحۃ ما قالہ الصدیق یوم السقیفہ۔

[2] البدایہ لابن کثیر رح ، ص ۳۰۲ ، جلد سادس ، تحت خلافت ابی بکر صدیق رض وما کان من الحوادث ۔

تاخیرِ بیعت کی روایت کا جواب

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ششماہ کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی تھی۔ اس کے متعلق کبار علمائے فن نے ایک تحقیق درج کی ہے۔ اس پر نظر کرنے سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔

حقیقت میں بیعت کا یہ واقعہ سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہاں اصل روایت میں راوی کی طرف سے متعدد اضافے ہیں۔ ان اضافہ شدہ چیزوں میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی۔

فن حدیث کے علماء نے اس مسئلہ کی تمام روایات پر نظر کرنے کے بعد یہ تحقیق فرمائی ہے کہ "بیعت کرنے میں ششماہی تاخیر" کے کلمات "ابن شہاب زہری" راوی کی جانب سے ادراج شدہ ہیں۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام نہیں ہے۔ راوی مذکور نے اسی چیز کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والے قصے میں درج کر دیا ہے۔ یہ راوی کا اپنا ظن اور گمان اور حقیقت کے برخلاف ہے اور اس چیز پر قرائن موجود ہیں۔

۱:۔ ایک قرینہ تو یہ ہے کہ روایت ہذا کے دیگر ناقلین ان کلمات کو بالکل ذکر نہیں کرتے صرف ابن شہاب زہری یہ قول نقل کرتے ہیں۔ یہ ان کا منفرد قول ہے جو دوسروں پر حجت نہیں بن سکتا۔

۲:۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ ششماہی تاخیر والی روایت ابن شہاب زہری نے عروہ بن زبیرؓ سے نقل کی ہے اور عروہؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کی ہے اور عروہؓ کے فرزند ہشام بن عروہ ؒ ابن شہاب زہری کے حق میں ایک عجیب انکشاف کرتے ہیں جس کے پیشِ نظر مسئلہ خوب واضح ہو جاتا ہے۔

وہ یہ کہ ہشام کہتے ہیں کہ ابن شہاب زہری میرے والد سے جب کوئی مفصل اور طویل روایت نقل کرتے ہیں تو اس میں اپنی جانب سے بعض اوقات کمی بیشی کر دیا کرتے تھے۔

عن ہشام بن عروہ قال ما حدث ابن شہاب عن ابی (عروۃ) بحدیث فیہ طول الا زاد فیہ او نقص " [1]

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ روایت ہذا میں کمی بیشی کی گئی ہے۔ اور یہ تصرف یا ادراج زہری کی طرف سے ہے۔ اصل واقعہ جو صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے اس میں یہ چیز مذکور نہیں ہے۔

۳:۔ سوم یہ کہ علامہ بیہقی رہ نے اپنی کتاب " الاعتقاد " میں یہی تحقیق درج کی ہے کہ "شش ماہی تاخیر" کا قول حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نہیں ہے۔ بلکہ زہری کا قول ہے جسے رواۃ نے حضرت عائشہ رض کی روایت سمجھ لیا ہے جو حضرت فاطمہ رض کے واقعہ میں مذکور ہے۔ بیہقی رح کی بعینہٖ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

" والذی روی ان علیاً رضی اللہ عنہ لم یبایع ابابکر رضی اللہ عنہ ستۃ اشہر لیس من قول عائشۃ رضی اللہ عنہا انما ھو قول الزھری فادرجہ بعض الرواۃ فی الحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا فی قصۃ فاطمۃ رضی اللہ عنہا وحفظہ معمر بن راشد فرواہ مفصلا و جعلہ من قول الزھری منقطعا من الحدیث و قد روینا فی الحدیث الموصول عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ و من تابعہ من اہل المغازی ان علیا ·

---

[1] کتاب الزھری، ص ۱۵۷، طبع اول بیروت، ماخوذ از تاریخ ابن عساکر۔

رضی اللہ عنہ بایعہ فی بیعۃ العامۃ بعد البیعۃ التی
جرت فی لسقیفۃ "[1]

ان سابق علماء کے بیانات کی روشنی میں مسئلہ صاف ہوگیا ہے کہ بیعت میں کوئی تاخیر نہیں ہوئی تھی ایک دو روز کے اندر اندر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ تاخیر بیعت کا مسئلہ صحیح نہیں ہے۔ یہ راویوں کی طرف سے روایت میں ادراج ہے جو قابل قبول نہیں۔

شیعہ کتب میں بیعت کا ثبوت

شیعہ دوستوں نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بیعت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ اپنی کتابوں میں بے شمار مقامات میں ذکر کی ہے۔ صرف اتنی چیز کا اپنی طرف سے اضافہ فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ سے بیعت جبراً و قہراً لی گئی تھی اور حضرت علیؓ نے بطور تقیہ کے بیعت کی تھی۔ ذیل میں چند ایک حوالہ جات بطور نمونہ ذکر کئے جاتے ہیں۔ تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں۔

۱۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ کی حمایت کرنے والے لوگوں نے ابوبکر رضؓ کی بیعت سے انکار کیا تھا حتیٰ کہ امیر المومنین علی رضؓ کو مجبور کر کے لائے تو انہوں نے (ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کی بیعت کی تب ان لوگوں نے بھی بیعت کی۔

---

[1] الاعتقاد علی مذہب السلف للبیہقی رح ، ص ۱۸۰ ، طبع مصر ، و ص ۳۵۲ ، طبع بیروت۔ (باب اجتماع المسلمین علی بیعۃ ابی بکر الصدیق رضؓ)۔ علامہ بیہقی رح کی تائید اس مسئلہ میں مندرجہ ذیل علماء نے کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (۱) فتح الباری لابن حجرؒ ، ج سابع ، ص ۳۹۹ - آخر غزوہ خیبر۔
(۲) ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی رح ، ج ہشتم ، ص ۱۵۸ - آخر غزوہ خیبر۔

وابوان یبایعوا حتی جاءوا بامیر المومنین علیہ السلام مکرھًا فبایع[1]

۲ ۔ پھر امام محمد باقر رحمۃ اللہ کی روایت ہے کہ جب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ شریف میں واپس آگئے اور دیکھا کہ بیعت کے لئے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لوگ جمع ہوچکے ہیں تو اسامہ رض حضرت علی رض کے پاس گئے اور دریافت کیا کہ کیا بات ہے ؟ تو حضرت علی رض نے فرمایا کہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں وہی ہے ۔ پھر اسامہ رض نے پوچھا کہ آپ نے ابوبکر رض سے بیعت کر لی ہے ؟ حضرت علی رض نے فرمایا کہ ہاں کرلی ہے ۔

فلما وردت الکتاب علی اسامۃ رضی اللہ تعالی عنہ انصرف بمن معہ حتی دخل المدینۃ فلما رأی اجتماع الخلق علی ابی بکر انطلق الی علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ فقال ما ھذا ؟ قال لہ علی رض ھذا ماتری۔ قال اسامۃ رض فھل بایعتہ ؟ فقال نعم[2]

بیعت میں تعجیل ہے تاخیر نہیں

احتجاج للطبرسی شیعی میں مذکورہ بالا واقعہ امام محمد باقر رح سے اس طرح منقول ہے کہ

---

[1] (۱) فروع کافی ، ج ثالث ، ص ۱۱۵ ، کتاب الروضہ ، طبع نولکشور لکھنؤ ۔

(۲) کتاب الروضہ من الکافی ، ج ثانی ، ص ۸۵ ، طبع جدید تہران بمعہ شرح فارسی ۔

(۳) رجال کشی ، از ابوعمرو کشی ، ص ۴ ، مطبوعہ بمبئی ۔

" " " ص ۱۲ ، مطبوعہ تہران ۔ تذکرہ سلمان فارسی رض ۔

[2] احتجاج للطبرسی ، ص ۵۰ ، مطبوعہ مشہد عراق (۱۳۰۲ ھ)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ کی بیعت خلافت ایک دو روز کے اندر تعجیلاً ہوئی تھی اس میں شش ماہی تاخیر نہیں ہوئی تھی۔

وجہ یہ ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰے عنہ جب قتال کے لئے امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت روانہ ہوئے تھے تو اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ شریف کے باہر ٹھہر گئے تھے اس دوران میں سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض کی کیفیت شدید ہوگئی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ تو وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع پہنچنے پر اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰے عنہ اپنے ساتھیوں سمیت واپس آگئے۔ اور حضرت علی رضؓ کے پاس حاضر ہوکر بیعتِ صدیق رضؓ کا معاملہ دریافت کیا۔ حضرت علی رضؓ نے اثبات میں جواب دے کر واضح کردیا کہ میں نے بیعت کرلی ہے آپ بھی ان سے بیعت کرلیں۔ یہ تمام واقعہ دو تین دن کے اندر کا ہے اس میں کچھ مزید تاخیر نہیں ہوئی تھی۔ فلہٰذا اس روایت سے تعجیلِ بیعت کا مسئلہ کلیتہً حل ہوجاتا ہے۔

تنبیہ:۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ کی بیعت کا مسئلہ ہم نے اپنی کتاب "رحماء بینہم" حصہ صدیقی کے باب دوم ص ۲۴۸ تا ص ۲۶۲ میں تفصیلاً درج کردیا ہے۔ بقایا شیعی حوالہ جات کے لئے وہاں رجوع فرمالیں۔

انتقالِ نبوی ص کے بعد کے حالات

صدیقی رض ہدایات اور مرتضوی رض خدمات

سردارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور خلافت کا مسئلہ سب سے اوّل تھا اور اس کے ساتھ امت کے دینی مصالح اور منافع وابستہ تھے۔ قوم کو بنیادی انتشار و افتراق سے محفوظ رکھنا اہم الامور تھا۔ اس بناء پر حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسئلہ انتخاب کو سب سے مقدم رکھا۔ اور حضرت صدیق اکبر رض کے حق میں اجتماعی فیصلہ صادر فرمایا۔ قدرت کی طرف سے یہ اتفاقی مسئلہ تھا جسے صحابۂ کرام رض نے نہایت عمدہ اسلوب سے بہت جلدی طے کیا۔ خلیفہ کے انتخاب کے بعد پیش آمدہ مسائل و معاملات میں کسی مرحلہ پر کوئی اشکال پیش نہیں آیا۔

غسل

چنانچہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے غسل نبوی ص کے متعلق حضرت صدیق اکبر رض سے ہدایت طلب کی تو حضرت صدیق اکبر رض نے فرمایا۔

" ان یغسلہ بنو ابیہ[1] "

یعنی آپ کو غسل آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی خاندان والے اور اقرباء دیں۔

چنانچہ غسل دینے میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء حضرت عباس بن عبد المطلب حضرت علی ابن طالب، الفضل بن عباس، قثم بن عباس، آزاد شدہ غلام اسامہ بن زید اور ابو صالح (غلام نبوی صلعم) (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) شریک ہوئے۔ جب یہ حضرات آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کے لئے تیار ہوئے تو ایک بزرگ انصاری اوس

---

[1] شمائل ترمذی: ص ۲۸ و ۲۹ طبع مجتبائی دہلی، باب ماجاء فی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بن خولی) نے ندا دی کہ لے علی بن ابی طالب رضؓ ہم آپ کو قسم دیتے ہیں کہ اس فضیلت میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہیئے۔ آپ ہمیں بھی اس سعادت میں شریک کریں۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اسے اس کارِ خیر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی اور وہ شریکِ غسل ہوئے۔

غسل کی کیفیت اس طرح تھی کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیص مبارک کو اتارا نہیں گیا اور عدمِ تجردِ ثیاب کی کیفیت میں ہی غسل دیا گیا۔ اسامہ بن زیدؓ اور ابوصالح رضؓ پانی لاتے اور حضرت علی المرتضیٰ رضؓ غسل دیتے تھے [1]

کفن

غسلِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فراغت کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کو دو سفید اور ایک سرخ چادر میں کفن دیا گیا۔ اور خوشبو استعمال کی گئی [2]

جنازہ

اس کے بعد جنازہ نبوی صلعم کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر نمازِ جنازہ کے لئے کوئی امام نہیں ہو گا۔ ایک جماعت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں داخل ہو کر تکبیر کہیں درود وصلوٰۃ کہیں اور دعا کے کلمات کہہ کر حجرۂ نبوی صلعم سے باہر آجائیں۔ پھر دوسری جماعت داخل ہو اور وہ بھی اسی طرح کلمات ادا کر کے حجرۂ مبارک سے باہر آجائیں۔ حتیٰ کہ تمام لوگ اسی کیفیت میں

---

[1] (۱) البدایہ، ج خامس، ص ۲۶۰۔ تحت غسلہ علیہ السلام۔

(۲) سیرۃ لابن ہشام، ج ثانی، ص ۶۶۲، تحت من تولیٰ غسل الرسول ص۔

(۳) الاصابہ، ج ۱، ص ۹۶، تحت اوس ــــــ بن خولی۔

[2] (۱) البدایہ، ج خامس، ص ۲۶۴، تحت صفۃ کفنہ علیہ السلام۔

(۲) سیرۃ لابن ھشام، ج ثانی، ص ۶۶۳، تحت تکفین الرسول صلعم۔

جنازہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ادا کریں ؎۱

چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ہدایات کے مطابق پہلے مرد مہاجرین و انصار وغیرہم پھر عورتیں، پھر لڑکے اور پھر غلام سب نے بغیر امام صلوۃ جنازہ ادا کی۔ ؎۲

جنازہ نبوی صلعم کا یہ طریق خصوصیات نبوی میں سے ہے باقی امت کے لئے یہ حکم نہیں۔ یہاں یہ چیز قابل وضاحت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں مدینہ طیبہ میں جو صحابہ کرام رض (مہاجرین و انصار وغیرہ موجود تھے۔ ہاشمیوں سمیت وہ تمام حضرات جنازہ میں شامل و شریک ہوئے تھے۔ یہاں ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہم عنقریب اس کا حل پیش کریں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

دفن

ان مراحل کے بعد مسئلہ پیش آیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو کس مقام میں دفن کیا جائے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ۔

"جس مقام میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے آپ وہیں مدفون ہوں گے" ؎۳

چنانچہ دفن نبوی صلعم کے سلسلہ میں اصحاب سیرت نے ذکر کیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے لئے سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ قبر مبارک میں داخل ہوئے۔ اور فضل بن عباس، قثم بن عباس، شقران (غلام نبوی صلعم) رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے دفن نبوی میں ان کی معاونت کی ؎۴

؎۱ شمائل ترمذی: ص ۲۸ و ۲۹، طبع مجتبائی دہلی: باب ماجاء فی وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

؎۲ (۱) البدایہ لابن کثیرؒ: ج خامس، ص ۲۶۵، ۲۶۷، تحت کیفیۃ صلوۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) سیرت لابن ہشام، ج ثانی، ص ۶۶۳، تحت دفن الرسول وصلوۃ علیہ۔

؎۳ شمائل ترمذی، ص ۲۸ و ۲۹، طبع مجتبائی دہلی: باب ماجاء فی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک حضرت صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حجرہ میں بنایا گیا جو تا قیامت اہل اسلام کے لیئے مرجع زیارت اور منبع فیوض و برکات ہے۔

ایک اشتباہ

اس مقام میں مخالفین صحابہ کرام رض کی جانب سے ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے اعتراض یہ ہے کہ بعض روایات میں پایا گیا ہے کہ شیخین حضرات (سیدنا حضرت صدیق و سیدنا حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہما) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں حاضر نہیں ہوئے تھے (سقیفہ بنی ساعدہ) مرکز انصار میں چلے گئے تھے۔ ان کی واپسی سے قبل آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن ہو گیا تھا۔ (گویا یہ لوگ غسل، جنازہ، کفن اور دفن میں شریک نہ ہوئے)۔ اور حضرت علی رض نے یہ سب امور سرانجام دیئے۔

اس چیز کو معترض لوگوں نے بڑی رنگ آمیزی کر کے نہایت آب وتاب کے ساتھ نشر کیا ہے اور امت کے سربرآوردہ حضرات کے حق میں بدظنی پھیلائی ہے۔

رفع اشتباہ

جس روایت سے یہ طعن اخذ کیا گیا ہے وہ کوئی صحاح کی روایت نہیں ہے بلکہ ایسی کتب کی روایت ہے جن میں ہر قسم کی روایات صحیح، سقیم، قوی اور ضعیف فراہم کی گئی ہیں۔

؎۵ (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱) البدایہ لابن کثیر رح، ج خامس، ص ۲۶۷-۲۶۹ - تحت صفۃ صلاتہ ودفنہ علیہ السلام

(۲) سیرت لابن ہشام، ج ثانی، ص ۶۶۴، تحت من تولی دفن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) الاصابہ لابن حجر رح، ج اول، ص ۹۲، تحت (۳۳۳) اوس بن خولی رض (انصاری)۔

تاہم فن حدیث کے اعتبار سے اس روایت کا مرتبہ یہ ہے کہ یہ سنداً منقطع ہے اور متناً شاذ ہے۔ اس کی مختصر سی وضاحت پیش خدمت ہے۔

وجہ انقطاع یہ روایت عروہ بن زبیر سے منقول ہے۔ اور عروہ بن زبیر اس واقعہ (انتقالِ نبوی ص) میں موجود نہیں ہیں۔ ان کی ولادت اواخر خلافتِ فاروقی یا اوائل خلافتِ عثمانی یعنی اس واقعہ سے کم و بیش بارہ سال بعد ہوئی[1] فلہذا ناقل واقعہ ہذا موقع پر موجود نہیں کسی دیگر شخص نے ان سے یہ روایت بیان کی ہے۔

وجہ شذوذ اور وجہ شذوذ یہ ہے کہ باقی معروف روایات میں شیخین رض (سیدنا حضرت صدیق اکبر اور سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہما) خصوصاً صدیق اکبر رض کا ان مواقع میں موجود ہونا یقینی طور پر مذکور ہے۔ غسل کے حالات ہوں یا جنازہ اور دفن کے ہوں ان تمام مواقع میں سیدنا حضرت صدیق اکبر رض موجود رہے اور حضرت عمر رض بھی موجود رہے۔ بلکہ امام ترمذی رح کی شمائل میں مضمون بالا بڑی وضاحت سے ذکر کیا گیا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تصدیق اور ہدایت کے موافق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا اور پھر اس کے بعد ان کی ہدایت کے مطابق صلوٰۃ جنازہ بنی ہاشم سمیت تمام اہل مدینہ نے ادا کی اور پھر حجرۂ صدیقہ رض میں دفن کا انتظام کیا گیا (اور یہ سب احوال سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماعی بیعتِ صدیق رض کے بعد وقوع پذیر ہوئے) ان مسائل میں معروف روایات بے شمار اور کثیر ہیں۔ جو سنداً متصل اور متناً معروف ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ان میں سے چند ایک کا حوالہ حاشیہ[2] میں دیا گیا ہے

---

[1] (۱) تذکرۃ الحفاظ للذہبی رح ، ج اول ، ص ۹۵ ، تحت عروہ بن زبیر۔

(۲) تہذیب التہذیب ، ص ۱۸۳ و ۱۸۴ ، ج سابع ، تحت عروہ بن زبیر۔

[2] (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

تاکہ اہل علم رجوع فرما کر اطمینان حاصل کرلیں ۔

ان معروف و متصل روایات کی روشنی میں یہ امر واضح ہو گیا کہ معترض کی پیش کردہ روایت شاذ روایت ہے ۔ اور شاذ روایت کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ۔

الثقۃ اذا شذ لا تقبل ما شذ فیہ [1]

۲ :۔ نیز روایات مذکورہ بالا میں عروہ بن زبیرؒ کا ایسا قول ہے جس کی متابعت دیگر رواۃ (صحابۂ کرام رض اور تابعین رح) کی طرف سے نہیں پائی گئی ۔ اس بنا پر یہ قول غیر مقبول ہے۔ ("ھذا قول لا تتابع علیہ")۔

الزامیات

پیش کردہ روایت کا جواب ہم نے قواعد کے مطابق اپنی کتابوں سے پیش کر دیا ہے ۔ اس کے بعد ہم علی سبیل التنزل شیعہ کی معتبر کتب سے بھی ان اکابر حضرات (سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہما) کا ان مواقع میں شامل و شریک ہونا ذکر کرتے ہیں ۔ اور جنازہ نبوی صلعم میں تمام مہاجرین و انصار حضرات کی شمولیت و شرکت پیش کی جاتی ہے ۔ ان میں شیخین حضرات رض

ہ (حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱) شمائل ترمذی، ص ۲۸ و ۲۹ ۔ طبع مجتبائی دہلی، باب ماجاء فی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) سیرت لابن ہشام، ج ۲، ص ۶۶۳، تحت باب جہاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دفنہ۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۳، ص ۳۹۵، کتاب الجنائز باب من یکون اولی بغسل میت۔

(۴) البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۲۶۵ ۔ تحت کیفیۃ الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵) السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۴، ص ۳۰ ۔ کتاب الجنائز یصلون علی الجنازۃ افذاذاً۔

(۶) التبصیر فی الدین لابن ابی المظفر الاسفرائنی، ص ۲۵ و ۲۶، تحت الباب الاول، طبع مصر۔

(۷) السنن لابن ماجہ، ص ۱۱۸، طبع دہلی، باب ذکر وفاتہ و دفنہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[1] (حاشیہ صفحہ ہذا) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج سادس، ص ۳۲۸، طبع ملتان، تحت روایت فاطمہ بنت قیس

بھی داخل ہیں۔

۱۔ شیعہ کتب کے سب سے قدیم سلیم بن قیس الہلالی العامری الکوفی (یہ شیعہ کے ہاں حضرت علی رضہ کے صحابی ہیں) اپنی کتاب "سلیم بن قیس" میں ذکر کرتے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر حضرت علی رضہ نے دس دس مہاجرین اور دس دس انصار کی جماعتوں کو صلوٰۃ جنازہ کے لئے داخل فرمایا جو (حجرہ شریفیہ میں) داخل ہو کر دعا کرتے تھے پھر خارج ہو جاتے تھے اس طرح سب موجود مہاجرین اور انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ ادا کی حتیٰ کہ ان میں سے ایک فرد بھی نہ رہا جس نے آنجناب پر صلوٰۃ جنازہ ادا نہ کی ہو۔

ثم ادخل عشرة من المهاجرين وعشرة من الانصار فكانوا يدخلون ويدعون ويخرجون حتى لم يبق احد شهد من المهاجرين والانصار الا صلى عليه۔ [1]

۲۔ اصول کافی میں ہے۔

عن ابی جعفر (محمد باقر) قال لما قبض النبی صلی الله علیه وسلم صلت علیه الملئکة والمهاجرین والانصار فوجا فوجا۔ [2]

یعنی امام محمد باقر رضہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقبوض ہوئے تو آپ پر تمام ملائکہ تمام مہاجرین اور تمام انصار نے فوج در فوج (جماعت بعد جماعت)

---

[1] کتاب سلیم بن قیس، ص ۷۰، طبع اوّل مطبوعہ نجف اشرف، تحت حالات انتقال نبوی صلعم۔

[2] اصول کافی، ص ۲۸۶، طبع لکشنؤ، تحت ابواب التاریخ، باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ و وفاتہ۔

صلوٰۃ جنازہ ادا کی۔"

۳ :- "احتجاج" طبرسی میں ہے کہ۔

ثم ادخل عشرة من المهاجرين وعشرة من الانصار فيصلون ويخرجون حتى لم يبق من المهاجرين والانصار الا صلى عليه۔ [1]

یعنی (حضرت علی رضؓ) نے دس دس مہاجرینؓ اور دس دس انصارؓ کو (حجرہ شریفہ میں) داخل کیا جو نماز جنازہ ادا کرتے تھے اور (حجرہ شریفہ سے) باہر آجاتے تھے۔ حتی کہ مہاجرین و انصار میں سے ایک بھی فرد باقی نہ رہا جس نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز ادا نہ کی ہو۔"

۴ :- "حیات القلوب" میں ملا باقر مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ۔

" شیخ طبرسی از امام محمد باقرؒ روایت کردہ است کہ دہ دہ نفر داخل مے شوند و چنیں بر آں حضرت نمازے کردند بے امام در روز دوشنبہ و شب سہ شنبہ تا صبح و روز سہ شنبہ تا شام۔ تا آنکہ خورد و بزرگ مرد و زن از اہل مدینہ و اہل اطراف مدینہ ہمہ بر آنجناب ص چنیں نماز کردند۔ [2]

یعنی امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں (جنازہ نبوی ص کی صورت یہ کی گئی) کہ دس دس افراد نماز جنازہ کے لئے حجرہ میں داخل ہوں اور بغیر امام کے نماز ادا کریں۔ سوموار کے روز اور منگل کی شب صبح تک اور منگل تمام روز شام تک یہ

---

[1] "احتجاج" طبرسی، ص ۴۵، طبع قدیم ایران، تحت بحث وفات نبویؐ بروایت سلیم بن قیس الہلالی۔

[2] حیات القلوب، از ملا باقر مجلسیؒ، ج دوم، ص ۸۶۶ : باب شصت و چہارم، طبع لکھنؤ۔

سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بڑے مرد و عورت اہل مدینہ و اہل اطرافِ مدینہ تمام لوگوں نے آپ کی اسی طرح نماز جنازہ ادا کی۔"

مسئلہ ہذا کے لیے حوالہ جات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ ان میں سے چند روایات نقل کی گئی ہیں جو شیعوں کے نزدیک ان کے ائمہ کرام کی معتبر روایات ہیں۔ ان میں واضح طور پر یہ مسئلہ آگیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ جنازہ تمام مہاجرین اور تمام انصار نے جماعت بعد جماعت بغیر امام ادا کی اور اسی طرح تمام اہلِ مدینہ و اطرافِ مدینہ نے بھی نماز جنازہ کا فریضہ ادا کیا۔

ان مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت عثمان غنی رضؓ بھی شامل ہیں اور اہل مدینہ میں داخل ہیں۔ فلہٰذا ان حضرات میں سے کوئی ایک فرد بھی شمول صلوٰۃ جنازہ سے باقی نہیں رہا۔ بلکہ یہ سب حضرات شامل ہوئے۔

معترض دوستوں نے جو روایت عدمِ شمولیتِ جنازہ و دفن نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ پیش کی ہے وہ شیعہ سنی دونوں فریق کی مرویات کے خلاف ہے۔ اور فنی لحاظ سے شاذ ہے اور جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ الثقة اذا شذ لا يقبل ما شذ فيه [1] یعنی فن حدیث کا قاعدہ ہے کہ شاذ روایت معروف مرویات کی موجودگی میں قابل قبول نہ ہوگی۔

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف ... تحت مرویات فاطمہ بنت قیس، طبع ملتان۔

خلافت صدیقی رضؓ اور سیدنا علی رضؓ

صلوٰۃ خلف ابی بکر رضؓ

صدیقی رضؓ دورِ خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کردار خلیفۂ وقت کے ساتھ نہایت مخلصانہ تھا۔

اور آپ کے شب و روز کی زندگی بالکل آزادانہ اور واضح تھی۔

ارکانِ اسلام میں سے نماز افضل ترین رکن ہے۔ اس کو آنجناب مدینہ شریف میں دیگر صحابہ کرام رضؓ کے ہمراہ صدیق اکبر رضؓ کی اقتدار میں مسجد نبوی میں ادا فرمایا کرتے تھے اور یہ امر طرفین کے نزدیک مسلّمات میں سے ہے کوئی مختلف فیہ امر نہیں ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی "شانِ دیانت" اور "شانِ صداقت" کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ آپ اپنی نمازِ پنجگانہ جماعت کثیرہ کے ساتھ خلیفۂ اسلام کے خلف میں ادا فرمائیں۔ اور اسلام کے اس اہم حکم کو اجتماعی شکل میں پورا کر کے امت کے لئے نمونہ قائم رکھیں۔

اس مسئلہ پر صرف معترضین کی معتبر کتب میں سے چند ایک حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔ ان مقامات میں مسئلہ ہذا صاف طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

۱:۔ "کتاب سلیم بن قیس" میں مروی ہے کہ

کان علی علیہ السلام یصلی فی المسجد الصلوات الخمس [1]

یعنی حضرت علی رضؓ پنجگانہ نمازیں مسجد نبوی میں ادا فرماتے تھے۔

۲:۔ باجماعت نماز ادا کرنے کا یہ مسئلہ "احتجاج طبرسی" میں اس طرح مذکور ہے

قام و تہیأ للصلوٰۃ وحضر المسجد وصلی خلف

---

[1] "کتاب سلیم بن قیس الہلالی" ص ۲۲۴۔ تحت حالات بعد از انتقال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ابی بکر رضؓ [1]

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کے لئے تیاری فرمائی اور مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر (صدیق رضؓ) کے پیچھے نماز ادا کی۔"

اس مسئلہ میں کثیر حوالہ جات موجود ہیں جن میں سے بعض ہم نے " رحماء بینہم " حصہ صدیقی باب دوم : ص ۲۶۴ تا ص ۲۶۹ ذکر کئے ہیں۔ قارئین حسب ضرورت وہاں رجوع فرما سکتے ہیں۔

مرکزِ اسلام کی نگرانی اور حضرت علی رضؓ کا کردار

عہد خلافت صدیقی کے ابتدائی دور میں مختلف نو مسلم قبائل اسلام سے برگشتہ ہونے لگے۔ چنانچہ " بنو حنیفہ " مسیلمہ کذاب کی طرف رجوع کرنے لگے اور طلیحہ اسدی کی متابعت میں " بنو اسد " اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے علاوہ اطراف مدینہ میں متعدد جدید الاسلام قبائل اسلام سے منحرف ہونے لگے۔ اس طرح حالات نے شدت اختیار کر لی اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ باطل قوتیں مرکز اسلام پر کہیں یورش نہ کر دیں۔

ان مراحل میں حضرت علی رضؓ نے خلیفۂ اسلام کے ساتھ دست تعاون دراز رکھا۔ جب خلیفۂ اول نے مرکز اسلام " مدینہ طیبہ " کے لئے حفاظتی تدابیر اختیار کیں اور مدینہ طیبہ کے اہم مقامات اور گزرگاہوں پر نگران دستے مقرر کئے جو شب و روز نگرانی کے فرائض سرانجام دیتے تھے تو ان حفاظتی دستوں کے امیر اور والی حضرت علی المرتضیٰ رضؓ، زبیر بن عوام طلحہ بن عبید اللہ رضؓ، سعد بن ابی وقاص رضؓ، عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ، اور عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جیسے کبار صحابہ کرام رضؓ کو مقرر فرمایا۔ اور یہ حضرات حالات کے معمول

---

[1] احتجاج طبرسی : ص ۵۳ طبع قدیم ؛ بحث احتجاج امیر المومنین علی رضؓ علی ابی بکر رضؓ و عمر رضؓ۔

پر آپ نے تک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

فجعل الصدیق علی انقاب المدینۃ حراسا یبیتون بالجیوش حولھا فمن امراء الحرس علی بن ابی طالب و الزبیر بن العوام وطلحۃ بن عبیداللہ و سعد بن ابی وقاص و عبد الرحمٰن بن عوف و عبد اللہ بن مسعودؓ (رضی اللہ عنہم)۔

اسی مضمون کو شیعہ علماء نے بھی اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "شرح نہج البلاغۃ" لابن ابی الحدید الشیعی، ج رابع، ص ۲۸۸، طبع تبریز۔

وادی ذی القصہ کی طرف اقدام اور خلیفہ اوّل سے حضرت علیؓ کا تعاون

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جب اعراب (جنگلی قبائل) کے ساتھ قتال کی ضرورت پیش آئی اور حالات نے بتلایا کہ ان اعراب کے ساتھ فی الوقت قتال کرنا ضروری ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ صحابہ کو ساتھ لے کر بنفسِ نفیس اپنی ناقہ پر سوار ہو کر تیغ برہنہ لئے ہوئے مدینہ شریف سے نکل پڑے یہ وادی ذوالقصہ کی طرف ایک اہم اقدام تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی سواری کی باگ تھام لی اور کہنے لگے اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں آپ کو وہی بات یاد دلاتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دن فرمائی تھی۔ آپ اپنی تلوار کو نیام میں کریں اور اپنی ذات کے متعلق ہمیں کسی پریشانی میں نہ ڈالیں۔ اللہ کی قسم! اگر ہمیں آپ

لہ (۱) البدایہ لابن کثیر ج سادس، ص ۳۱۱۔ فصل فی تصدی الصدیق لقتال اہل الردۃ۔

(۲) تاریخ ابن خلدون مجلد ثانی، ص ۸۵۸۔ تحت عنوان الخلافۃ الاسلامیہ، طبع بیروت۔

کی ذات کے متعلق کوئی مصیبت پہنچی تو آپ کے بعد اسلام کے کوئی صحیح نظم قائم نہیں رہ سکے گا۔

حضرت علی رضؓ کی اس گزارش پر حضرت صدیق اکبر رضؓ واپس ہوئے اور دیگر لشکر کو جو آپ کے ہمراہ تھا ذوالقصہ کی طرف روانہ فرمادیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی معیّت میں ان مواقع میں اپنی طرف سے پورا پورا تعاون کیا اور خلیفۂ اوّل کے ساتھ نظم ونسق میں مکمل طور پر شریکِ کار رہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس مضمون کو ان الفاظ میں لکھا ہے۔

عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضؓ قالت خرج ابی شاھرا سیفہ راکبا علی راحلتہ الی وادی القصۃ فجاء علی بن ابی طالب رضؓ فاخذ بزمام راحلتہ فقال الی این ؟ یا خلیفۃ رسول اللّٰہ اقول لک ما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم احد لم سیفک ولا تفجعنا بنفسک فو اللّٰہ ! لئن اصبنا بک لا یکون للاسلام بعدک نظام ابداً۔ فرجع وامضی الجیش۔[1]

انہی واقعات کی تائید شیعہ علماء نے اپنی معتبر تصانیف میں کردی ہے۔ نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مذکور ہے۔

فنھضت فی تلک الاحداث حتی زاح الباطل وزھق واطمان الدین وتنھنہ۔[2]

---

[1] البدایہ لابن کثیر، ج سادس، ص ۳۱۵۔ فصل تصدی الصدیق لقتال اہل الردۃ۔

[2] نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۱۱۹۔ تحت من کتاب لہ علیہ السلام الی اہل مصر مع مالک الاشتر، طبع مصر۔

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتدینِ عرب کی سرکوبی کے لئے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ یہ فتنے ختم ہو گئے اور دینِ اسلام آرام کرنے لگا۔

خلیفہ اوّل کے ساتھ روابط

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دینی اور معاشرتی معاملات بہترین طریقہ سے قائم تھے۔ اس سلسلہ میں بے شمار واقعات تاریخ اسلامی میں مذکور ہیں۔ یہاں ان کی تفصیلات مقصود نہیں۔ صرف چند ایک چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔

تقسیم اموالِ خمس میں حضرت علیؓ کی تولیت

ہاشمی حضرات کو غنائم سے اپنا حصہ خلیفہ اسلام کی طرف سے ادا کیا جاتا تھا تو تقسیم خمس کی تولیت حضرت علی رضؓ کے سپرد تھی۔ خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضؓ نے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی تولیت کو طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق قائم رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ دورِ صدیقی میں حضرت صدیق اکبر رضؓ کے حکم سے اموال خمس کی تقسیم کے متولی تھے۔

ولانیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقسمتہ فی حیاتہ ثم ولانیہ ابوبکر رضؓ فقسمتہ فی حیاتہ ..... الخ [1]

---

[1] (۱) کتاب الخراج للامام ابو یوسف: ص ۲۰، طبع مصر، باب فی قسمۃ الغنائم۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبۃ، ج ۱۲: ص ۴۷۰، طبع کراچی۔ کتاب الجہاد تحت سہم ذوی القربیٰ لمن ہو۔

(۳) ابو داؤد شریف کتاب الخراج: ج ۲، ص ۶۱، باب بیان مواضع قسم الخمس۔

(۴) (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

مختصر یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ خلیفۂ اوّل کے ساتھ ان معاملات میں شریکِ کار تھے اور خلیفۂ اوّل کی ہدایت کے تحت اپنے مالِ خمس کی تقسیم کے متولی تھے۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جائز اور برحق خلیفۂ اسلام تسلیم کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ کی خلافت پر انہیں کسی قسم کا اعتراض نہیں تھا۔ یہ چیز انہوں نے اپنے عملی روابط کے ذریعے واضح کر دی ہے۔

دینی مسائل میں مشاورت

علمائے تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ صدیقی خلافت میں ایک مشاورتی مجلس قائم تھی جس میں سربرآوردہ حضرات صحابہ رضؓ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شامل کیا ہوا تھا۔

خلیفۂ اوّل کے پاس جب کوئی اہم دینی معاملہ پیش آتا تھا تو آپ اہل الرائے اور اہلِ فہم حضرات کو بلاتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ان میں مہاجرین رضؓ میں سے حضرت عثمان غنی، حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو۔ اور انصار میں سے حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مدعو کرتے تھے۔ یہ حضرات صدیقی خلافت میں دینی مسائل میں فتوے دینے والے شمار کئے جاتے تھے۔ اور صدیقی دور میں اور بعد میں بھی یہی طریق کار قائم رہا۔

ابن سعد رحؒ نے لکھا ہے۔

.... کل ھؤلاء یفتی فی خلافۃ ابی بکر رضؓ

انما تصیر فتوی الناس الی ھؤلاء فمضی ابو بکر رضؓ

---

(۴) بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مسند امام احمدؒ ص ۸۵ جلد اوّل تحت مسندات علی بن ابی طالب؛ طبع مصر

علی ذلک "[1]

شیعی مؤرخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں انہی مذکورہ بالا حضرات کا صاحب افتاء ہونا لکھا ہے۔ مزید ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نام بھی ذکر کیا ہے۔

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضؓ سمیت یہ تمام حضرات عہد صدیقی رضؓ میں دینی معاملات میں جانے رجوع تھے اور مسائل میں ان پر اعتماد کیا جاتا تھا۔

" وکان من یؤخذ عنہ الفقہ فی ایام ابی بکر رضؓ علی بن ابی طالب رضؓ و عمر بن الخطاب و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت و عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہم) "[2]

انتظامی امور میں مشاورت

عہد صدیقی میں جب غزوۂ روم پیش آیا تو سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکابر صحابۂ کرام رضؓ خصوصاً بدریوں کو مشورہ کے لئے جمع کیا۔ ان اکابر میں حضرت علی المرتضیٰ رضؓ بھی شامل تھے۔

مشورہ کے دوران حضرت علی المرتضیٰ رضؓ خاموش تھے۔ تو صدیق اکبر رضؓ نے خصوصی طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضؓ سے مشورہ طلب کیا۔ تو اس وقت حضرت علی رضؓ نے وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ میں آپ اقدام کریں میں نے سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ جو اس دین کی مخالفت کرے گا یہ دین اس پر غالب آکر

---

[1] طبقات ابن سعد ؛ ج ثانی ، ص ۱۰۹ ۔ قسم ثانی ، تحت باب اہل العلم والفتویٰ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ طبع لیدن ۔

[2] تاریخ یعقوبی ؛ ج ثانی ، ص ۱۳۸ ۔ طبع بیروت (آخر ایام ابی بکر رضؓ) ۔

رہے گا تا وقتیکہ اہل دین کو فوقیت حاصل ہو جائے۔ تو صدیق اکبر رض نے فرمایا کہ آپ نے بڑا اعلیٰ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچایا ہے اللہ تعالیٰ آپکو خوش و خرم رکھے[1]

غزوہ ہذا کے متعلق شیعہ علماء نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رض کے ساتھ مشورہ ہذا کو بڑے عمدہ طریقہ سے مدوّن کیا ہے۔

اراد ابوبکر ان یغزو الروم فشاور جماعۃ من اصحاب رسول اللہ فقدموا واخّروا فاستشار علی بن ابی طالب فاشار ان یفعل فقال ان فعلت ظفرت فقال بشرت بخیر[2]

مطلب یہ ہے کہ صدیق اکبر رض نے غزوۂ روم کا قصد کیا تو صحابہ رض کی جماعت سے اس میں مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق تقدیم و تاخیر کا ذکر کیا۔ ابوبکر صدیق رض نے علی المرتضیٰ رض سے رائے طلب کی تو انہوں نے اس مہم کو سرانجام دینے کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ اگر آپ اس کام کو سرانجام دیں گے تو فتحیاب ہوں گے۔ تو صدیق اکبر رض نے فرمایا کہ آپ نے بڑی بہتر خوشخبری دی ہے۔

اسی واقعہ کو شیعی مؤرخ لسان الملک نے ناسخ التواریخ میں بعبارتِ ذیل ذکر کیا ہے۔

" ابوبکر رض روبعلی رض کرد بگفت یا اباالحسن! تو چہ فرمائی ؟ علی فرمود

---

[1] (۱) کنز العمال ، ج ۳ ، ص ۱۴۳ ، ۱۴۴۔ کتاب الخلافت مع الامارت (بعث روم) طبع اوّل۔

(۲) تاریخ الخمیس ، ج ثانی ، ص ۲۲۲۔ تحت ذکر الغزو الی الشام۔

[2] تاریخ یعقوبی ، ص ۱۳۲ ، طبع جدید بیروت۔ تحت ایام ابی بکر رض۔

چه تو راه نمود برگیری و چه سپاه تبازی ظفر تراست ۔ ابوبکر گفت بشّرک اللہ یا ابوالحسن از کجا گوئی فرمود از رسولِ خدا ۔ ابوبکر گفت بدین حدیث مرا شاد کردی ؎ [1]

مطلب یہ ہے کہ غزوۂ روم میں حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے حضرت صدیق اکبر رضؓ کو اس معاملہ میں اقدام کرنے کا مشورہ دیا اور ساتھ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر فرمائی کہ اہلِ اسلام کو اس میں ظفر اور کامیابی ہوگی ۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے آپ سے کہا اے ابوالحسن ! اللہ آپ کو بشارت اور خوش خبری دے آپ نے یہ حدیث سنا کر مجھے خوش کر دیا ہے ۔

چنانچہ مشورہ مذا کے بعد اہلِ اسلام نے غزوۂ روم کی طرف اقدام کیا ۔ اور فتحیاب ہوئے ۔ گویا اس قسم کے انتظامی امور مشورہ کے ساتھ طے ہوتے تھے اور ان پر عمل درآمد کیا جاتا تھا اور حضرت علی رضؓ اس میں شامل ہوتے تھے ۔ ایسی مہمات میں حضرت علی رضؓ کا حضرت صدیق اکبر رضؓ کے ساتھ رہنا دائما ہوتا تھا ۔ اور آپ اپنے دستِ تعاون دراز رکھتے تھے ۔

تدوینِ قرآن کا کارنامہ

جنابِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں قرآن مجید کو یکجا جمع کرنے کا مسئلہ پیش آیا تھا ۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ قرآن مجید کے کبار حفاظ اور قراء یوم یمامہ (مسیلمہ کذاب سے جنگ) میں شہید ہوئے اس وقت اکابر صحابہ کرام رضؓ کو

---

[1] ناسخ التواریخ از مرزا محمد تقی لسان الملک ، ج دوم ، ص ۱۵۸ ، کتاب دوم ۔ تحت عنوان تصمیم عزم ابی بکر بتسخیر ممالک شام ، طبع قدیم ۔

اس بات کی فکر ہوئی کہ قرآن مجید کو دو دستینوں کے درمیان مدوّن کرنا ضروری ہے قرآن مجید کے متعدد قراء اور حفاظ موقع بموقع شہید ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے قرآن مجید کے مختلف اجزاء جو متفرق لکھے رکھے تھے ان کو یکجا کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اور اس کام کو بڑی اہمیت دی۔ اور جلد تر اس کی تکمیل کرائی۔ تاکہ کلام اللہ ایک جلد میں مامون و محفوظ ہو جائے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

"وکان القرآن مکتوبا فی الصحف ولکن کانت مفرقۃ فجمعھا ابوبکر فی مکان واحد الخ"[1]

اس مقام میں ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اس عظیم کام میں حضرت علی المرتضیٰ رضؓ خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ من وعن متفق اور رضامند تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے اپنی متعدد روایات میں خود یہ اظہار کیا ہے کہ اوّل اوّل قرآن مجید کو مدوّن کرنے والے ابوبکر صدیق رضؓ ہیں۔ حضرت علی رضؓ ساتھ ساتھ ابوبکر صدیق رضؓ کو دعائیں دیتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کا یہ اہم کارنامہ سرانجام دیا اور جمع مصاحف کے سلسلہ میں اجر عظیم کے مستحق ہوئے۔

محدث ابن ابی شیبہ رحؒ نے "المصنف" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان اس طرح ذکر کیا ہے۔

عن عبد خیر قال سمعت علیا یقول رحمۃ اللہ علی ابی بکر کان اوّل من جمع بین اللوحین"[2]

---

[1] فتح الباری شرح بخاری، ج ۹، ص ۱۰، باب جمع القرآن۔

[2] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ: ج ۱۴: ص ۷۲، کتاب الاوائل، طبع کراچی۔
(۲) بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔

یعنی عبدِ خیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے سنا
وہ ابوبکر صدیق رض کی ذات پر اللہ تعالےٰ کی رحمت بھیج رہے تھے۔
کہتے تھے کہ دو دستیوں کے درمیان قرآن مجید کو سب سے پہلے
پہلے جمع کرنے والے ابوبکر صدیق رض ہیں "
اور ابن ابی داؤد نے اپنی تالیف " کتاب المصاحف " میں حضرت علی رض
کے بہت سے فرامین باسند ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے۔

" عن عبد خير قال سمعت عليا يقول اعظم
الناس اجرا فى المصاحف ابوبكر رحمة الله
على ابى بكر هو اوّل من جمع بين اللوحين "[1]

یعنی عبدِ خیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رض سے سنا وہ فرماتے تھے
جمع مصحف کے مسئلہ میں تمام لوگوں میں سے عظیم اجر کے مستحق ابوبکر
رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں ان پر اللہ تعالےٰ کی رحمت ہو سب سے پہلے
یہ قرآن مجید کو دو تختیوں کے درمیان مدوّن کرنے والے ہیں "
یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا کتابی شکل میں مدوّن ہونا صدیقی عہد کا عمل
ہے اور اکابر صحابہ کرام رض بشمول حضرت علی المرتضیٰ رض اس معاملہ کو اہم اور ضروری
سمجھتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۲) المصنف لابن ابی شیبہ، جلد عاشر، ص ۵۴۴ و ۵۴۵، کتاب فضائل القرآن طبع کراچی

[1] (۱) کتاب المصاحف، ص ۵-۶ باب جمع القرآن، طبع مصر- للحافظ ابی بکر عبد اللہ بن ابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (۳۱۶ھ)۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری، ج ۹، ص ۹ باب جمع القرآن تحت حدیث زید بن ثابت رض۔

پیشِ نظر رہے کہ اس اجتماعی کارنامہ پر کوئی اختلاف نہیں ہوا تھا۔ اب یہی وہ اصل کتاب ہے جو منزل من اللہ کتاب ہے۔ جس کو اہل اسلام نے بڑے اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا ہوا ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان (ہاشمی یا غیر ہاشمی حضرات) کے پاس کوئی دیگر قرآن نہیں تھا۔ اصلی یا غیر اصلی قرآن کے نظریات بعد میں مخالفین قرآن کے پیدا کردہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس یہی قرآن مجید تھا (جو صدیقی دور میں مدّون ہوا) ان کے اپنے دورِ حکومت و خلافت میں بھی یہی قرآن پڑھا پڑھایا جاتا تھا اور اسی پر عمل درآمد جاری تھا۔ اور حضرت سیدنا حسن بن علی رضؓ اور حضرت سیدنا حسین رضؓ کے پاس بھی یہی قرآن (صدیقی دور کا جمع شدہ) تھا کوئی دوسرا قرآن مجید نہ تھا۔

فلہٰذا اصلی قرآن اور غیر اصلی قرآن کا قصہ کھڑا کرنا سراسر باطل ہے۔

تنبیہ

تدوین قرآن مجید کے مسئلہ میں ایک چیز قابل وضاحت ہے اس کو یہاں بیان کر دینا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض روایات میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ایک قول دستیاب ہوتا ہے کہ جناب حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو میں نے حلف اٹھائی کہ جب تک میں قرآن کو جمع نہ کر لوں اپنے اوپر نماز کے بغیر چادر نہ اوڑھوں گا (اس حالت میں علی المرتضیٰ رضؓ نے قرآنِ مجید کو جمع کیا)۔

یعنی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اوّلاً قرآن مجید جمع نہیں کیا۔ بلکہ حضرت علی رضؓ نے جمع کیا تھا۔ اور سابقاً پیش کردہ روایات اس کے خلاف ہیں۔

اس اشتباہ کو اس فن کے کبار علماء نے کلیتہً رفع کر دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں۔

......فاسناده ضعيف لانقطاعه ....

والذى وقع فى بعض طرقه حتى جمعته بين اللوحين وهم من روايه۔ (قلت) وما تقدم من رواية عبد خير عن على اصح فهو المعتمد " [1]

یعنی یہ (چادر اوڑھنے والی) روایت منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔ اور حضرت علی رض کا قول کہ دو تختیوں کے درمیان میں نے قرآن جمع کر دیا، یہ وہم راوی ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ حضرت علی رض سے عبد خیر والی سابقہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ اور اسی پر اعتماد ہے۔ یعنی (دیگر روایات قابل اعتماد نہیں)۔

مختصر یہ کہ تدوین قرآن مجید کے سلسلہ میں حضرت صدیق اکبر رض کے حق میں جو حضرت علی رض کے فرمودات درج کئے گئے ہیں وہ درست اور راجح ہیں۔ مذکورہ حلف اٹھانے والی روایت مرجوح ہے۔ فلہذا صدیق اکبر رض نے ہی اوّل اوّل قرآن مجید جمع کرایا تھا۔ باقی حضرات نے اس کی توثیق کی تھی۔ [2]

اور یہ مسئلہ قبل ازیں " رحماء بینہم " حصہ اوّل صدیقی باب دوم۔ فصل اوّل کے آخر میں اپنی ضروری تشریح کے ساتھ درج ہو چکا ہے۔

حضرت علی رض کیلئے کنیزیں

" صدیقی عہد خلافت " میں متعدد قبائل سے قتال ہوا۔ اور فتح مندی کے بعد جس طرح دیگر

---

[1] فتح الباری شرح بخاری، ص ۹، ۱۰، جلد نہم باب جمع القرآن۔

[2] رحماء بینہم، حصہ اوّل باب دوم، ص ۲۱۷، ۲۱۸ : از مؤلف تالیف ہذا۔

اموال غنائم اس دور میں اہلِ اسلام کو حاصل ہوئے اسی طرح آمار (کنیزیں) بھی ان کو میسر آئیں ۔ ان اموال غنائم سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی بعض کنیزیں عنایت کی گئیں ۔

۱ :۔ قبائل بنی تغلب کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کی جانب سے خالدؓ بن ولید نے قتال کیا تو ان قبائل سے غنائم میں کنیزیں آئیں ۔ " خلیفہ اوّل " نے حضرت علی رضؓ کو ایک خادمہ عنایت فرمائی جس کا نام ام حبیب بنت ربیعہ تھا ۔ اور وہ " الصهبا " کے نام سے مشہور تھی ۔ اس خادمہ " الصهبا " سے حضرت علی رضؓ کی اولاد بھی ہوئی ۔ ایک فرزند عمر بن علیؓ اور ایک دختر رقیہ بنت علیؓ ہوئے ۔ یہ دونوں توأم تھے ایک بطن سے متولد ہوئے تھے ۔ کتاب نسب قریش میں ہے ۔

" عمر بن علي بن ابي طالب ورقية وهما توأم
امهما الصهبا يقال " الصهبا " ام حبيب بنت ربيعة
من بني تغلب من سبي خالد بن وليد " [1]

اور شیعہ علماء نے بھی " الصهبا " کا حضرت علی رضؓ کو دیا جانا اور اس سے اولاد کا متولد ہونا ذکر کیا ہے ۔ مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ ہوں ۔

(۱) :۔ شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید الشیعی ، ج ۲ ، ص ۷۱۸ ، طبع بیروت قدیم تحت تفصیل اولاد علی بن ابی طالب رضؓ ۔

(۲) ۱:۔ عمدۃ الطالب لابن عنبہ ، ص ۳۶۱ ، طبع نجف اشرف ۔ تحت الفصل الخامس ۔

---

[1] (۱) کتاب نسب قریش ، ص ۴۲ ، تحت اولاد علی بن ابی طالب رضؓ ، طبع مصر ۔

(۲) طبقات ابن سعد ، ج ۵ ، ص ۸۶ ؛ تذکرہ عمر بن علی بن ابی طالب رضؓ ۔

ان مقامات میں شیعہ علماء نے "الصہبا" کا مذکورہ بالا تذکرہ کیا ہے اور اس سے جو حضرت علی رض کی اولاد ہوئی وہ بھی ذکر کی ہے۔ رجوع فرما کر تسلی کی جا سکتی ہے۔

۲ :- حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے صاحبزادے جو حسنین رض کے بعد سب سے زیادہ معروف ہیں ان کا اسم گرامی محمد بن حنیفہ ہے ان کی والدہ قبیلہ "بنی حنفیہ" کے مفتوح ہونے کے بعد قبیلہ بنو حنیفہ سے قید ہو کر آئی تھیں۔ ان کا نام خولہ بنت جعفر بن قیس ہے۔ یہ حضرت صدیق رض خلیفہ اوّل کی طرف سے حضرت علی رض کو عطاء کی گئی تھیں پھر انہوں نے ان کو ام ولد قرار دیا۔ اس سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے تھے۔ ابن کثیر رح فرماتے ہیں کہ۔

" واما ابنه محمد الاكبر فهو ابن الحنفيه وهى خوله بنت جعفر بن قيس ...... سباه خالد ايام الردة من بنى حنيفة فصارت لعلى رض بن ابى طالب فولدت له محمدا هذا " [1]

اور شیعہ علماء نے بھی یہ مسئلہ اسی طرح درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱ :- عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ لجمال الدین ابن عنبۃ۔ ص ۳۵۲، ۳۵۳۔ الفصل الثالث۔

۲ :- حق الیقین، از ملّا باقر مجلسی، باب مطاعن ابی بکر تحت طعن ششم۔
ملا باقر مجلسی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

---

[1] (۱) البدایہ والنہایہ ؛ ج سابع ، ص ۳۳۱ ، تحت ازواج و اولاد علی رض۔

(۲) تاریخ ابن خلکان ، ج اوّل ، ص ۴۴۹ ؛ تحت ذکر محمد بن حنفیہ ، (طبع قدیم)

"در روایات شیعہ وارد شدہ است کہ چوں اسیراں را بہ نزد ابی بکر
آوردند مادر محمد بن حنفیہ درمیاں آنہا بود"

یعنی شیعہ روایات میں آیا ہے کہ جب ابوبکر کے پاس قیدیوں کو لائے تو ان
میں محمد بن حنفیہ کی اماں جان بھی تھیں۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
تعالےٰ عنہ کے ساتھ ان تمام مراحل میں متعاون رہتے تھے[1]

عہدِ صدیقی سیّدنا علیؓ کی نظروں میں

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد "صدیقی عہد" اسلام میں سب
سے اعلیٰ دور ہے۔ اس وقت احیائے دین اور ابقائے ملت کے استحکام کی شدید ضرورت

---

[1] حصول غنائم اور انتظامی امور کے کئی دیگر واقعات بھی تاریخ میں پائے جاتے
ہیں جن کی بقدرِ ضرورت توضیح ہم نے اپنی کتاب "رحماء بینہم" حصہ صدیقی باب سوم
میں ذکر کی ہے۔ اگر ضرورت سمجھیں تو ان واقعات کی وہاں بقدر کفایت وضاحت آپکو
مل سکے گی۔

تنبیہ:- انتقالِ نبوی کے بعد کے واقعات میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی
اللہ تعالےٰ عنہا کے ارتحال کا واقعہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ امامہ
بنت ابی العاص کے نکاح کا ذکر، ان دونوں امور کو یہاں ذکر نہیں کیا۔ انشاءاللہ
تعالےٰ اس چیز کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ازواج و اولاد کے
تذکرہ میں بقدرِ ضرورت بیان کیا جائے گا۔
(بعونہٖ تعالےٰ)

تھی۔ ان اہم مراحل میں دیگر صحابۂ کرام رضی کے ساتھ ساتھ سیدنا علی رضی کی بھی گراں قدر خدمات پائی گئیں۔ ان میں سے یہاں ہم نے یہ چند اشیاء ذکر کر دی ہیں۔ مثلاً

۱ :۔ مرکزِ اسلام "مدینہ طیبہ" کی نگرانی اور سیدنا علی رضی کا کردار۔

۲ :۔ مقام ذوالقصہ کی طرف خلیفۂ اوّل کا اقدام اور علوی تعاون۔

۳ :۔ خلیفہ کے ساتھ علوی روابط۔

۴ :۔ تقسیم اموالِ غنائم میں حضرت علی رضی کی تولیت۔

۵ :۔ اہم دینی مسائل میں آپ سے مشاورت۔

۶ :۔ دیگر انتظامی امور میں مشاورت۔

۷ :۔ تدوینِ قرآن کے کارنامے کی تائید و توثیق۔

۸ :۔ اموالِ غنائم کا حصول اور حضرت علی رضی کا کنیز دل کو قبول کرنا۔

ان امور کی قدرے تفصیل آچکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ صدیقی دور میں اسلام کے تمام اہم امور میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے اور ان سے پوری طرح متفق رہے اور ان کے کارناموں میں ان کے ساتھ متحد و متعاون رہے۔ حضرت علی رضی کی قولی و فعلی زندگی عہدِ صدیقی میں واضح طور پر شہادت دیتی ہے کہ اس دور کے تمام دینی و انتظامی مسائل بالکل درست تھے اور حضرت علی رضی کا ان کے ساتھ کاملاً اتفاق تھا۔ اور حضرت ابوبکر رضی کی خلافت ان کے نزدیک باطل نہیں تھی برحق تھی۔ جو حضرات حضرت علی رضی کے ان اقوال و افعال کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور مجبوری و مصلحت بینی کی زندگی قرار دیتے ہیں انہوں نے حضرت علی رضی کے ارفع مقام کو اور ان کے اعلیٰ اخلاق و کردار کو کئی گونہ اعتراضات کے ساتھ داغدار کر دیا ہے۔

خلافتِ فاروقی اور سیّدنا علیؓ

عہدِ فاروقی میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے کردار اور تعاون کے متعلق چند ایک امور یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیلات مؤلف کی کتاب "رحماء بینہم" حصہ فاروقی میں پیش کی جا چکی ہیں تاہم بعض کا اختصاراً اعادہ کرنا یہاں بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا اور حضرت علیؓ کی عملی زندگی کو اجاگر کرنے کے لئے ان چیزوں کو دہرانا بھی سودمند ہے۔ سیدنا علیؓ کا خلیفہ ثانی کے ساتھ عملاً تعاون و توافق کرنا اہلِ انصاف کے لئے اتحادِ ملت و اتفاقِ امت کے مسئلہ کو خوب واضح کرتا ہے۔

فاروقی انتخاب پر حضرت علیؓ کی رضامندی اور بیعتِ خلافت

——— جب صدیقِ اکبرؓ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے خلیفہ کے بارے میں ایک عہد حضرت عثمانؓ کے ذریعہ تحریر کرایا تھا اور فرمایا کہ اے لوگو! کیا تم اس عہد پر رضامند ہوتے ہو؟

لوگ آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم اس پر رضامند ہیں۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا اگر یہ انتخاب عمر بن الخطابؓ کے حق میں ہے تو ہمیں منظور ہے اور وہ عہد حضرت عمرؓ کے حق میں ہی تھا ....

فقال یا ایہا الناس! انی قد عہدت عہداً افترضون بہ؟

فقام الناس فقالوا، قد رضینا فقام علی فقال لا نرضی

اِلا ان یکون عمر بن الخطاب فکان عمر علہ

اس نامزدگی کے بعد جہاں دیگر صحابہ کرام رضؓ نے حضرت عمر فاروق رضؓ کی بیعت کی تھی حضرت علی مرتضیٰ نے بھی اسی ملی اتحاد کے اصول کے تحت حضرت عمر فاروق رضؓ کی اسی وقت بیعت کر لی تھی۔ یہ بیعت خلافت تھی اس موقعہ پر خلیفہ ثانی کی بیعت کے متعلق صحابہ کرام میں کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا تھا اور اس فاروقی انتخاب پر امت کا اجتماعی فیصلہ ہوا تھا اس میں کسی کی حق تلفی یا کسی شخصیت پر زیادتی کا کوئی شائبہ تک متصور نہ تھا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کا اپنا بیان اس معاملہ کے متعلق محدثین نے ذکر کیا ہے۔ ایک مفصل روایت میں حضرت علی رضؓ اس طرح فرماتے ہیں۔

...... فاشار لعمرؓ ولم یأل فبایعہ المسلمون وبایعتہ معہم فکنت اغزو اذا اغزانی و اٰخذ اذا اعطانی ...... الخ علہ

یعنی ابوبکرؓ نے آخری اوقات میں حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کے متعلق اشارہ کیا اور اس معاملہ میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ پس مسلمانوں نے عمر بن الخطاب

علہ (۱) [المصنف لابن ابی شیبہ ص۳۸ ج۱۲ طبع کراچی تحت کتاب الفضائل (ما ذکر فی فضل عمر بن الخطاب]

(۲) طبقات ابن سعد ص۱۴۲ ج۳ تحت تذکرہ ابی بکر

(۳) اسد الغابہ ج۴ ص۶۹ تحت تذکرہ عمر بن الخطاب

علہ (۱) کنز العمال ص۸۲ ج۶ بحوالہ محدث ابن راہویہ طبع اول دکن

(۲) فضائل ابی طالب العشاری ص۴ مکتبہ سلفیہ ملتان بمعہ دیگر رسائل محدث ابن عوانۃ۔"

سے بیعت کی میں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ عمر بن الخطاب کی بیعت کی۔ جب وہ مجھے غزوات میں طلب کرتے تو میں ان کا شریک کار ہوتا تھا اور جب وہ مجھے عطیات وغنائم وغیرہ عنایت فرماتے تو میں ان کو قبول کرتا تھا۔۔۔۔ الخ

نیز حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کی بیعت کو شیعہ اکابر علماء نے بھی درست تسلیم کیا ہے اور اسے اپنی معتبر کتب میں درج کیا ہے۔ ان کے شیخ طوسی حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں۔

۔۔۔۔۔۔ قال (علیؓ) ۔۔۔۔۔۔ فبایعت عمر کما بایعتموہ

۔۔۔۔۔۔ فوفیت له ببیعته " عله

یعنی ۔۔۔۔۔ پھر جس طرح تم نے حضرت عمرؓ کی بیعت کی میں نے بھی اسی طرح حضرت عمرؓ کی بیعت کی ۔۔۔۔۔۔ اور اس کی بیعت کے حقوق کو میں نے پورا کیا"

۔۔۔۔۔ حضرت علیؓ کے اس کلام کا موقع محل اس طرح ہے کہ جنگ جمل کے بعد شکست خوردہ جماعت حضرت علیؓ کے ہاں حاضر ہو کر معذرت کرنے لگی تو اس وقت حضرت علیؓ نے ان کے متکلم کو اس کے بیان سے روک کر اپنا بیان شروع فرمایا۔ اس میں مذکورہ بالا کلمات ذکر فرمائے جو اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں کسی تشریح توجیہہ کے محتاج نہیں۔ ایسے واضح علوی بیانات کو حالات کی مجبوری یا وقتی مصالح پر محمول کرنا حضرت علیؓ کے رفیع مقام کو گرانے کے مترادف ہے۔

شوریٰ کی رکنیت

جس طرح صدیقی عہد میں ملکی انتظامات کے لئے اکابر صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس شوریٰ تھی اسی طرح فاروقی دور خلافت میں بھی امور مملکت کے لئے ایک مشاورتی کونسل قائم تھی جس میں ملکی انتظامات کے اہم معاملات کے لئے حسب ضرورت مشورہ ہوتا تھا۔ اس کونسل کا انعقاد مسجد نبویؐ

عله امالی شیخ ابی جعفر الطوسی صفحہ ۱۲۱، جلد ۲ طبع نجف اشرف (عراق)

میں (منبر رسولؐ اور قبر شریف کے درمیان) ہوتا تھا اور اس کے اراکین امت مسلمہ کے سربر آوردہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص تھے۔

.... عہد فاروقی میں جب کوئی اہم ملکی معاملہ آفاق و اطراف سے پیش آتا تو حضرت عمر فاروقؓ ان حضرات سے مشورہ کرتے اور حسب موقع اس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تھا۔

.... فجاء عمر الی مجلس المهاجرین بین القبر و المنبر و کان المهاجرون یجلسون ثم وعلی وعبد الرحمٰن بن عوف والزبیر وعثمان وطلحه وسعد فما ذاکان العشی یاتی عمر الامر من الآفاق ویقضی فیه .... الخ[1]

یعنی ..... مہاجرین کی مجلس جو قبر شریف اور منبر نبوی کے درمیان قائم ہوتی تھی اور وہاں حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ و عثمان بن عفانؓ حضرات تشریف فرما ہوتے۔ جب حضرت عمرؓ کے پاس آفاق عالم سے کوئی معاملہ آتا تھا تو اس مجلس میں فیصلہ کرتے تھے۔ حضرت علیؓ اس مشاورتی کونسل کے رکن رکین تھے اور ملکی انتظامات اور اہم واقعات کی مشاورت میں ان کا اہم مقام تھا۔ خلیفہ ثانی کے ساتھ ان کے عملی تعاون کا یہ وہ طریق کار ہے جسے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔

---

[1] کتاب "السنن" لسعید بن منصور الخراسانی المکی ص ۱۳۰ ج ۳ قسم اول طبع مجلس علمی کراچی تحت باب "النظر الی المراۃ اذا اراد ان یتزوجها"

فاروقی دور میں افتاء اور قضاء کا منصب

حضرت فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں منصب قضاء و افتاء پر کئی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی فائز تھے مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت وغیرھم (رضی اللہ عنہم) اور مسائل شرعی میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنی خداداد صلاحیت اور علمی قابلیت کے اعتبار سے فاروقی عہدِ خلافت میں اس اہم منصب پر فائز تھے اور افتاء و قضاء کے مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔

...... وکل ھؤلاء یفتی فی خلافۃ ابی بکر وانما تصیر فتوی الناس الی ھؤلاء فمضی ابوبکر علی ذالک ثم ولی عمر فکان یدعوا ھؤلاء النفر...... الخ[1]

..... نیز حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ جلد ہفتم میں لکھا ہے کہ

..... فولی قضاء المدینۃ علی بن ابی طالب .....

..... الخ[2]

یعنی ۱۳ھ (جمادی الاخری) میں سے آٹھ یوم باقی تھے۔ منگل کے دن حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے اور اس وقت حضرت فاروقؓ نے مدینہ طیبہ کا قاضی حضرت علی المرتضیٰؓ کو مقرر فرمایا۔"

یہ چیز ان حضرات کے دوستانہ تعلقات اور مخلصانہ روابط کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔ کسی غلط خلافت اور ناجائز خلیفہ کی جانب سے افتاء و قضاء کا

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۹ قسم ثانی باب اہل علم والفتوی من اصحاب النبی صلعم (لیدن)

[2] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۱۸ تحت سنۃ ۱۳ھ۔

منصب قبول کرنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان دیانت و اخلاص کے برخلاف ہے۔ بالخصوص جبکہ ان کے بارے میں یہ غلط کہانی وضع کر لی گئی ہو کہ بہ نص نبوی اصل خلیفہ وہ خود تھے۔ جواب اس (معاذاللہ غاصب) خلیفہ کے ماتحت مدینہ کے قاضی بنے بیٹھے ہیں۔ (استغفراللہ)

شیعہ کی طرف سے تائید شیعہ کے قدیم مؤرخین نے اس مسئلہ کو بڑے عمدہ انداز میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایام میں جن حضرات سے علمی مسائل حاصل کئے جاتے تھے اور جو فقہاء کے درجہ میں شمار ہوتے تھے۔ وہ مندرجہ ذیل حضرات تھے:۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، ابودرداء رضی اللہ عنہ، ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

یعقوبی میں ہے:۔

...... وکان الفقہاء فی ایامہ الذین یوخذ عنہم العلم علی بن ابی طالب وعبداللہ بن مسعود و ابی بن کعب ...... الخ[1]

..... حاصل یہ ہے کہ عہد فاروقی میں منصب قضاء و افتاء پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا فائز ہونا بین الفریقین مسلمات میں سے ہے اور یہ خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عملی تعاون کا بہترین مظاہرہ ہے۔

مختلف امور میں مشورے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مرکزی مشاورتی کونسل کے رکن رکین تھے۔ اس بناء پر جہاں دیگر حضرات سے ملکی معاملات میں مشورہ ہوتا تھا۔ اسی طرح حضرت

---

[1] تاریخ یعقوبی ص ۱۶۱ جلد ۲ تحت عنوان صفۃ عمر بن الخطاب" (طبع بیروت)

علیؓ کو بھی ان مشوروں میں شامل رکھا جاتا تھا۔ مختلف مسائل پیش آتے تھے۔ اکابر حضرات ان میں اپنی اپنی رائے پیش کرتے۔ بعد از مشاورت جو معاملہ طے ہوتا تھا اس پر عملدرآمد کیا جاتا تھا۔

اس سلسلہ کی تفصیلات مؤلف کی کتاب "رحماء بینھم" حصہ فاروقی باب دوم فصل ثانی و فصل ثالث میں بیان کر دی گئی ہیں۔

اجمالی طور پر یہاں چند ایسے امور کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے مضمون مربوط رہے یہ درست ہے کہ عہدِ فاروقی میں حضرت علیؓ کے مخلصانہ مشوروں کو ہمیشہ اہمیت دی گئی اور بیشتر ان کی رائے کی موافقت میں فیصلے کئے گئے مثلاً

۱۔ حاصل شدہ اموال میں وقتی طور پر صدقہ ادا کرنے کے متعلق مشورہ۔

۲۔ قتل کے خون بہا (دیت) میں مشورہ

۳۔ بدفعلی کی سزا میں اِحراق کا مشورہ (شیعہ کتب سے)

۴۔ شراب خوری کی سزا میں اضافے کا مشورہ

۵۔ سہ بارہ سرقہ کی سزا میں مشورہ

۶۔ فاروق اعظمؓ کے لئے مشاہرہ اور وظیفہ کے تعین میں مشورہ

۷۔ سن ہجری کے اجراء کے بارے میں مشورہ یہ مسئلہ ربیع الاوّل ۱۶ھ میں پیش آیا تھا۔

۸۔ علاقہ نہاوند کی طرف اقدام کرنے میں خلیفہ کے خروج کے بارے میں مشورہ (یہ موضوع ۲۱ھ میں پیش آیا تھا)

۹۔ غزوہ روم میں خلیفہ ثانی کے بذاتِ خود تشریف نہ لے جانے کے متعلق مشورہ۔

۱۰۔ مال غنائم کی تقسیم کے بعد بقایا مال کو پس انداز کرنے کا مشورہ۔

مذکورہ بالا امور کے حوالہ جات کے لئے مؤلف کی کتاب "رحماء بینہم" حصہ فاروقی کے باب دوم کی طرف رجوع فرمائیں۔

حضرت علیؓ اور نیابت فاروقیؓ

حضرت علی المرتضیٰؓ کا مقام خلیفہ ثانیؓ کی نظروں میں اتنا قابل اعتماد تھا کہ اگر آپ مدینہ طیبہ سے باہر کہیں تشریف لے جاتے تو مرکز اسلام (مدینہ طیبہ) میں حضرت علیؓ کو اپنا قائمقام خلیفہ مقرر فرماتے تھے اور حضرت فاروق اعظمؓ کی نیابت میں تمام امور حضرت علیؓ کو تفویض کر دیئے جاتے تھے۔
یہ طریق کار باہمی اعتماد، باہمی اخلاص اور باہمی تعاون کا متقضی ہے جہاں ایک دوسرے کے ساتھ کینہ اور عداوت ہو یا کسی نے کسی کا حق دبایا ہوا ہو تو وہاں اس نوع کی کلیدی منصب کی ذمہ داری اس طرح سپرد نہیں کی جاتی اور نہ ہی دوسرا فریق کبھی اسے قبول کرنے پر رضامند ہوتا ہے۔

اس نیابت کے چند واقعات بھی اختصاراً ملاحظہ فرمائیں۔ مثلاً:-

۱۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو یکم محرم ۱۴ھ کو مدینہ طیبہ سے باہر پانی کے ایک چشمہ جس کو "صرار" کہتے تھے کی طرف جانے کا تقاضا ہوا تو اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے مدینہ طیبہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنا قائمقام بنایا اور آپ خود دیگر صحابہ کرامؓ کی معیت میں تشریف لے گئے

۲۔ ۱۵ھ میں بیت المقدس پر حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے محاصرہ کر کے محصورین کو تنگ کر دیا تو اس وقت فریق مخالف نے شرط لگائی کہ خلیفۃ المسلمین خود تشریف لائیں تو ان کے ساتھ صلح کی گفتگو ہو سکتی ہے اس موقع پر حضرت عمرؓ صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے اور مرکز اسلام مدینہ طیبہ میں اپنا قائمقام علیؓ بن ابی طالب کو قائمقام چھوڑ گئے اور

خلافت کے تمام کاروبار ان کے ہاتھ میں دے گئے۔

۳۔ اسی طرح ۱۷ھ میں خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظمؓ کو "ایلہ" کے مقام کی طرف تشریف لے جانے کے لئے حالات متقاضی ہوئے۔ اس وقت بھی مرکز اسلام میں آپ نے اپنا قائمقام حضرت علیؓ کو بنایا اور خود سفر میں تشریف لے گئے۔

کتاب "رحماء بینھم" حصہ فاروقی باب دوم فصل ثالث میں مذکورہ بالا واقعات مفصل اور باحوالہ درج کر دیئے ہیں وہاں رجوع فرمالیں۔

حضرت فاروقؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کی رشتہ داری

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے

حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ سماجی تعاون کے واقعات مختصراً سابقاً ذکر کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد ان دونوں حضرات کا اتحاد و یگانگت کا آخری منزلہ یہ تھا کہ باہمی رشتہ داری اور مصاہرت کی صورت میں قائم ہوا۔ اس کا اجمالاً ذکر کر دینا مناسب ہے۔

وہ یہ ہے کہ جناب علی بن ابی طالب کی صاحبزادی ام کلثومؓ (جن کی والدہ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں) کا رشتہ نکاح حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ جناب علی المرتضیٰؓ نے کر دیا تھا۔ اور یہ نکاح ذوالقعدہ ۱۷ھ میں منعقد ہوا تھا۔ حضرت ام کلثومؓ بنت علیؓ سے حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد بھی ہوئی ایک فرزند ہوا جس کا نام زید بن عمرؓ تھا اور ایک لڑکی ہوئی جس کا نام رقیہ بنت عمرؓ تھا۔

یہ رشتہ داری ان دونوں بزرگوں کے باہمی تعاون اور تعلق کی بے نظیر مثال ہے جس سے مؤرخین اور اہل انساب کو ہرگز انکار نہیں۔ اہل سنت اور شیعہ

کے درمیان یہ رشتہ مسلمات میں سے ہے یہ کوئی مختلف فیہ امر نہیں۔
...... یہاں صرف شیعہ کتب سے چند اہم حوالہ جات نو۹ عدد ذکر کئے جاتے ہیں رجوع فرما کر تسلّی کر لیں۔
شیعہ کے اصول اربعہ کی پختہ روایات چار عدد "فروع کافی" سے اور دو عدد "الاستبصار" سے اور تین عدد "تہذیب الاحکام" سے نقل کی جاتی ہیں۔ حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

---

(۱) (ا) فروع کافی جلد ثانی کتاب النکاح باب تزویج ام کلثوم

(ب) فروع کافی جلد ثانی کتاب النکاح باب تزویج ام کلثوم روایت دیگر

(ج) فروع کافی جلد ثانی باب المتوفی عنہا زوجہا

(د) فروع کافی جلد ثانی باب المتوفی عنہا زوجہا المدخول بہا این تعتد۔

(۲) (ا) الاستبصار جلد ثالث ابواب العدۃ

(ب) الاستبصار جلد ثالث ابواب العدۃ (روایت دیگر)

(۳) (ا) تہذیب الاحکام کتاب الطلاق باب عدۃ النساء

(ب) تہذیب الاحکام کتاب الطلاق باب عدۃ النساء (روایت دیگر)

(ج) { تہذیب الاحکام آخری جلد کتاب المیراث
باب میراث الغرق والمہدوم علیہم فی وقت واحد }

یہ اصول اربعہ کی نو۹ عدد صحیح روایات ہیں جو ان کے ائمہ معصومین سے مروی ہیں وہ یہاں درج کی ہیں ان مقامات میں ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کا نکاح اور شادی کا ذکر صریح ..... طور پر موجود ہے۔ اس کے ماسوا شیعہ کے آئمہ مجتہدین کی متعدد کتابوں سے یہ رشتہ ہم سابقاً ثابت کر چکے ہیں۔ اس نسبی تعلق کی بنا پر

مطاعن فاروقی کے جوابات کی حاجت نہیں رہتی اور اعتراضات خود بخود .... ختم ہو جاتے ہیں۔ " رحماء بینہم" حصہ فاروقی کے باب سوم فصل دوم میں مستقل عنوان کے تحت اس کی تفصیلات گذر چکی ہیں اس کی طرف رجوع فرمالیں۔

شوریٰ میں حضرت علیؓ کا انتخاب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقت وصال قریب ہوا تو انہوں نے خلافت اسلامیہ کے تحفظ و بقاء کے بارہ میں ایک مجلس شوریٰ منتخب کی جس میں درج ذیل حضرات کا تعین فرمایا اور ساتھ یہ ذکر کیا کہ میں ان افراد کو منتخب کر رہا ہوں جن سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم سے راضی ہو کر رخصت ہوئے ہیں :-

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

عشرہ مبشرہ میں سے اس وقت سات حضرات ہی رہ گئے تھے جن میں سے چھ یہ تھے۔ ساتویں حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید تھے حضرت عمرؓ نے انہیں اس کمیٹی میں نہ رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ کی ہدایت تھی کہ ان حضرات میں سے کسی ایک کو خلیفہ اسلام منتخب کر لیں۔

جس پر اتفاق ہو جائے ان حضرات میں حضرت علیؓ شامل تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں حضرات حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو ایک دوسرے پر پورا اعتماد تھا اور یہ ان اکابر کی دانشمندی کا ایک اعلیٰ ثبوت ہے۔

مسند حمیدی اور صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ :-

—— انی قد جعلت ھذا الامر بعدی الی ھؤلاء ستة الذین قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وھو عنھم راضٍ وھم عثمان وعلی والزبیر وطلحہ
وعبد الرحمان بن عوف وسعد بن ابی وقاص۔ فمن
استخلف فھو الخلیفہ۔ علہ

یعنی خلافت کا معاملہ میں نے اپنے بعد ان شش افراد کے سپرد کر دیا ہے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم سے راضی ہو کر رخصت ہوئے تھے۔ ان کے اسماء یہ ہیں۔

عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ، زبیر بن عوامؓ، طلحہ بن عبیداللہؓ
عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ،
ان میں سے جس کو خلیفہ منتخب کریں وہی خلیفہ ہو گا۔

شیعہ کی طرف سے تائید

مذکورہ مجلس شوریٰ کے انعقاد اور حضرت علیؓ کے شمول کے متعلق شیعہ کے اکابر علماء و مجتہدین نے تسلیم کیا ہے کہ واقعتہً منتخب شوریٰ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو شامل کیا گیا تھا اور ان پر پختہ اعتماد کیا گیا تھا۔

...... قال (عامر بن واثلہ) احتضر عمر بن
الخطاب جعلھا شوری بین علی بن ابی طالب وعثمان بن
عفان وطلحۃ والزبیر وسعد بن ابی وقاص وعبد الرحمٰن

علہ (۱) مسند حمیدی ص۱۸ ج اول تحت احادیث عمر طبع کراچی
(۲) بخاری شریف ص۵۲۳ ج اول باب مناقب عثمان وقصۃ البیعۃ طبع نور محمدی دہلی
(۳) المصنف لابن ابی شیبہ ص۵۷۴ ج۱۴ طبع کراچی کتاب المغازی باب ماجاء فی خلیفہ عمر بن الخطاب
(۴) المصنف لابن ابی شیبہ ص۵۷۷ ج۱۴ طبع کراچی۔
(۵) مسند امام احمدؒ ص۱۵ ج اول تحت مسانید عمر بن الخطاب۔

https://www.KitaboSunnat.com

بن عوف رضی اللہ عنہم و عبد اللہ بن عمر فیمن یشاور ولا یولی۔" علہ

حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے انتقال کا وقت جب قریب ہُوا تو انہوں نے چھ افراد کی ایک مجلس شوریٰ قائم کر دی اس میں حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف شامل تھے اور اپنے فرزند عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق فرمان دیا کہ اس کو مشورہ میں تو لیا جائے لیکن والی اور حاکم نہ بنایا جائے۔

مجلس ہذا کا انتخاب حضرت عمرؓ کی طرف سے ملتِ اسلامیہ کی حفاظت اور بقاء کے لئے تھا اور اس معاملہ میں دوسرے اکابرین کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب پر پورے وثوق کے ساتھ اعتماد کیا گیا تھا اور خلافت میں منتخب ہونے کے لئے آپ کو بھی یہ موقعہ فراہم کیا گیا۔ یہ ان حضرات کے باہمی تعاون کی دلیل ہے۔ اور اپنے فرزند کے متعلق والی بنانے کی نفی کرنا حضرت عمرؓ کے کمال، اخلاص اور اعلیٰ دیانت کا واضح ثبوت اور ایک کھلا برہان ہے۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا مناسب ہے کہ حضرت فاروقؓ کا اپنے فرزند کے حق میں مذکورہ وصیت کرنے کا مسئلہ شیخ الطوسی شیعی نے امالی میں صراحۃً درج کیا ہے۔

علہ (۱) الامالی للشیخ طوسی شیعی ص ۱۶۸-۱۶۹ طبع نجف اشرف

(۲) علل الشرائع الصدوق شیعی ص ۱۷۱ باب ۱۳۴ طبع نجف اشرف

(۳) تاریخ یعقوبی شیعی ص ۱۶۰ ج ۲ تحت حالات وفات عمرؓ طبع بیروت

(۴) مروج الذہب للمسعودی الشیعی ص ۳۱۲ ج ۲ تحت ذکر خلافت عمر بن الخطاب۔

سیدنا علیؓ کو سیدنا عمرؓ کا اراضی عطا کرنا

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جناب علی المرتضیٰؓ کو خصوصی رعایات کے تحت حضرت عمرؓ کی طرف سے ایک قطعہ اراضی "ینبع" کے مقام پر عنایت کیا گیا تھا اور یہ مقام حسن اتفاق سے زرخیز تھا اور پھر اس میں قدرتی طور پر پانی کا ایک چشمہ بھی جاری ہو گیا جس کی وجہ سے اس قطعہ اراضی کی آمدنی حضرت علی المرتضیٰؓ کے لیے معقول ذریعہ معاش بن گئی۔ جیسا کہ ابن ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہما نے ذکر کیا ہے۔

"۔۔۔۔۔ عن جعفر عن ابیہ ان عمرؓ اقطع علیاً ینبع واضاف الیہا غیرھا۔" [1]

اس کی تفصیلات کے لیے کتاب "رحماء بینھم" حصہ فاروقی آخر باب دوم ص ۱۸۹-۱۹۰ ملاحظہ فرمادیں۔

---

[1] المصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۵۵ ج ۱۲ کتاب الجہاد (طبع کراچی)

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا

حضرت مرتضیٰؓ کا فاروقی اعمالنامے پر اظہار رشک

جب انتقال ہوا تو تمام صحابہ کرامؓ اور دیگر اہل اسلام کے لیے یہ ایک عظیم سانحہ تھا اور صحابہ کرامؓ اپنی اپنی جگہ پر کمال تأسف اور غم والم کا اظہار کر رہے تھے۔

اس دوران حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے کمال عقیدت کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ سے فرمایا:

امام محمد باقرؒ سے منقول ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے ہیں اور حضرت فاروقؓ پر وفات کے بعد چادر ڈالی ہوئی تھی اس وقت فرمانے لگے کہ اس کفن پوش سے بہترین میرے نزدیک کوئی شخص نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوں جیسا کہ ان کا اعمالنامہ ہے میرا اعمالنامہ بھی اسی کے مشابہ ہو۔

"——— عن ابی جعفر محمد بن علی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہ قال لعمر وھو مسجّٰی ما احد احب الی ان القی اللہ تعالیٰ بمثل صحیفتہ من ھذا المسجّٰی" [1]

(بقیہ حاشیہ) (۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص۲۲ ج۶ (طبع دکن) تحت اقطاع الموات

(۳) وفاء الوفاء للسمہودی ص۱۳۳۳ ج۴ فصل ثامن تحت لفظ "ینبع"

(۴) معجم البلدان یاقوت حموی ص۴۵۰ ج۲۰ تحت "ینبع" طبع بیروت

[1] (۱) کتاب الآثار لامام ابی یوسفؒ ص۲۱۵ روایت ۹۵۲ طبع مصر

(۲) کتاب الآثار امام محمدؒ ص۱۳۶ باب فضائل صحابہ طبع لکھنؤ قدیم

(۳) مسند امام احمدؒ ص۱۰۹ ج۱ تحت مسندات علی بن ابی طالب

(۴) طبقات ابن سعد ص۲۶۹-۲۷۰ ج۳ تحت حالات عمر بن الخطاب

شیعہ کی طرف سے تائید

حضرت علیؓ کی طرف سے اظہار عقیدت کے مذکورہ کلمات جو حضرت فاروق اعظمؓ کے حق میں مذکور ہوئے ہیں اس سے ان دونوں اکابر کے روابط اور باہمی احساسات خوب واضح ہوتے ہیں۔

یہ کلمات شیعہ علماء نے بھی اپنی روایات میں درج کیے ہیں اور حضرت علیؓ نے انکو بطور رشک اور رغبت کے اظہار فرمایا ہے۔

شیخ صدوق شیعی نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں یہ کلام مرتضوی باسند نقل کیا ہے:

—— نظر الی الثانی وھو مسجّی بثوبہ ما احد احب الیّ ان القی اللہ بصحیفتہ من ھذا المسجّی..... الخ[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام محمد باقر نقل کرتے ہیں کہ جب عمر بن الخطاب کو غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا تو اس وقت حضرت علیؓ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ ان پر اللہ کی رحمت اور صلوات ہوں۔ روئے زمین پر کوئی شخص میرے نزدیک تم میں سے اس کفن پوش سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب نہیں کہ اس جیسے اعمالنامہ کے ساتھ میں اللہ سے جا کر ملوں۔

قارئین کرام پر واضح رہنا چاہیے کہ حوالہ جات کی تمام بلفظہٖ عبارتیں پیش کرنے سے تطویل ہوتی ہے اس بنا پر جو مختصر عبارت ہوتی ہے وہ ذکر کر دی جاتی ہے اس مقام کی مفصل عبارت الشافی بع تلخیص کی ہے اس کی طرف رجوع فرما کر تسلی کر لیں۔

بقیہ حاشیہ (۵) المصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷-۳۸ ج ۱۲ کتاب الفضائل (طبع کراچی)۔

[1] (۱) کتاب معانی الاخبار للشیخ الصدوق ص ۱۱۷ طبع قدیم ایران باب ۲۲۵۔

(۲) کتاب الشافی للسید مرتضیٰ عالم الہدیٰ ص ۱۷۱ طبع قدیم مع تلخیص شافی ص ۴۲۸۔

دفن فاروقی میں حضرت علیؓ کا تعاون

حضرت فاروق اعظم خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا اور یہ غسل اور کفن پوشی کے بعد دفن کا مرحلہ پیش آیا اور حضرت فاروق اعظمؓ کا دفن روضہ اقدس نبوی میں تجویز ہوا اس وقت دفن کرنے کے انتظامات اکابر صحابہ کرامؓ نے سرانجام دیئے جو حضرات خاص طور پر دفن کرنے کے لیے حضرت فاروق کی قبر میں اترنے والے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ۔ علی المرتضیٰ۔ حضرت عثمان اور حضرت زبیر وغیرہم۔ حضرت فاروق کو دفن کرنے اور قبر میں اتارنے میں ہر شش اہل شوریٰ شریک و شامل تھے صرف حضرت طلحہؓ اس وقت اتفاقاً موجود نہ تھے (مدینہ طیبہ سے باہر گئے ہوئے تھے)

اس آخری مرحلہ میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا شریک ہونا اور شامل رہنا یہ ان کے عملی تعاون کا بیّن ثبوت ہے اور باہمی مودت و رفاقت کا پتہ دیتا ہے۔

"۔۔۔۔۔۔ ونزل فی قبرہ مع ابنہ عبداللہ اھل الشوریٰ سوی طلحۃ فانہ کان غائباً" [1]

خلافت فاروقی کے بارہ میں حضرت علیؓ کا فیصلہ

مندرجات بالا کے آخر میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک فرمان نقل کر کے ہم اس بحث کو ختم کرنے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے دورِ خلافت میں فرمایا کرتے تھے کہ عمر بن الخطابؓ امور خلافت کے معاملہ میں بہترین توفیق دیئے گئے تھے اور ان مسائل میں صحیح اور درست فیصلہ کرنے والے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! ان امور میں ہرگز

---

[1] البدایہ ابن کثیر ص۱۴۵ طبع اول مصر ج ۷

(۲) الکامل ابن اثیر ص۲۸ ج۳ باب قصۃ الشوریٰ

(۳) تاریخ ابن جریر طبری ص۳۵ ج۵ تحت قصۃ الشوریٰ (سنہ ۲۳ ھ)

تغیر نہیں کروں گا جن کو حضرت عمرؓ نے سرانجام دے دیا ہے۔

سمع (عبد خیر) علیاً یقول ان عمرؓ کان موفقاً رشیداً فی الامور واللہ لا اغیر شیاً صنعہ عمرؓ۔

مضمون بالا کو درج ذیل علماء نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

۱۔ تاریخ کبیر امام بخاریؒ ص ۱۴۵ ج ۴ قسم ثانی

۲۔ کتاب السنۃ للامام احمدؒ ص ۱۹۹ طبع مکہ مکرمہ

۳۔ کتاب الخراج لیحیٰ بن آدم ص ۲۳-۲۴ طبع مصر

۴۔ المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۲ ج ۱۲ کتاب الفضائل روایت ۱۲۰۵۴ تحت ماذکر فی فضل عمر بن الخطابؓ ۔ طبع کراچی۔

۵۔ کتاب الاموال لابی عبید ص ۳۳۲ طبع مصر

عہد فاروقی پر ایک نظر

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں بڑے اہم مناصب پر فائز رہے ہیں اور ان کا حکومت اسلامیہ میں بڑا بلند مقام تھا۔ مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے۔
اور قضاء وافتاء کے مرتبہ میں چیف قاضی اور مفتی اعظم تھے۔
اور مجلس مشاورت میں ان کے مشورے کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔
بعض اوقات حضرت علیؓ کو حضرت عمرؓ کی نیابت مدینہ منورہ پر حاصل ہوتی تھی۔
عہد فاروقی میں ان کو غنائم اور ہدایا برابر ملتے رہے اور آپ انہیں قبول کرتے رہے جس طرح کہ سابقہ ذکر کر دیا گیا ہے۔
مزید برآں ان کا خلیفہ ثانی سے رشتہ داری کا تعلق ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم کا حضرت فاروق اعظم کے نکاح میں ہونا

مسلمات میں سے ہے۔

یہ تمام چیزیں حضرت علی المرتضیٰ کے خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ عملی تعاون کی بہترین نظیریں ہیں۔

اور شیعہ علماء و مجتہدین نے حضرت علیؓ کے اس تعاون اور تعامل کو عبارت ذیل کی شکل میں تسلیم کیا ہے۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ لکھتے ہیں کہ:

...... حتی بایع[1] القوم وحضر مجالسهم[2] و دخل فی آرائهم[3] وصلی مقتدیاً[4] بهم واخذ[5] اعطیتهم۔"

۱۔ یعنی حضرت علیؓ نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کی۔

۲۔ اور ان کی مجالس میں شامل ہوتے رہے۔

۳۔ اور ان کے مشوروں اور آراء میں داخل اور شریک رہے۔

۴۔ اور ان کی اقتداء میں دائماً نمازیں ادا کرتے رہے۔

۵۔ اور ان کے عطیات اور اموال حاصل کرتے رہے۔[1]

مختصر یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عملی زندگی کا یہ ایک مختصر نمونہ ہے جو پیش خدمت کر دیا گیا۔ جس سے فاروقی دور میں حضرت علیؓ کا کردار آشکارا ہوتا ہے اور خلیفہ ثانی کے ساتھ آپ کا تعاون واضح ہوتا ہے۔

---

[1] کتاب تنزیہ الانبیاء والائمۃ ص ۱۳۲-۱۳۳ طبع ایران۔ از سید مرتضیٰ علم الہدیٰ تحت ان علیاً لم ینازع المتأمرین۔

خلافت عثمانی اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ

فاروقی دور کے بعد عہد عثمانی شروع ہوتا ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی کے متعلق اس دور کی چند چیزیں ذکر کرنی مقصود ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خاندانی تعلق اختصاراً پیش کر دیا جائے تاکہ ہر دو خاندانوں کی باہمی قرابت داری ایک نظر میں ناظرین کے سامنے آجائے۔

اس چیز کے بیان کرنے سے نسلی تعصبات اور خاندانی عصبیت کے پروپیگنڈے کا جواب ہوسکے گا اور ان دونوں خاندانوں کا باہمی قرب بھی واضح ہو جائے گا۔

نسبی تعلق

(۱) آپ (حضرت عثمان) حضرت علی المرتضیٰ رضی کی سگی پھوپھی (عمہ محترمہ) ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب کی دختر اروی بنت کریز کے فرزند ہیں۔ یعنی حضرت عثمان رض حضرت علی رض کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے ہیں۔

حضرت عثمان کی والدہ اروی بنت کریز مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ان کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ اور ان کو ہجرت مدینہ کا شرف بھی نصیب ہوا۔ اروی نے اپنے فرزند حضرت عثمان غنی رض کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[1]

(۲) سیدنا حضرت حسین ابن علی رض نے اپنی صاحبزادی حضرت سکینہ بنت حسین رض کا نکاح حضرت عثمان رض کے پوتے زید بن عمر بن عثمان سے کیا[2] اور دوسری صاحبزادی حضرت

---

[1] (۱) طبقات ابن سعد ص ۱۶۶ ج ۸ تحت اروی بنت کریز۔ طبع ایران

(۲) کتاب المحبر لابی جعفر ص ۴۰ طبع دکن

(شیعہ) (۳) منتہی الآمال للشیخ عباس القمی الشیعی جلد اول فصل نہم (رباب احوال اقرباء رسول خدا

[2] (۱) طبقات ابن سعد ص ۳۴۹ ج ۸ تحت سکینہ بنت حسین رض (طبع لیدن)

(۲) کتاب نسب قریش لمصعب الزبیری ص ۵۹ ج ۲ طبع مصر

فاطمہ بنت حسین کا نکاح بھی حضرت عثمان بن عفانؓ کے دوسرے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے ہوا[1]

مذکورہ بالا چند رشتہ داریاں حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے خاندانوں کی مختصراً پیش خدمت ہیں۔ اس کی بقدر ضرورت تفصیلات راقم نے کتاب "رحماء بینھم" جلد سوم حصہ عثمانی کے باب اول میں ذکر کر دی ہیں اس مقام میں اس خاندان کے بقایا نسبی روابط بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ قارئین رجوع فرما کر مستفید ہوں۔

مذکورہ نسبی روابط کے ذریعے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ ان ہر دو خاندانوں کے درمیان قبائلی تعصّب یا خاندانی رقابت ہرگز نہیں تھی یہ حضرات آپس میں متفق اور متحد تھے اور قبائلی عصبیّت پر دلالت کرنے والی روایات قابل اعتبار نہیں ہیں۔

خلیفہ ثالث کے ساتھ بیعت

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے انتقال کے قریب چھ اکابر صحابہ کرام کی مسئلہ خلافت کے لیے مجلس شوریٰ قائم فرما دی تھی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں "شوریٰ کے انتخاب میں حضرت علیؓ کا شمول" کے عنوان کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ مجلس شوریٰ میں شریک و شامل تھے۔ مجلس شوریٰ نے طریق کار اس طرح اختیار کیا کہ حضرت زبیرؓ نے اپنی رائے کا اختیار حضرت علیؓ کے حق میں دے دیا۔ حضرت طلحہؓ نے اپنی رائے کا اختیار حضرت عثمانؓ کے حق میں دے دیا۔ اور حضرت سعدؓ نے اپنا حق اختیار حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کے سپرد کر دیا۔ اس طرح

---

[1] (۱) طبقات ابن سعد ص۳۴۷-۳۴۸ ج۸ تحت فاطمہ بنت حسینؓ

(۲) کتاب نسب قریش ص۱۱۴ جلد۴ طبع مصر

(۳) مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصفہانی (شیعی) ص۷۶ طبع ایران تحت ذکر محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان۔ (شیعہ)

ان منتخب شدہ ہر تین۳ حضرات میں سے حضرت عبدالرحمان بن عوف نے فرمایا کہ میں خود خلیفہ نہیں بننا چاہتا۔ آپ دونوں حضرات اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیں پھر میں تم میں سے جس کو منتخب کر دوں اس پر دوسرا فریق راضی ہو جائے اور اس کی اطاعت قبول کرے۔

اس پر دونوں حضرات (حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عثمانؓ) رضامند ہو گئے اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے ضروری جستجو اور غور و فکر اور ان دونوں بزرگوں سے گفت و شنید کے بعد صحابہ کرامؓ کے اجتماع میں پہلے ایک موثر تقریر کی اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر پہلے خود بیعت کی اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ نے اسی مجلس میں حضرت عثمان غنیؓ کی بیعت کی۔ بعدہٗ باقی لوگوں نے بیعت کی۔

...... اول من بایع لعثمان عبد الرحمان بن عوف ثم علی بن ابی طالبؓ۔

مسئلہ ہذا مندرجہ ذیل مقامات میں اپنی تفصیلات کے ساتھ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

(۱) طبقات ابن سعد ص ۴۲-۴۳ ج ۳ طبع لیدن۔ تحت ذکر بیعت عثمانؓ

(۲) بخاری شریف ص ۵۲۵ ج اول باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان بن عفانؓ۔

(۳) طبقات ابن سعد ص ۲۴۵ جلد ۳ تحت تذکرہ استخلاف عمرؓ۔

(۴) المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۵۷۸ ج ۱۴ کتاب المغازی تحت ما جاء فی خلافت عمرؓ طبع کراچی۔

(۵) الاصابۃ لابن حجر ص ۵۰۱ ج ۲ تحت تذکرہ علی بن ابی طالبؓ

(۶) (شیعہ) الامالی للشیخ طوسی الشیعی ص ۱۲۱ ج ۲ طبع نجف اشرف

(۷) (شیعہ) ناسخ التواریخ از لسان الملک مرزا محمد تقی جلد دوم کتاب دوم ص ۴۹۹ تحت بیعت با عثمان بن عفان۔ (طبع قدیم ایران)

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلیفہ منتخب ہونے پر علماء نے لکھا ہے کہ اس دور کے تمام صحابہ کرامؓ اور دیگر حضرات نے اتفاق کیا تھا۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا اور حضرت علی المرتضیٰ کی جانب سے بھی کسی قسم کی نااتفاقی کا مظاہرہ ہرگز نہیں پایا گیا تھا۔[1]

اس کی تفصیلات راقم کی کتاب "رحماء بینھم" جلد سوم حصہ عثمانی باب دوم تحت مسئلہ بیعت ذکر ہو چکی ہیں۔

اہم امور میں تعاون

خلافت عثمانی کے ایام میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ اہم معاملات میں ہمیشہ تعاون قائم رہتا تھا۔ اس سلسلہ میں چند ایک چیزیں مختصراً درج کی جاتی ہیں:

قضایا میں مشاورت

جس طرح خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی کے ادوار میں حضرت علی المرتضیٰؓ فیصلہ اور قضاء کے معاملات میں تعاون کرتے تھے اسی طرح خلافت عثمانی میں بھی حضرت علی المرتضیٰؓ ان مسائل کے حل کرنے میں شریک و شامل رہتے تھے۔

چنانچہ شیعہ علماء نے اس مسئلہ کو اپنی اپنی سند کے ساتھ امام جعفر صادقؒ سے ذکر کیا ہے:

------ ان ابا بکر و عمر و عثمان کانوا یرفعون الحدود الی علی بن ابی طالب ------ الخ[2]

---

[1] منہاج السنۃ لابن تیمیہ ص۲۳۳/۲۳۴ جلد ۳ تحت الخلاف الثامن فی امرۃ الشوریٰ۔ طبع جدید لاہور۔

[2] جعفریات ملحقہ بہ قرب الاسناد ص۱۳۳ (طبع تہران) باب دیۃ الہاشمیۃ وغیرھا۔

یعنی امام جعفر صادق اپنے آباء سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ عمر اور عثمانؓ حدود کے مقدمات کو علیؓ بن ابی طالب کے سپرد کر دیتے تھے۔

یہ اشتراک عمل ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ امور خلافت میں تعاون ہے اس لیے کہ خلیفۃ المسلمین کے لیے بیک وقت تمام امور کو بذات خود سرانجام دینا بہت مشکل ہے۔ بنا بریں تقسیم کار کے طور پر بعض دفعہ اس نوع کے مقدمات حضرت علی المرتضیٰؓ کے ذمہ لگا دیئے جاتے تھے اور وہ اپنی خداداد صلاحیت کی بنا پر یہ مسائل بڑے عمدہ طریقہ سے سرانجام دیتے تھے۔

شیعہ کے اس حوالہ کے بعد اہل سنت کی اپنی کتب سے ذکر کیا جاتا ہے کہ جب حضرت عثمان غنیؓ تنازعات کے فیصلہ کے لیے تشریف فرما ہوتے اور ان کی خدمت میں مدعی اور مدعا علیہ پیش ہوتے تو آپؓ ایک فریق کو فرماتے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو جا کر بلا لائیں اور دوسرے فریق کو فرمان دیتے کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور دیگر جماعت صحابہؓ کو بلا لائیں۔ اس کے بعد فریقین کے بیانات سماعت فرماتے پھر ان حضرات کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے کہ آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟ اگر ان حضرات کی رائے اور حضرت عثمانؓ کی ذاتی رائے اس معاملہ میں ایک جیسی ہوتی تو اسی وقت حکم نافذ فرما دیتے اور اگر رائے میں کچھ اختلاف ہوتا تو باہمی غور و فکر کے بعد فیصلہ دیتے۔ چنانچہ علامہ بیہقی کے الفاظ یہ ہیں:

... کان عثمان اذا جلس علی المقاعد جاءہ الخصمان فقال لاحدھما اذھب ادع علیاً وقال للآخر اذھب فادع طلحۃ والزبیر ونفراً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یقول لھما تکلما ثم یقبل علی القوم فیقول ما تقولون؟ فان قالوا ما یوافق رأیہ امضاہ

دالّۃ نظر فیہ بعد۔" [1]

یہاں سے حضرت علی المرتضیٰ کا خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ سے امور خلافت میں تعاون وتعامل روز روشن کی طرح واضح ہے۔

اجرائے حدود

اجرائے حدود کے متعدد واقعات عثمانی دور میں ملتے ہیں جن کو سیدنا عثمانؓ نے فیصلہ کرنے کے لیے حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔

(۱) مثلاً خلافت عثمانی میں یحنس اور اس کی بیوی صفیہ مال غنیمت میں بطور خمس قید ہو کر آئے تھے۔ صفیہ نے ایک قیدی سے زنا کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا۔ یہ مسئلہ حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؓ نے اسے فیصلہ کے لیے حضرت علی المرتضیٰ کے سپرد کر دیا۔ حضرت علی نے فرمان نبویؐ کے مطابق زنا کے بچے کو خاوند کے سپرد کیا اور مملوک زانی اور مملوکہ زانیہ کو پچاس پچاس دُرّے لگوائے۔

"۔۔۔۔ فقال علیؓ لعثمانؓ اقضی بینھما بقضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر وجلدھما خمسین خمسین۔" [2]

(۲) حضرت عثمان کے دور خلافت میں ایک شخص نے دوسرے شخص کے ساتھ بدفعلی کی یہ واقعہ عدالت عثمانی میں پیش ہوا۔ حضرت علی مجلس قضا میں موجود تھے حضرت عثمانؓ نے دریافت فرمایا کہ یہ شخص شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ؟ تو لوگوں نے بتایا کہ اس شخص کا نکاح ہو چکا ہے مگر رخصتی نہیں ہوئی۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا اگر یہ شخص شادی شدہ ہوتا اور رخصتی ہو چکی ہوتی تو اس پر رجم واجب تھا

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۱۲ جلد۱۰ باب من لیشاور۔ کتاب آداب القاضی۔

[2] مسند امام احمدؒ ص۱۰۴ جلد اول تحت سندات علیؓ (طبع اول) معہ منتخب العمال۔

یعنی اس کو سنگسار کیا جاتا لیکن اب اس صورت میں اس پر صرف درے لگائے جائیں گے۔
اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اس فیصلے کے اجراء کا حکم صادر فرمایا۔ اور بدکار شخص کو یکصد درے لگائے گئے۔

---- فقال علی لعثمان لو دخل بها لحل علیه الرجم
فاما اذا لم یدخل بها فاجلده الحد ------
فامر به عثمان فجلد مائة ۔[1]

فیصلہ عثمانی میں حضرت علیؓ کا تعاون

ایک ہاشمیہ (ہند بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب) اور ایک انصاریہ دونوں ایک شخص حبان بن منقذ کے نکاح میں تھیں حبان نے انصاریہ کو طلاق دے دی اور بعدہ فوت ہو گیا۔ انصاریہ مرضعہ تھی اور ابھی اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی نیز اسے طلاق کے بعد ایک سال تک حیض نہ آیا۔ تو انصاریہ نے حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کے ہاں حبان کی میراث میں حصہ کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد انصاریہ کو میراث سے حصہ دلوا دیا۔ اس پر ہاشمیہ برافروختہ ہوئی تو حضرت عثمانؓ نے جواب میں فرمایا کہ یہ فیصلہ میں نے تمہارے چچازاد بھائی علیؓ کی رائے سے کیا ہے۔"

------ فلامت الهاشمیة عثمان فقال هذا عمل ابن عمك هو اشار علینا بهذا یعنی علی بن ابی طالب "[2]

---

[1] (۱) مجمع الزوائد للہیثمی ص ۲۷۲ ج ۶ باب ماجاء فی اللواط"
(۲) کنز العمال ص ۹۹ ج ۳ بحوالہ طب طبع اول قدیم
(۳) ازالۃ الخفاء کامل فارسی ص ۱۸۲ تحت آیت ۲۶ طبع اول قدیم۔

[2] (۱) موطا امام مالکؒ ص ۲۰۸ باب طلاق المریض (مطبوعہ مجتبائی دہلی)
(۲) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۱۱ ج ۵ باب ما قالوا فی الرجل یطلق امرأته ---- الخ (دکن)

اس طرح عدالتی امور میں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ معاون رہتے تھے۔

اس مضمون کی مزید تفصیلات رحماء بینھم حصہ سوم عثمانی باب چہارم میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

عہد عثمانی میں جمع قرآن کے مسئلہ میں حضرت علیؓ کا تعاون

۲۵ھ میں ملک شام کے علاقہ آرمینیا اور عراق کے علاقہ آذربائیجان میں اہلِ اسلام کفار کے خلاف برسرپیکار تھے۔ مسلمانوں کی افواج میں عرب کے مختلف قبائل جمع تھے ان لوگوں میں اپنے اپنے قبائل کی لغت کے لحاظ سے قرآن مجید میں قرأۃ کا اختلاف پیدا ہوا صحابہ کرامؓ میں سے حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے قبائل میں باہمی قرأت کے اختلاف کو شدت سے محسوس کیا اور معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر فوراً مرکز اسلام مدینہ شریف میں پہنچے۔ حضرت حذیفہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان خلیفہ ثالث کی خدمت میں پہنچ کر اپنی پریشانی کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا:

"..... یا امیر المؤمنین! اَدرِک ھٰذِہِ الامۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیھود والنصارٰی"۔ [1]

(بقیہ حاشیہ) (۳) کتاب السنن سعید بن منصور ص۲۰۸ جلد ۳ قسم اول (مجلس علمی ڈابھیل)

(۴) الموطا امام محمدؒ ص۲۶۹ طبع مصطفائی قدیم باب المرأۃ یطلقہا زوجہا طلاقاً ..... الخ

[1] مشکوٰۃ شریف ص۱۹۳ تحت فضائل القرآن۔ الفصل الثالث۔ طبع دہلی۔

واضح رہے کہ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ بخاری شریف واقعہ ہذا کا ایک حصہ منقول ہے اس کا بقایا حصہ دیگر کتب حدیث و تاریخ (مثلاً المصاحف لابن ابی داود السجستانی و فتح الباری۔ والبدایہ وغیرہ) میں پایا جاتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی اے امیرالمومنین ! اس امت کو پیشتر اس کے کہ وہ کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگیں سنبھال لیجئے ایسا نہ ہو جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنی اپنی آسمانی کتب میں اختلاف کر چکے ہیں۔

آسمانی کتابوں میں ان کا یہ اختلاف ان کے مذاہب میں باعث فساد و افتراق ہوا تھا۔ کہیں اہل اسلام میں بھی اس نوع کا انتشار قائم نہ ہو جائے۔

تنبیہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے ہاں اختلاف قرأت اختلاف فی القرآن نہ سمجھا جاتا تھا ورنہ سوال اس انداز میں نہ ہوتا حضرت حذیفہ کو جو فکر تھی وہ صرف یہ کہ اختلاف قرأت کہیں اختلاف فی القرآن کا ذریعہ نہ بن جائے۔

ان حالات کو معلوم کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے اکابر صحابہ کرام کے مشورہ سے مندرجہ ذیل صورت اختیار فرمائی۔

خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کے دور کا مدون شدہ قرآن مجید کا اصل نسخہ جو ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطابؓ کے پاس تھا ان سے عاریۃً منگوا کر اس کے متعدد نسخے بلغت قریش پر تحریر اور مرتب کروائے اور ممالک اسلامیہ کی طرف ایک ایک نسخہ قرآن مجید کا ارسال فرما دیا[1] اور اس کے ماسوا دیگر لغات میں لکھے ہوئے نسخوں کو

(بقیہ حاشیہ) اور خصوصاً البدایہ جلد سابع ص ۲۱۶/۲۱۷ فصل فی مناقب عثمان کی ابتدا میں جمع مصحف کے اس مسئلہ کو نہایت عمدہ طریق سے بیان کیا ہے۔

[1] (شیعہ) کی "تاریخ یعقوبی شیعی ص ۱۷۰ ج ۲ تحت ایام عثمان" میں یوں تفصیل منقول ہے کہ یہ نو (۹) عدد نسخے تھے اور کوفہ[1] بصرہ[2] مدینہ مکہ مصر شام بحرین یمن الجزیرہ[9] کی طرف ارسال کرائے تھے۔ یہ شیعہ مؤرخین کے بیان کے مطابق درج کیا ہے۔"

اور اہل السنۃ علماء کے بیان کے موافق ہفت عدد نسخے تیار کرائے گئے تھے...... فکتب لاہل الشام مصحفاً۔ ولاہل مصر آخر۔ وبعث الی البصرۃ مصحفاً۔ والی الکوفۃ بآخر۔ وارسل الی مکۃ مصحفاً۔ والی

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

تلف کرادیا۔ اور یہ تمام کارگذاری (یعنی صحیح نسخوں کا مدوّن کرنا اور قرآن کے ماسوا کا تلف کرنا وغیرہ) اکابر صحابہ کرامؓ کی رائے اور مشورہ سے ہوا تھا

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسئلہ ہذا کی مجلس مشاورت میں بذات خود موجود تھے اور مشورہ دینے والے تھے یہ حضرت عثمان کا کوئی تفرد نہ تھا۔

چنانچہ اس مسئلہ میں حضرت علیؓ کے صحیح اقوال جو صحیح سند کے ساتھ اکابر مفسرین ومحدثین اور مورخین نے نقل کیے ہیں ان میں سے ہم چند ایک پیش کرتے ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمادیں۔

(۱) حضرت سوید بن غفلہ (جو حضرت علی المرتضیٰؓ کے براہ راست شاگرد ہیں) بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے لوگوں کے مجمع میں اعلان فرمایا کہ:

"...... یا ایھا الناس! لا تغلوا فی عثمان ولا تقولوا له الا خیراً فی المصاحف واحراق المصاحف فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملاء منا جمیعاً۔" [1]

(بقیہ حاشیہ) الیمن مثلہ۔ واقرّ بالمدینۃ مصحفاً"

(۱) البدایہ ص۲۱۶ ج۷ فصل فی مناقب عثمان الخ

(۲) فتح الباری شرح بخاری شریف ص۱۴ ج۹ تحت باب جمع القرآن۔

[1] (۱) کتاب المصاحف ص۲۲،۲۳ للحافظ ابی بکر عبداللہ بن ابی داؤد السجستانی تحت عنوان اتفاق الناس مع عثمان علی جمع المصاحف۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری شریف ص۱۵ ج۹ باب جمع القرآن

(۳) تفسیر اتقان للسیوطی ص۵۹ تحت النوع الثامن عشر فی جمعہ وترتیبہ۔

(۴) البدایہ لابن کثیر ص۲۱۷ ج۷ تحت فصل (من مناقبہ عثمان الکبار وحسناتہ العظیمۃ الخ)

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں اے لوگو! عثمانؓ کے حق میں اس معاملہ میں غلو مت کرو اور ان کے حق میں کلمات خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ اللہ کی قسم! جناب عثمانؓ نے مصاحف کے بارے میں اور ان کے تلف کرنے میں جو معاملہ کیا وہ ہماری جماعت کی رائے اور مشورہ کے موافق کیا ہے یعنی ہماری منشاء کے خلاف ہرگز نہیں کیا فلہذا ان کے حق میں کوئی غلط رائے قائم نہ کی جائے۔

(۲) نیز حضرت سیدنا علیؓ کے شاگرد سوید بن غفلہؒ کا ہی بیان ہے کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے سنا آپؓ فرماتے تھے:

"۔۔۔یقول رحم اللہ عثمان لو ولیتہ لفعلت ما فعل فی المصاحف" [۱]

یعنی حضرت علیؓ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ عثمانؓ پر رحم فرمائے اگر میں والی اور حاکم ہوتا تو مصاحف کے بارہ میں وہی معاملہ کرتا جو عثمان نے کیا ہے۔

(۳) اسی طرح اس مقام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک تیسرا فرمان بھی علماء کرام نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ فرمودات زیادہ تر سیدنا علیؓ کے اپنے عہد خلافت کے ہیں آپ کے باعتماد شاگرد سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ

"۔۔۔قال (سوید بن غفلہ) قال علیؓ فی المصاحف لو لم یصنعہ عثمان لصنعتہ" [۲]

---

[۱] کتاب المصاحف ص۲۲ تحت اتفاق الناس مع عثمان علی جمع المصاحف) لابن ابی داؤد۔

(۲) تفسیر البرہان فی علوم القرآن ص۲۴۰ ج اول طبع اول لامام بدر الدین زرکشی۔

[۲] (۱) کتاب المصاحف ص۱۲ تحت عنوان اتفاق الناس مع عثمان علی جمع المصاحف (طبع اول مصر)

(۲) البدایہ لابن کثیر ص۲۱۸ ج۷ فصل فی مناقب عثمان (طبع اول مصر)

(۳) کتاب التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان لمحمد بن یحییٰ اندلسی ص۱۵

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

یعنی حضرت علی نے فرمایا : مختلط تحریرات کو تلف کرنے کا کام) اگر بالفرض حضرت عثمانؓ نہ کرتے تو میں کر دیتا۔"

مطلب یہ ہے کہ امت کی عظیم مصلحت اور قرآنی حفاظت کی خاطر یہ ایسا اہم کام تھا اور بنیادی حیثیت رکھتا تھا کہ اگر بالفرض حضرت عثمان ایسا نہ کر پاتے تو میں اس طرح ضرور کرتا اور اسے مکمل کر دیتا۔"

(۴) نیز شہادت عثمانی سے قبل مفسدین کے اعتراضات کے جوابات حضرت علی المرتضیٰؓ نے بڑے عمدہ طریقہ سے پیش کئے تھے۔ ان میں سے " احراق مصاحف " کا جو طعن حضرت عثمانؓ پر مفسدین نے کیا تھا اس کا جواب بھی حضرت علی المرتضیٰؓ نے دیا تھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ :

------ واما المصاحف فانما حرق ما وقع فیه اختلاف وابقی لهم المتفق علیه، کما ثبت فی العرضة[1] الاخیرة "۔[2]

" مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے نسخوں میں جو (قرآت یا لغت کے اعتبار سے) اختلاف واقع ہوا تھا۔ اس کو تلف کیا گیا تھا اور متفق علیہ چیز کو مصاحف میں برحال رکھا۔"

(بقیہ حاشیہ) تحت ذکر حدیث المصاحف وتحریقها ۔"

(۲) تفسیر روح المعانی سید محمود الوسی ص۲۳ جلد اول بحث اقوال العلماء فی جمع المصحف ۔

[1] قوله العرضة الاخیرة ۔ ای التی درسها جبرائیل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی آخر سنی حیاته۔"

[2] البدایہ لابن کثیر ص۱۷۱ ج۷ تحت ثم دخلت سنة خمس وثلاثین ۔۔۔۔ الخ

عظیم کارنامہ

___ کبار علماء نے اس مقام میں سیدنا عثمانؓ کی اس خدمت کو قابل قدر الفاظ کے ساتھ تحریر کیا ہے اور اسے عظیم کارنامہ قرار دیا ہے۔

___ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ :

"۔۔۔۔۔ ولقد وفق لامر عظیم ورفع الاختلاف وجمع الکلمة واراح الامة" [1]

"یعنی حضرت عثمانؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم خدمت سرانجام دینے کی توفیق عطاء فرمائی۔ اس سے اُمت کا یہ اختلاف رفع ہوگیا۔ مسلمانوں کا کلمہ مجتمع رہا۔ اہلِ اسلام کو انتشار کی مصیبت سے راحت ملی اور یکسوئی نصیب ہوئی۔"

◎

---

[1] تفسیر البرھان فی علوم القرآن لبدر الدین الزرکشی ص۲۳۹ جزء اوّل تحت نوع ۱۳۔ طبع اوّل۔

رفع اشتباہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جمع قرآن اور حفاظت قرآن کی مساعی جمیلہ کے سلسلہ میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں ان میں " ان یحرق " وغیرہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

اس چیز سے مخالفین حضرت عثمانؓ آنحضرت پر قرآن مجید کے جلانے "کا طعن تجویز کرتے ہیں اور گویا اس طرح آنجنابؓ کے " جمع قرآن " اور "حفاظت قرآن" کے اس اہم اور بے نظیر کارنامے کو باطل کرنے میں سعی لاحاصل کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان روایات کے محامل اور معانی جو اکابر علماء نے ذکر کیے ہیں ان کو پیش نظر رکھا جائے تو طعن مذکور زائل ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

چنانچہ ہم ان روایات کے معانی اور محامل کو متعدد صورتوں میں پیش کرتے ہیں۔

اوّل

پہلی صورت یہ ہے کہ اکثر روایات میں یہ لفظ " خرق " (بالخاء المعجمۃ) کے ساتھ مذکور ہے اور اکابر علماء نے اس امر کی تصریح کر دی ہے چنانچہ شیخ بدرالدین العینیؒ اور شیخ ابن حجر عسقلانی اور ملا علی قاری وغیرہم علماء نے یہ مسئلہ اس طرح درج کیا ہے :

----- قولہ " ان یخرق " بالخاء المعجمۃ روایۃ الاکثرین وبالمھملۃ روایۃ المروزی وبالوجھین بروایۃ المستملی وبالمعجمۃ اثبت [1]

[1] (۱) عمدۃ القاری لبدرالدین العینی ص ۲۰ ج تحت کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

یعنی بیشتر روایات کے اعتبار سے "ان یخرق" کا کلمہ "خا" معجمہ منقوطہ کے ساتھ منقول ہے اور شیخ مروزی کی روایت میں یہ لفظ یحرق حاء مھملۃ غیر منقوطہ کے ساتھ مذکور ہے اور المستملی کی روایت دونوں طریق (معجمہ ومھملتہ) کی صورت میں پائی جاتی ہے لیکن معجمہ منقوطہ کے ساتھ زیادہ ثابت اور مضبوط ہے۔

یہاں سے واضح ہو گیا کہ اگرچہ نقل روایت میں اختلاف موجود ہے تاہم اکثر روایات کے لحاظ سے خرق بالخاء المعجمۃ منقوطہ صحیح ہے "خرق" کے معنیٰ نقض اور قطع کے ہیں یعنی توڑ پھوڑ دینا اور چیز کو قطع کر دینا۔ چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ:

۔۔۔۔ وقد یروی بالمعجمۃ ای ینقض ویقطع۔۔۔۔ الخ [1]

فلہٰذا ان مصاحف کو اس موقعہ پر توڑ پھوڑ دیا گیا اور قطع کر دیا گیا۔

دوم

دوسری صورت یہ ہے کہ روایت (یحرق) حاء المھملۃ) غیر منقوطہ کی شکل میں مروی ہے۔

"حرق اور احراق" کے ایک معنیٰ جلنے اور جلانے کے ہیں اور اس کے دیگر معانی میں لغت عرب میں "چھیلنے اور رگڑ چھنے" کے بھی ہیں۔ چنانچہ اس پر کبار اہل لغت کے حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

(۱) امام راغب الاصفہانی نے مفردات القرآن میں ذکر کیا ہے کہ:

بقیہ حاشیہ

(۲) فتح الباری شرح بخاری ص۱۷ جلد ۹ تحت باب جمع القرآن۔

(۳) المرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۹ ج ۵ تحت فصل الثالث من باب۔

[1] المرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۹ ج ۵ لعلی القاری۔ طبع ملتان۔

حرق ۔۔۔۔ وحرق الشیئ اذا بردہ بالمبرد وعنہ

استعیر حرق الناب [1]

یعنی حرق الشیئ کا مفہوم یہ ہے کہ "اس نے کسی چیز کو ریتی سے رگڑا اور چھیلا اور اسی سے ہے کہ اس نے دانت پیسے رگڑے اور کرچے"

(۲) زمخشری نے لغت حدیث کی کتاب الفائق میں تحریر کیا ہے کہ :

۔۔۔۔ ویجوز ان یکون من (حرق) الشیئ اذا بردہ بالمبرد۔" [2]

یعنی حرق کے معانی میں سے یہ معنی بھی ہے کہ "اس نے ریتی کے ساتھ رگڑا اور چھلا۔"

(۳) ابن اثیر نے لغت حدیث "النہایہ" میں اور شیخ طاہر الفتنی نے "مجمع البحار" میں "حرق" کا معنی مذکور ذکر کرنے کے بعد حدیث سے اس کی مزید تائید ذکر کی ہے :

(ومنہ الحدیث) یحرقون انیابھم غیظا وحنقاً ای یحکون بعضہا علی بعض۔" [3]

یعنی وہ (دوزخی لوگ) غیظ وغضب اور گھٹن کی وجہ سے اپنے دانت پیستے اور رگڑتے ہوں گے۔

(۴) صاحب قاموس نے اپنی مشہور لغت میں "حرق" کے مادہ کے تحت جہاں دیگر معانی لکھے ہیں وہاں مندرجہ ذیل معنیٰ بھی لکھا ہے :

---

[1] مفردات القرآن للراغب الاصفہانی ص۱۱۳ تحت حرق۔ طبع مصر۔

[2] کتاب الفائق لزمخشری ص ۱۲۶/۱۲ جلد اول تحت نھی عن حرق النواۃ۔

[3] (۱) النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر لابن اثیر الجوزی ص۲۱۹ ج اول تحت "حرق"

(۲) مجمع البحار للشیخ محمد طاہر الفتنی ص۲۵۶ ج۱ تحت حرق۔ طبع نول کشور۔

"۔۔۔۔ حرقہ بردہ وحك بعضہ ببعض وانابہ مُحْرِقَةٌ وَمُحُرُقَةٌ سحقہ حتی سمع لہ صریف" ۔ [1]

یعنی اس کو چھیلا اور ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کھرچا اور دانتوں کو پیسا کہ اس کی آواز سنائی دی۔

مقصد یہ ہے کہ "حرق" کے معنیٰ چھیلنے کھرچنے اور رگڑنے کے بھی لغت عرب میں موجود اور مستعمل ہیں جیسا کہ ہم نے اس چیز پر مندرجہ بالا حوالہ جات درج کر دیئے ہیں تو "ان یحرق" کے الفاظ (حاء المهملة) کے ساتھ جو روایات مذکور ہیں ان کا مفہوم اس طرح بیان کر دیا جائے کہ مصاحف میں قرآن مجید کے ماسوی چیزوں کو کاٹ دیا گیا یا رگڑ کر انہیں صاف کر دیا گیا یعنی ماسوی القرآن کو تلف کر دیا گیا۔

بعض ائمہ حضرات نے جو ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جمع قرآن مجید کے سلسلہ میں مختلف مصاحف کو جلا دیا تھا وہ روایت صحیح نہیں ہے"

حالانکہ یہ روایت باعتبار اسناد کے صحیح ہے تو ان اقوال اور روایات کے مابین توفیق و تطبیق کی بہتر صورت یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ "حضرت عثمانؓ کے حکم سے وہ تفسیری نوٹ اور اپنی اپنی یادداشتوں کے طور پر جو الفاظ اور عبارات ماسوی القرآن تھیں ان کو کھرچ اور رگڑ کر صاف کر دیا گیا اور مصاحف کو جلایا نہیں گیا۔ اس طریقہ سے روایت (ان یحرق) کی صحت بھی اپنی جگہ قائم رہتی ہے اور احراق مصاحف کا اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا۔

سوم

تیسری صورت یہ ہے کہ ان مصاحف کو (جن سے ایک صحیح نسخہ مرتب کیا گیا تھا)

[1] (۱) القاموس لمجدالدین فیروزآبادی ص۱۰۹۵ تحت مادہ "حرق" طبع قدیم۔

(۲) مختار الصحاح الرازی ص۱۳۶۹ (تحت حرق) طبع مصر۔

پہلے دھو ڈالا گیا اور پھر ان کو مبالغۃً جلا دیا گیا۔

اس چیز کو اکابر علماء نے ذکر کیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالہ سے اس مسئلہ کو پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ ذکر کیا ہے :

۔۔۔۔ جزم عیاض بانھم غسلوھا بالماء ثم احرقوھا مبالغۃً فی اذھابھا۔ [1]

یعنی قاضی عیاضؒ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان مصاحف مختلفہ کو پہلے پانی سے دھو ڈالا گیا تھا اور پھر اس کے بعد مبالغۃً ان کو جلا دیا گیا تھا۔

اس طریقہ سے مسئلہ ہذا میں استخفاف اور استحقار کی صورت باقی نہیں رہتی جو موجب اعتراض بنتی ہے۔

اور یہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں جہاں احراق مصحف کی روایات ہیں وہاں ان میں پہلے ان مصاحف مختلفہ کو دھو ڈالنے کا عمل کیا گیا اس کے بعد ان کو مبالغۃً جلا دیا گیا۔

چہارم

اس موقعہ پر شیعہ کے قدیم علماء نے مسئلہ ہذا کو بیان کرتے ہوئے اگرچہ قبل کے ساتھ احراق مصاحف کا قول بھی لکھا ہے تاہم عمومی بیان میں بالفاظ ذیل یہ درج کیا ہے کہ :

۔۔۔۔ سلقھا بالماء الحار والخل ۔۔۔۔ الخ [2]

یعنی ان مصاحف کو گرم پانی اور سرکہ میں ڈال کر ابالا اور جوش دیا گیا اس طریقہ سے ان مصاحف کو تلف کرنے کی تدبیر کی گئی۔

---

[1] فتح الباری شرح بخاری ص ۱۷ ج ۹ تحت باب جمع القرآن

[2] تاریخ یعقوبی الشیعی ص ۱۷ ج ۲ تحت بحث ہذا۔

مندرجات بالا کی روشنی میں معترضین کا اعتراض زائل ہے اور اس میں کوئی وزن نہیں۔

۱۔ حاصل یہ ہے کہ تحفظ کتاب اللہ عہد عثمانی کا اہم کارنامہ ہے۔ اس میں اکابر صحابہ کرامؓ کے مشورہ کے مطابق عمل درآمد کیا گیا۔ جن میں حضرت علی المرتضیٰؓ بھی شریک وشامل تھے۔

۲۔ کتاب اللہ کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی تھی اب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کے سامان ان حضرات کے ذریعے[ے] پورے فرما دیئے۔

۳۔ پھر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے دور میں اور اس سے قبل بھی اس واقعہ کی بڑی اہمیت بیان فرمائی۔ اور معترضینِ عثمانؓ کو تسلی بخش جواب دیتے ہوئے ان کی طرف سے پورا پورا دفاع کیا۔

۴۔ ان واقعات سے عثمانی دور میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا تعاون واضح ہے۔ اس کو تقیہ شریف پر محمول کرنے کا یہاں کوئی جواز نہیں ملتا۔

ے قولہ : ان حضرات کے ذریعے ...... الخ

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تمام کدوکاوش قرآن مجید کو غیر قرآنی الفاظ وعبارات کے اختلاط والتباس سے محفوظ رکھنے کے لیے تھی اور یہ مساعی جمیلہ قرآن مجید کے تجرد اور تحفظ کی خاطر تھیں۔

اکابر صحابہ کرام اس مسئلہ میں امیر المومنین عثمان غنیؓ کے ساتھ تعاون کئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے سابق اقوال مندرجہ سے واضح ہے۔

البتہ بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق بعض چیزیں ایسی ذکر کی گئی ہیں جن سے آنجنابؓ کا امیر المومنین سے مسئلہ جمع مصاحف میں اختلاف رائے پایا جانا مذکور ہے۔ یعنی اس معاملہ میں ابن مسعودؓ کی رائے دوسری تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے پہلے اس مسئلہ میں اختلاف رائے

کا اظہار فرمایا۔

لیکن جب حضرت امیرالمؤمنین عثمانؓ نے دیگر صحابہ کرامؓ کی رائے سے اتفاق کرنے کی آپؓ کو دعوت دی تو آپؓ نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور اس مسئلہ میں اپنے اختلاف کو ختم کر کے ان کے ہم نوا ہو گئے اور پھر کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس چیز کو "البدایۃ" میں عبارت ذیل نقل کیا ہے:

"۔۔۔ فکتب الیہ عثمانؓ رضی اللہ عنہ یدعوہ الی اتباع الصحابۃ فیما اجمعوا علیہ من المصلحۃ فی ذالک وجمع الکلمۃ وعدم الاختلاف فاناب و اجاب الی المتابعۃ و ترک المخالفۃ رضی اللہ عنہم اجمعین" [1]

یعنی ابن مسعودؓ کی طرف حضرت عثمانؓ نے مراسلہ بھیجا اس میں مصلحت دینی میں اتفاق رکھنے اور کلمۂ اسلام پر اجتماع کرنے اور اختلاف ختم کرنے کی انہیں دعوت دی۔ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے اتباع کرنے کی ترغیب دلائی۔

پس ابن مسعودؓ نے اس دعوت اتحاد پر لبیک کہا اور مخالفانہ رائے کو چھوڑ دیا اور اپنے موقف سے رجوع فرما لیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔

اس کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ نے جمع قرآن و حفاظت قرآن کے مسئلہ میں دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ اتفاق کر لیا تھا اور اختلاف ختم کر دیا۔ پھر لوگوں کو مسئلہ ہذا کے متعلق مندرجہ ذیل طریقے سے ہدایات فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] البدایہ والنہایۃ لابن کثیرؒ ج۷ ص۲۱۷ تحت فصل و من مناقبہ الکبار و حسناتہ العظیمۃ۔۔۔۔

(۱) ۔۔۔۔ عن ابی ذعراء قال ابن مسعودؓ جردوا القرآن یقول لاتلبسوا به ما لیس منه۔" [1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں کو تلقین فرماتے تھے کہ قرآن مجید کو غیر قرآنی الفاظ و عبارات سے الگ اور علیحدہ رکھو۔ اور فرماتے کہ جو (چیز) قرآن مجید میں سے نہیں ہے اس کا قرآن مجید کے ساتھ اختلاط نہ کرو۔

(۲) ۔۔۔۔ عن عبد اللہ رأی خطاً فی مصحفٍ فحکّہ وقال لا تخلطوا فیہ غیرہ۔" [2]

(۳) عن ابن مسعود قال عبد اللہ جردوا القرآن ولاتلبسوا به ما لیس منه۔" [3]

یعنی ابن مسعودؓ نے بعض مصاحف کے ساتھ کچھ تحریر لکھی ہوئی دیکھی (جو قرآن مجید میں سے نہیں تھی) تو آپؓ نے اسے کھرچ کر صاف کر دیا اور فرمایا کہ قرآن مجید میں ماسوی القرآن کو نہ ملاؤ اور اس کا کسی دوسری چیز کے ساتھ التباس و اختلاط نہ ہونے دو۔

خلافت عثمانی میں حضرت علی کا تراویح پڑھانا

جس طرح فاروقی دور میں تراویح کی جماعت باقاعدگی سے مساجد میں ہوتی تھی اسی طرح خلافت عثمانی کے دوران بھی ہوتا رہا۔ اور بعض اوقات خود حضرت علی المرتضیٰ بہ جماعت کراتے تھے۔ چنانچہ محدثین کرام نے لکھا ہے کہ:

---

[1] المصنف لعبدالرزاق ص ۳۲۳ ج ۴ باب ما یکرہ ان یصنع فی المصاحف آخر کتاب الصیام طبع مجلس علمی

[2] المصنف لابن ابی شیبة ص ۴۹۷ ج ۲ کتاب الصلوات تحت فی التعشیر فی المصحف۔ طبع کراچی۔

[3] المصنف لابن ابی شیبة ص ۴۹۸ ج ۲ کتاب الصلوات تحت فی التعشیر فی المصحف۔ طبع کراچی۔

ـــــــ عن الحسنؒ امّنا علی بن ابی طالب فی زمن عثمان عشرین لیلۃ ثم احتبس فقال بعضھم قد تفرغ لنفسہ ثم امّھم ابو علیمۃ معاذ القاری ..... الخ [1]

یعنی حسنؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ہمیں بیس راتیں (تراویح کی) امامت کرائی اور نماز پڑھائی پھر بقایا راتوں میں آپ نے اپنے آپ کو روک لیا (تشریف نہ لائے) اور بعض لوگ کہنے لگے کہ حضرت علیؓ نے اپنے لیے وقت نکال لیا ہے (یعنی آپ اپنی عبادت میں مشغول ہو گئے ہیں) پھر ابو حلیمہ معاذ القاری نے ان لوگوں کی امامت کرائی ...... الخ

معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا تعاون اس دور میں نماز تک کے مسائل تک وسیع تھا۔ حتیٰ کہ نوافل کی امامت بھی بعض دفعہ آپ کراتے تھے۔

حضرت علیؓ کا مالی عطیات اور وظائف کو قبول کرنا

عہد عثمانی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیثیت ایک مرکزی وزیر اور مشیر کی تھی۔ مرکز میں جو اہم مسائل خلیفہ کے لیے پیش آئے تھے ان کے فیصلہ میں حضرت علیؓ ایک اعلیٰ رکن کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

حضرت سیدنا عثمانؓ کے دور میں مختلف ممالک میں غزوات پیش آئے بسنہ ۲۶/۲۷ھ میں طرابلس اور افریقہ کے غزوات پیش آئے ان میں حضرت علیؓ کی اولاد شریف حسنین شریفینؓ اور حضرت علیؓ کے برادر زادے عبداللہ بن جعفر طیار شریک

---

[1] کتاب قیام اللیل وقیام رمضان والوتر ص۱۵۵ باب صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعۃ لیلۃً تطوعاً فی شھر رمضان۔ از محمد بن نصر المروزی۔

قتال رہے[1]

اسی طرح خراسان، وطبرستان، اور جرجان وغیرہ علاقوں میں سنہ ۳۰ھ میں غزوات پیش آئے تو اس وقت بھی حسنین شریفین اور حضرت علی کے چچا زاد برادر عبداللہ بن عباس وغیرہ ان غزوات میں شریک رہے ہیں[2]

اس طریقہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے تعاون ان مواقع میں ہمیشہ قائم رہا ہے اسی سلسلہ میں جو "مالی عطیات" اور "ہدایا" جو مفتوحہ ممالک سے پہنچتے تھے انہیں حضرت علی المرتضیٰؓ قبول فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ سنہ ۳۰ھ میں جب خراسان کے علاقے آمل اور مرو وغیرہ مقامات مفتوحہ سے عبداللہ بن عامر واپس مع اموال غنائم مدینہ شریف پہنچے ہیں تو اہل مدینہ کو انہوں نے عطیات دیئے اور حضرت علیؓ کو ان میں سے تین ہزار درہم بھجوائے۔ جب حضرت عثمان کو یہ چیز معلوم ہوئی تو حضرت عثمان غنیؓ ابن عامر سے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اتنی قلیل رقم کیوں ارسال کی؟ پھر عبداللہ بن عامر نے حضرت عثمانؓ کی رضامندی سے بیس ہزار درہم مزید بھجوائے اور کچھ دیگر اشیاء بھی ساتھ ارسال کیں ۔۔۔۔۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ اموال مرسلہ قبول فرمائے اور ابن عامر کے حق میں تعریف کے کلمات بیان کیے[3]

اس نوع کے واقعات مزید مطلوب ہوں تو رحماء بینہم حصہ عثمانی باب چہارم کی طرف مراجعت درکار ہے۔

---

[1] (۱) تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۰۳ ج ثانی تحت ولایت عبداللہ بن ابی سرح علی مصر و فتح افریقہ۔

(۲) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۴ جلد اول تحت سنہ ۲۷ھ۔

[2] (۱) البدایہ ابن کثیر ص ۱۵۴ جلد ۷ تحت سنہ ۳۰ھ۔

(۲) تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۱۸ جلد ثانی تحت عنوان غزوہ طبرستان۔ طبع بیروت۔

[3] (۱) طبقات ابن سعد ص ۳۳ جلد ۵ تحت تذکرہ عبداللہ بن عامر (طبع لیدن)

عہدِ عثمانی اور سیدنا علی المرتضیٰؓ

ایک نظر میں

- حضرت علیؓ اور حضرت عثمان کا باہم نسبی تعلق اور خاندانی قرب باقی خلفاء سے زیادہ ہے۔
- اور بخوشی و رضا حضرت عثمان کے ساتھ حضرت علیؓ کا بیعت کرنا مسلّم ہے۔
اہم امورِ خلافت میں مشورے دینا۔
- افتاء و قضاء کے مناصب قبول کرنا۔
- دیگر امور (ملکی انتظامات) میں شامل و شریک ہونا۔
- جمع مصاحف جیسے اہم مسائل میں ساتھ ہونا۔
- اس دور کی قومی و ملی جنگوں میں اولادِ ابی طالب کا شریک ہونا اور غنائم و عطایا مالی حاصل کرنا وغیرہ وغیرہ

یہ تمام امور حضرت علیؓ کے عملی کردار و اخلاق کو واضح کرتے ہیں۔ اور مسئلہ تعاون کو خوب آشکارا کرتے ہیں۔ ان چیزوں کو وقتی مصلحت مبنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اور تقیہ کی غلط تاویل کے ساتھ مؤول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ تاویل روایت و درایت دونوں کے خلاف ہے۔

اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی شانِ دیانت اور شانِ اخلاص سے اس کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔

عثمانی رضؓ خلافت کے آخری ایام
اور
مرتضوی رضؓ خلافت کا ابتدائی دور

گزشتہ سطور میں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے افعال و کردار جو خلفاء ثلاثہ کے دور میں پیش آئے مختصراً مذکور ہوئے۔ اور ان کے عملی اقدامات کا اجمالاً بیان ہوا اب سیدنا عثمان رضؓ بن عفان کی شہادت اور اس کے متعلقات کو پہلے ذکر کرنا مناسب ہے اور اس کے بعد سیدنا علی رضؓ کی اپنی خلافت کا ابتدائی دور شروع ہوگا۔ اس میں ان کے انتخاب کا مسئلہ اور بیعت خلافت کے مراحل اور اس کے بعد کے واقعات حتی المقدور ایک ترتیب سے ذکر کرنے کا قصد ہے (بعونہ تعالی)

شہادت عثمانی رضؓ

شہادت عثمانی کے متعلق اگرچہ قبل ازیں کتاب "رحماء بینھم" حصہ عثمانی کے باب پنجم کے عنوانات میں اور بعد میں کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" کی بحث خامس میں بیان مراحل کے تحت یہ چیزیں بقدر ضرورت بیان ہو چکی ہیں تاہم اس موقعہ پر بھی اس مسئلہ کو تسلسل مضمون کی ضرورت کے تحت بالاختصار بیان کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے۔ نیز ان واقعات کے ذکر کرنے کے بغیر مضمون مربوط نہیں رہ سکتا۔ اور اس دور کے حالات کا باہم ارتباط قائم نہیں ہو سکتا اس وجہ سے بعض اشیاء کا یہاں اعادہ کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔

شہادت عثمانی کے وقوع کے دواعی اور اسباب کیا تھے؟ اس کو اختصاراً پیش کیا جاتا ہے۔

اسلام کا جب اقوام عالم پر غلبہ ہو گیا اور بے شمار قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہو کر

اسلامی اقتدار کے تحت آگئیں اور ان میں اس کے روکنے کی امید اور ہمت نہ رہی تو اس وقت بعض اقوام جو اسلام کے ساتھ خاص عداوت وکینہ رکھتی تھیں انہوں نے اسلام کا شیرازہ بکھیرنے اور کلمۂ واحدہ میں افتراق پیدا کرنے کے لیے یہ صورت اختیار کی کہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اہلِ اسلام میں داخل ہوئے ان کا پروگرام یہ بنا کہ انتشار واختلاف پیدا کیا جائے اس کے بغیر غلبہ اسلام کو روکا نہیں جا سکتا تھا اور اسلام اور اہل اسلام کے مضبوط اقتدار کو کمزور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ان مخالفین اسلام نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق خلیفہ اسلام کے خلاف شورش اٹھائی اور انہیں ظلماً شہید کر ڈالا۔

شہادت عثمانی کی وجہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں بعض اہم عہدوں پر اپنے رشتہ داروں کو مسلط کر دیا تھا اور انہوں نے احکام اسلامی کے خلاف اقدامات کیے تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر عوام خلیفہ اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ یہ نظریہ ایک عام تاریخی روایات کے تحت سطحی طور پر تجزیہ کیا گیا ہے حقیقت واقعہ دوسری چیز ہے جس کو خود حضرت علی المرتضیٰ نے واضح فرمایا آپ سے آپ کے دورِ خلافت میں لوگوں نے سوال کیا کہ قتل عثمانؓ پر لوگوں کو کس چیز نے برانگیختہ کیا تو اس کے جواب میں جناب علی المرتضیٰؓ نے ارشاد فرمایا کہ حسد اور عناد کی بنا پر لوگوں نے یہ فعل کیا۔

(۱) قیل لعلی بن ابی طالبؓ ما حملھم علی قتل عثمانؓ ؟ قال:

الحسد"۔ لہ

نیز حضرت علی المرتضیٰ نے واقعہ جمل سے قبل ذاقار کے علاقہ میں ایک خطبہ دیا تھا جس میں آپ نے جاہلیت کے دور کا ذکر فرمایا پھر اسلام کے اقتدار کا ذکر فرمایا پھر ان لوگوں کا ذکر

لہ کتاب السنۃ امام احمدؒ ص۱۹۷ طبع مکہ مکرمہ

کیا جنہوں نے یہ حوادث اور مصائب اس امت پر لا کر کھڑے کیے ہیں۔ اور فرمایا کہ یہ اقوام دنیا کی طالب ہیں انہوں نے اس انعام اور فضیلت پر حسد کیا ہے جو اللہ نے اس امت پر فرمائی ہے اور انہوں نے اسلام اور اس کے (فضل و کمال) کی چیزوں کو (از راہ حسد) پس پشت ڈال دینے کا قصد کر رکھا۔

(۲) ثم حدث هذا الحدث الذی جرّه علی هذه الامة اقوام طلبوا هذه وحسدوا من النعم الله علیه بها وعلی الفضیلة التی منّ الله بها وارادوا ردّ الاسلام والاشیاء علی ادبارها والله بالغ امره ...... الخ۔[1]

فلہذا اس دور کے اکابر صحابہ کرامؓ کی تصریح کے مطابق حضرت عثمان کی شہادت مفسدین نے محض اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ عناد اور حسد کی بنا پر کی تھی اور مسلمانوں کے درمیان افتراق ڈالنے کے لیے کی تھی۔

قاتلین کیسے لوگ تھے؟

علماء نے اس کی وضاحت فرمادی ہے چنانچہ امام نووی نے مسئلہ ہذا کے متعلق شرح مسلم شریف میں فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ مظلوماً قتل کیے گئے تھے اور ان کے قتل کرنے والے فسادی اور فاسق لوگ تھے۔

وجہ یہ ہے کہ اسلام میں قتل کرنے کے اسباب منضبط ہیں (یعنی جس نے کسی کو قتل[1] کیا ہو یا زانی شادی[2] شدہ ہو یا دین[3] سے مرتد ہو گیا ہو)

ان وجوہ کی بنا پر مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ اور ان اسباب میں سے کوئی ایک

---

[1] (۱) تاریخ طبری ص ۱۹۴ ج ۵ تحت ۳۶ھ تحت عنوان نزول امیرالمومنین ذاقار

(۲) البدایہ ابن کثیر ص ۲۳۸ ج ۷ تحت واقعات در جمل

(۳) الفتنۃ ووقعۃ الجمل ص ۱۴۴ سیف بن عمر الضبی الاسدی۔

بھی یہاں نہیں پایا جاتا تھا اور نہ ہی حضرت عثمانؓ سے ان چیزوں میں سے کوئی بات صادر ہوئی تھی۔

یہ چیز اچھی طرح عیاں ہے کہ قتل عثمانی میں صحابہ کرامؓ شامل نہ تھے حضرت عثمان کو قتل کرنے والے ناکارہ افراد کمینے اور ذیل طبقہ کے لوگ تھے اور یہ سب فسادی عنصر تھا۔ ان لوگوں نے خلیفہ اسلام کے خلاف ایک جماعت قائم کی اور مصر وغیرہ سے (فاسد ارادہ کے تحت) یہاں مدینہ شریف پہنچے اور اس وقت جو صحابہ کرامؓ موجود تھے وہ ان فسادیوں کی مدافعت سے عاجز آگئے پھر کچھ ایام ان لوگوں نے دار خلافت کا محاصرہ جاری رکھا اور آخر موقعہ پا کر حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا۔

(۱) ——— وقتل مظلوماً وقتلته فَسَقَة" لان موجبات القتل مضبوطة ولم يجر منه رضی الله عنه مايقتضيه ولم يشارك فی قتله احد من الصحابه وانما قتله همج ورعاع من غوغاء القبائل وسفلة الاطراف والارذال. تحزبوا وقصدوا من مصر فعجزت الصحابة الحاضرون عن دفعهم فحصروه حتى قتلوه رضی الله عنه" [1]

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے قرۃ العینین میں واقعہ ہذا کو مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے۔

(۲) قومے از مصریان کہ نہ از صحابہ بودند، و نہ از تابعین لہم باحسان بلکہ بقلت تدین موصوف، و بہ بدنہادی معروف، بسبب کینہ ہائے چند

---

[1] (۱) نوادی شرح مسلم شریف ص ۲۷۳ ج ۲ طبع نور محمد دہلی تحت کتاب الفضائل الصحابہؓ

(۲) البدایہ ص ۱۹۸ ج ۷ طبع اول مصری۔

بمدینہ شریف آمدند۔ وبر ذوالنورینؓ تضییق نمودند۔" [1]

مطلب یہ ہے کہ مصر وغیرہ سے ایک گروہ مدینہ شریف میں آیا یہ لوگ نہ صحابہؓ میں سے تھے اور نہ ان کے اچھے تابعین میں سے تھے۔ بلکہ ان لوگوں میں دینداری کم تھی اور بد نہادی میں مصروف تھے اور کینہ در تھے۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر دائرہ حیات تنگ کر دیا۔

مسئلہ ہذا کی تائید قتل عثمانی میں صحابہ کرامؓ بالکل شامل نہ تھے اس کی مسئلہ کی مزید تائید مطلوب ہو تو مندرجہ ذیل حوالہ جات کی طرف رجوع کرنے سے اطمینان ہو سکے گا۔

(۱) ابوالشکور السالمی نے اپنی تصنیف کتاب التمہید ص ۱۶۴ تحت القول الرابع فی خلافۃ عثمان۔ (طبع لاہور) میں لکھا ہے کہ

---- بقی اناس مصر ولم یکن معہم من الصحابۃ احد فنقبوا جدارۃ ودخلوا علیہ وقتلوہ مظلوما الخ

یعنی (قتل کے موقعہ پر) مصری لوگ تھے ان کے ساتھ صحابہ میں سے کوئی ایک نہ تھا۔ دیوار کو پھاند کر داخل ہوئے اور عثمان کو مظلوماً قتل کر دیا۔"

(۲) اسی طرح قاضی ابوبکر ابن العربی نے العواصم من القواصم ص ۱۳۶ (تحت مسئلہ قتل عثمان) طبع لاہور۔ میں ذکر کیا ہے کہ

ان احدا من الصحابۃ لم یسع علیہ ولا قعد عنہ الخ

یعنی صحابہ نے حضرت عثمان کے خلاف مساعی میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی ان سے رو گرداں ہوئے۔"

---

[1] قرۃ العینین از شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۱۴۴ طبع مجتبائی دہلی تحت مآثر علی رضی اللہ عنہ

(۲) منہاج السنۃ لابن تیمیہ ص ۱۸۶ جلد ثانی۔ طبع لاہور

(۳) اور ابن کثیر نے البدایہ ص۱۸۵ ج۷ میں تحت قتلہ رض لکھا ہے کہ :

...... تسوروا علیہ الدار واحرقوا الباب ودخلوا علیہ ولیس فیہ احد من الصحابہ الخ۔

یعنی حملہ آور لوگ دیواروں پر چڑھ کر آئے اور دروازہ کو جلا دیا اور ان میں صحابہ کرام رض میں سے کوئی ایک بھی شریک قتل نہ تھا۔

بعض مؤرخین نے قتل عثمان رض میں بعض صحابہ کا نام (عمرو بن الحمق وغیرہ) ذکر کیا ہے حقیقت واقعہ یہ ہے کہ مشاہیر صحابہ کرام رض میں سے کوئی صاحب بھی قتل ہذا میں شریک نہ تھا۔ مؤرخین کا یہ قول مجروح اور متروک ہے۔

وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ تو مؤرخین عمرو بن الحمق کو قاتلین حضرت عثمان میں شامل قرار دیتے ہیں اور بعض دوسرے مقامات میں اسی شخص کو قاتلین سے خارج گردانتے ہیں اس طرح مسئلہ ہذا میں متضاد اقوال پائے جاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام نووی ابن تیمیہ ابو الشکور السالمی ابن العربی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہم جیسے اکابر علماء کی تصریحات کے بالمقابل کسی غیر معروف راوی کا قول قابل تسلیم اور لائق التفات نہیں ہے۔ نیز کسی مؤرخ کے بے سند قول کی بنا پر ان حضرات کے فیصلے کو رد کر دینا انصاف کے خلاف ہے۔

فلہذا اس مسئلہ میں صحیح پوزیشن یہی ہے کہ کسی معروف صحابی نے قتل عثمان میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی کوئی صحابی اس قتل میں شریک ہوا۔

مطالبات قاتلین عثمان رض

علماء فرماتے ہیں کہ بعض فسادی گروہ مصر وغیرہ سے جو حضرت عثمان رض کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے انہوں نے بظاہر مطالبات ذیل سامنے رکھے ہوئے تھے :

مثلاً ایک مطالبہ یہ تھا کہ آپ رض خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ آپ کے امراء جو ملک کے اطراف میں موجود ہیں ان کا عزل و نصب ہماری مرضی کے مطابق کر دیا جائے۔

اگر آپ مذکورہ بالا مطالبات پورے نہ کریں گے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔

مدعاء ایشان آنکہ یکے از سہ کار قبول نماید خلع خلافت کند، یا عزل و نصب امراء امصار بطور ما گزارد یا اورا بکشیم۔[1]

اور محاصرہ کے دوران باوجودیکہ حضرت عثمانؓ نے اپنی مدافعت کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ اور اہل مدینہ کو سختی سے منع کر دیا تھا۔ اور محاصرہ کے دوران تاہم بعض صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمان کی مدافعت میں حتی المقدور سعی کی تھی اور حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی اس موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی حفاظتی تدابیر میں پوری کوشش کی اور اپنی اولاد کے ذریعے بھی مدافعانہ کوششوں میں برابر شریک رہے۔ قبل ازیں یہ مسئلہ رحماء بینھم حصہ عثمانی باب پنجم میں درج کیا گیا۔

اور شیعہ علماء نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے ہاتھ سے اور زبان سے (حملہ آوروں کی) پوری پوری مدافعت کی لیکن کارگر نہ ہو سکی

انہ لزم بیتہ واعتزل عنہ بعد ان دافع عنہ طویلاً بیدہ ولسانہ فلم یمکن الدفع۔[2]

اس صورت میں حضرت ذوالنورینؓ نے ان کے خلافت سے دست برداری کے مطالبہ کو نہیں تسلیم کیا۔

---

[1] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص۲۴۳ از شاہ ولی اللہؒ تحت بحث مآثر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

[2] شرح نہج البلاغۃ لابن میثم بحرانی الشیعی ص۳۵۴ ج۴ طبع طہران تحت عبارت یا معاویۃ ان نظرت بعقلک دون ھواک الخ

(۲) شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید شیعی ص۲۲۹ ج۳ تحت متن انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر۔

دیگر وجوہ کے علاوہ حضرت موصوف کے سامنے وہ وصیت بھی تھی جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمائی تھی جس کو حضرت عائشہؓ نے نقل کیا ہے۔

"لعلّ اللہ یقمصك قمیصاً فان ارادوك علی خلعه فلا تخلع لھم" (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۲ بحوالہ الترمذی وابن ماجہ باب مناقب عثمانؓ الفصل الثانی)

"یعنی اے عثمان اُمید ہے اللہ تعالیٰ آپ کو قمیض (خلافت) پہنائیں گے اگر لوگ آپ سے اس قمیض کے اتارنے کا قصد کریں تو ان کے لئے قمیض (خلافت) کو نہ اتارنا۔"

خدا کی تقدیر بندوں کی تدبیر پر غالب ہوتی ہے۔ آخرکار انہوں نے حضرت عثمان خلیفہ برحق کو اٹھارہ ذوالحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ ظلماً شہید کر ڈالا۔ اور آپ وہ سعادت بھی پا گئے جو جمعہ کے دن سفر آخرت پر جانے والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

اور یہ لوگ اپنے مذموم مقصد یعنی مرکز اسلام (خلیفہ برحقؓ) کے ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ لوگ اشرار و مفسدین تھے۔ اور عبداللہ بن سبا یہودی (جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا) کی سرکردگی میں انہوں نے یہ انقلابی تحریک اٹھائی ہوئی تھی اور فساد فی الاسلام اور افتراق بین المسلمین ان کے مقاصد تھے۔ زبان سے جو مطالبات ظاہر کرتے تھے وہ سراسر دھوکہ دہی تھی اور وہ غلط پروپیگنڈا کے درجہ میں تھے حقیقت سے بعید اور واقعات سے دور تر تھے۔ ان کا اصل مدعا وہی تھا جو سابقہ ذکر ہوا ہے اسلام کی تاریخ میں سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ سانحہ عظیم تھا۔ جو صحابہ کرامؓ کے ظن و گمان کے خلاف رونما ہوا تھا۔ اکابرین حضرات اس وجہ سے ورطہ حیرت میں پڑ گئے اور قلق و اضطراب میں مبتلا ہوئے۔

حاشیہ

قولہ : ظلماً[1] شہید کر ڈالا۔

[1] بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت عثمانؓ میں اکابر صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہاتھ تھا اور ان کے ایماء پر شہادت عثمانی واقع ہوئی کہا جاتا ہے ان اکابر حضرات نے اطراف میں خطوط ارسال کر کے حضرت عثمانؓ کے خلاف انقلاب برپا کرنے کی ترغیب دلائی اور ان کو قتل کر ڈالنے پر لوگوں کو آمادہ کیا۔

اس نوع کی روایات کی بنا پر بعض لوگ مندرجہ بالا حضرات کے خلاف لب کشائی کرتے ہیں۔

ان شبہات کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر کر لینے سے ان کا ازالہ ہو جائے گا۔

پہلے جعلی خطوط کے متعلق حوالہ جات درج کیے ہیں اس کے بعد قتل عثمانیؓ سے برأت کا بیان مختصراً تحریر کیا ہے۔

جعلی خطوط سے برأت

اکابر مصنفین نے لکھا ہے کہ جس وقت بہ مقصدین مدینہ طیبہ سے واپس اپنے گھروں کو روانہ ہوئے کچھ دور جا کر پھر لوٹ کر آئے اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ حضرت عثمانؓ نے بدعہدی کرتے ہوئے ہمارے قتل کا حکم صادر کیا ہے۔ اب آپؓ ہمارے ساتھ چلیے اور حضرت عثمان سے اس معاملہ میں ہمارے لیے گفتگو کیجیے اس پر حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا:

—— لا واللہ لا اقوم معکم۔ قالوا فلم کتبت الینا

قال : لا ۔ واللہ ماکتبت الیکم کتاباً قط ۔ قال فنظر بعضھم الی بعض ثم قال بعضھم لبعض أَلھذا تقاتلون اولھذا تغضبون " ؎۱

نہیں! اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ ہرگز نہیں چلوں گا تو انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں کیوں خطوط لکھے ؟ اور خطوط کے ذریعے کیوں بلوایا؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا نہیں ۔ اللہ کی قسم میں نے تمھاری طرف کوئی خط نہیں لکھا اس پر وہ ایک دوسرے کی طرف (تعجب وحیرانی سے) دیکھنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا تم اسی کی خاطر قتال کرتے ہو؟ یا اسی کی طرفداری کے لیے غضب ناک ہوتے ہو ؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی جانب سے کئی فرضی خطوط لوگوں کو لکھے اور ایک سازش سے وہ لوگوں کو مخالفت عثمانی پر اکساتے تھے اور بہ کارکردگی یقیناً ان لوگوں کی طرف سے ایک خطرناک سازش تھی ۔

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایۃ" کے متعدد مقامات میں تحریر کیا ہے کہ جو صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ مدینہ شریف میں موجود تھے ان کی جانب سے جعلی خطوط آفاق مدینہ کی طرف لکھے گئے اور ان خطوط میں (بظاہر حضرت عثمانؓ کے عمال کی بے اعتدالیوں کی فرضی داستان ذکر کرکے) حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر لوگوں کو برانگیختہ کیا گیا اور قتال عثمانی پر آمادہ کیا گیا تھا چنانچہ لکھتے ہیں کہ :

؎۱ (۱) المصنف لابن ابی شیبۃ ص۲۱ ج ۱۵ کتاب الفتن تحت ما ذکر فی عثمان طبع کراچی

(۲) تاریخ طبری ص۱۰۰ ج ۵ تحت ۳۵ھ ذکر واقعات شہادت عثمانی

(۳) تاریخ خلیفہ بن خیاط ص۱۴۶ ج ۱ تحت ۳۵ھ

(۴) مجمع الزوائد للہیثمی ص۲۲۹ ج ۷ جلد سابع کتاب الفتن

وزورت كتب على لسان الصحابة الذين بالمدينة، وعلى لسان عليؓ وطلحة والزبيرؓ يدعون الناس الى قتال عثمانؓ و ونصر الدين، وانه اكبر الجهاد اليوم[1]

اور دوسرے مقام میں بحوالہ ابن جریر الطبری ذکر کرتے ہیں کہ:

ان الصحابة كتبوا الى الآفاق من المدينة يأمرون الناس بالقدوم على عثمانؓ يقاتلوه. هذا كذب على الصحابة، وانما كتبت كتب مزورة عليهم كما كتبوا من جهة عليؓ وطلحةؓ والزبيرؓ الى الخوارج كتبا مزورة عليهم انكروها[2]

ان کا مفہوم یہ ہے کہ جو صحابہ کرامؓ مدینہ طیبہ میں موجود تھے ان کی طرف سے خصوصاً حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ کی جانب سے آفاق مدینہ میں لوگوں کو جعلی مکتوبات ارسال کیے گئے۔ قتال عثمانؓ اور دینی نصرت کی خاطر ان خطوط میں دعوت دی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ یہ بڑا جہاد ہے اس میں شریک ہوں۔

یہ سب خطوط جعلی تھے جو ان اکابر حضرات کی طرف منسوب کر کے ملک میں پھیلائے گئے اور جب ان حضرات سے اس بارے میں رجوع کیا جاتا تو وہ متحیر ہو جاتے اور انکار کرتے اور اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے۔ ان حضرات کی صداقت و دیانت امت میں مسلم ہے اس بنا پر یقین سے کہا جاتا ہے کہ یہ مفروضہ خطوط بالکل جعلی اور غلط تھے۔

اسی طرح وہ خط جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے حاکم مصر کی جانب لکھا گیا تھا کہ ان

---

[1] البدایۃ لابن کثیر ص۱۷۳ ج۷ طبع مصر تحت ذکر مجیئ الاحزاب الی عثمان المرۃ الثانیہ من مصر۔

[2] البدایۃ لابن کثیر ص۱۷۵ ج۷ تحت ذکر مجیئ الاحزاب الی عثمان الخ

خط لانے والوں کو پہنچتے ہی قتل کر دیا جائے) وہ بھی سراسر جعلی خط تھا اور قتل عثمانؓ کے جواز پیدا کرنے کے لیے مرتب کیا گیا تھا اور اس میں حبہ برابر بھی صداقت نہ تھی۔

حضرت صدیقہؓ کی طرف سے برأت

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بھی اسی نوع کے فرضی خطوط منسوب کیے گئے تھے جو حقیقت میں ان مفسدین نے اس فتنے کو کھڑا کرنے کے لیے اطراف میں لوگوں کی طرف لکھے تھے۔

اور ان کے جعلی ہونے کا ثبوت اس طرح پایا گیا کہ جب عائشہ صدیقہ کی خدمت میں قتل عثمانؓ کی خبر پہنچی تو قاتلین کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ تم نے حضرت عثمانؓ سے اپنے مطالبات تسلیم کرا لیے پھر اس کے بعد ان کو قتل کر ڈالا۔

مسروق ایک مشہور تابعی ہیں انہوں نے اس موقعہ پر عرض کیا کہ (لوگ کہتے ہیں) یہ سارا کام آپ نے کرایا تھا۔

اور آپؓ نے لوگوں کی طرف خطوط لکھے اور ان کو عثمانؓ کے خلاف خروج کرنے کا حکم دیا۔

اس چیز کے جواب میں حضرت صدیقہؓ نے اس فعل سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لا، والذی امن بہ المؤمنون وکفر بہ الکافرون، ما کتبت لھم سوداء فی بیضاء حتی جلست مجلسی ھذا۔[1]

یعنی (یہ بات) نہیں۔ اس ذات تعالیٰ کی قسم! جس ذات پر مومن ایمان لائے اور

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۴۶ ج اول تحت ۳۵ھ

[2] البدایہ لابن کثیر ص ۱۹۵ ج ۷ طبع مصر تحت فصل فی ان مقتلہ اول الفتن والاحادیث الواردۃ فی ذالک۔

(۲) العواصم من القواصم ص ۱۳۶ طبع مصر للقاضی ابی بکر ابن العربی۔

کافر اس سے منکر ہوتے ہیں نے ان کی طرف اس مجلس کی نشست تک کوئی چٹھی نہیں لکھی تھی۔"

اس چیز میں اس بات پر واضح دلالت پائی جاتی ہے کہ ان خارجی لوگوں (یعنی مفسدین) نے صحابہ کرام کی جانب سے جعلی خطوط لکھے تھے اور اطراف و آفاق کے لوگوں کو حضرت عثمان کے حق میں بدظن کیا اور ان کے قتال پر برانگیختہ کر کے لائے تھے۔

اسی طرح ایک یہ چیز بھی ذکر کیا کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے پہلے قتل عثمانی پر لوگوں کو تحریض دلائی اور کہا کہ اس نعثل یہودی کو قتل کر ڈالو اور جب وہ قتل کئے گئے اور لوگوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کر لی تو ام المومنین حضرت علی کی عناد کی بنا پر مخالفت کرنے لگیں اور دم عثمانی کا مطالبہ کھڑا کر دیا۔" اس نوع کی روایات کے حق میں کبار علماء نے تجزیہ کر دیا ہے۔ اور فیصلہ فرما دیا ہے کہ:

"کذب لا اصل له وهو من مفتریات ابن قتیبة وابن اعثم الكوفي والسمساطي وكانوا مشهورين بالكذب والافتراء"

تفسیر روح المعانی ص۱۱ جلد ۲۲ پارہ بائیس تحت آیة وقرن فی بیوتکن - بیان براءة عائشه من مخالفة الله ورسوله -

یعنی یہ روایات بالکل دروغ ہیں ان کا کوئی اصل نہیں یہ چیزیں ابن قتیبہ اور ابن اعثم کوفی اور سمساطی جیسے لوگوں کی افترا پردازیوں میں سے ہیں یہ لوگ دروغ گوئی میں مشہور تھے اور جھوٹ تیار کر لینے میں شہرت یافتہ تھے۔

قتل عثمانی سے حضرت علی کی برأت کاملہ

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا دخل تھا اور ان کے اشارے سے یہ سانحہ رونما ہوا۔ اس قسم کی بے اصل روایات کی بنا پر کئی لوگ حضرت علیؓ کے خلاف بدظنی میں مبتلا ہو گئے۔

بہ گمان حقیقت کے برخلاف ہے واقعہ ہذا میں حضرت علی المرتضیٰ کا کوئی عمل دخل نہ تھا نہ ہی ان کی طرف سے حضرت عثمان کے خلاف کسی قسم کی تحریض وانگیخت پائی گئی تھی۔ اس پر ہم ذیل میں چند مختصر سے حوالہ جات پیش کرتے ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ کے اپنے اقوال ہیں اور ان کے احباب کے مصدقہ بیانات ہیں۔ اور ان کی جماعت کے واضح فرمودات ہیں۔ ان بیانات کے ملاحظہ کر لینے سے امید ہے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے گا یا ناظرین کرام اس مسئلہ کے حوالہ جات پر نظر غائر فرما دیں۔

(۱) ------ یقول (ابن عباس) سمعت علیاً یقول واللہ ما قتلت عثمان ولا امرت بقتلہ ولکن غلبتُ۔

(۱) المصنف لعبد الرزاق صـ۴۴۷ ج ۱۱ باب مقتل عثمانؓ روایت ۲۰۹۷۲ از مطبوعات مجلس علمی

(۲) البدایۃ لابن کثیر صـ۱۹۳ ج ۷ تحت مسئلہ ہذا

(۲) ------ عن لیث عن طاؤس عن ابن عباسؓ قال سمعت علیاً یقول حین قتل عثمانؓ واللہ ما قتلت ولا امرت ولکن غلبت یقول ذالک ثلاث مرات۔"

(طبقات ابن سعد صـ۵۷ ج ۳ تحت تذکرہ عثمان بن عفان)

(۳) ------ عن ابن عباسؓ قال قال علیؓ: ما قتلت یعنی عثمان ولا امرت۔ ثلاثاً ولکنی غلبت۔"

المصنف لابن ابی شیبہ صـ۲۰۸ ج ۱۵ کتاب الفتن (طبع کراچی)

(۴) ------ عن عبد الکریم عن ابن عباسؓ قال اشہد علی علیؓ انہ قال فی قتل عثمان لقد نھیت عنہ ولقد کنت کارھاً لقتلہ ولکنی غلبت۔"

(انساب الاشراف البلاذری ص ۱۰۱ ج ۵)

مندرجہ بالا حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ:

حضرت علی المرتضیٰؓ کے خاص معتمد حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان سے نقل فرماتے ہیں کہ (جب جناب عثمانؓ قتل کئے گئے) تو میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو فرماتے ہوئے سنا۔ اللہ کی قسم! حضرت عثمانؓ کو میں نے قتل نہیں کیا اور نہ ہی میں نے ان کے قتل کا حکم دیا ہے بلکہ میں نے قتل ہذا سے منع کیا تھا (مگر لوگوں نے میری بات نہ مانی) اور میں اس معاملہ میں مغلوب رہا۔"

حضرت علی المرتضیٰؓ کی یہ برأت بے شمار اکابر مصنفین نے بہت سے اسانید کے ساتھ نقل کی ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے یہاں لکھا ہے کہ ...... ثبت ذالك عنه من طرق تفيد القطع عند كثير من أئمة الحديث [1] یعنی کثیر محدثین سے اتنے قدر اسانید کے ساتھ یہ برأت منقول ہے کہ یقین کے درجہ میں پہنچ گئی ہے۔ ہم نے یہاں صرف حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول مختصراً ذکر کیا ہے۔

ابن عباسؓ کے ماسوا بھی بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعین نے مذکورہ برأت علوی کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن مسئلہ کی وضاحت کے لیے اتنا ہی بیان کردینا کافی خیال کیا گیا ہے حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس مسئلہ میں متعدد دفعہ اپنی برأت حلف کے ساتھ بیان فرمائی ہے اور جناب مرتضیٰؓ اپنے قول و فعل میں صادق و دیانت دار ہیں۔

دوسری چیز اس مقام میں یہ قابل ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر جب حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاں پہنچی ہے تو آپؓ نے اس وحشت ناک خبر پانے کے بعد برأت مذکورہ کے علاوہ قاتلین کے حق میں بددعا کے کلمات بھی ارشاد فرمائے۔ آپ نے قاتلین کے

---

[1] البدایہ ابن کثیر ص ۱۹۳ ج ۷ تحت مسئلہ ہذا۔ طبع اول مصری۔

حق میں یوں ارشاد فرمایا کہ :

(۱) ---- تباً لکم آخر الدھر

اور بعض روایات کی رو سے

تباً لھم سائر الدھر [۱]

بعض مقامات میں اس موقعہ پر سیدنا علی المرتضیٰؓ کی جانب سے لعن و نفرین کے کلمات بھی مذکور ہیں ۔

"---- فقال علی لعن اللہ قتلۃ عثمان فی السھل والجبل والبرّ والبحر" [۲]

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ نے قاتلین عثمانؓ کے حق میں فرمایا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہاری ہلاکت اور بربادی ہو ۔

اور دوسری روایت کے الفاظ کی رو سے حضرت علی المرتضیٰؓ نے قاتلین عثمانؓ کے حق میں فرمایا کہ مدت العمران کے لیے ہلاکت اور تباہی ہو ۔"

اور ابن شیبہ کی روایت کی رو سے حضرت علی المرتضیٰؓ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قاتلین عثمانؓ پر لعنت کرے ہر جگہ لعنت ہو صاف زمین میں ، پہاڑوں میں ، اور خشکی اور سمندر میں ۔"

مختصر یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے حلف کے ساتھ اس معاملہ سے اپنی برأت بیان

---

[۱] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۱۰ ج ۱۵ کتاب الفتن ، طبع کراچی

(۲) کتاب السنن سعید بن منصور ص ۳۶۲ ج ۳ باب جامع الشہادۃ القسم الثانی مجلد ثالث

(۳) طبقات ابن سعد ص ۱۹ ج ۳ قسم اول تحت تذکرہ علی بن ابی طالب ، طبع لیڈن ۔

(۴) کتاب الکنیٰ للدولابی ص ۱۳۶ ج اول باب الجیم من کنیتہ ابی جعفر ۔

[۲] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۱۰۱۸ ج ۱ (قلمی پیر جھنڈا) کتاب الجمل (ص ۲۶۸ ج ۱۵ طبع کراچی)

فرمائی (جیسا کہ اوپر درج ہوا) اور پھر قاتلین عثمانؓ پر بددعائیں فرمائیں۔ یہ چیزیں مستقل قرائن کے درجے میں ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا قتل عثمانیؓ میں کوئی تعلق نہیں اور ان کا دامن اس داغ سے پاک وصاف ہے۔

پس ان بیانات کے بعد ان کے حق میں سوءظنی قائم رکھنا ہرگز روا نہیں۔

شیعہ کی طرف سے تائید

گزشتہ سطور میں قتل عثمانؓ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی برأت اپنی کتابوں سے پیش کی ہے۔

اس کے بعد شیعہ کی معتبر کتابوں سے بھی یہی مسئلہ ناظرین کی خدمت میں بطور تائید تحریر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ نہج البلاغہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک خط جو امیر معاویہؓ کی جانب ارسال کیا گیا اس میں مذکور ہے کہ:

حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں:

"...... ولعمری یا معاویۃ لئن نظرت بعقلك دون هواك لتجدنی ابرأ الناس من دم عثمان ولتعلمن انی کنت فی عزلة عنه الا ان تتجنی فتجن ما بدا لك۔ والسلام" [1]

یعنی اے معاویہ! مجھے اپنی عمر کی قسم! اگر آپ اپنی خواہش اور خود غرضی کو دور کر کے اپنی عقل سے نظر غائر کریں تو آپ مجھے عثمانؓ کے

---

[1] نہج البلاغۃ ص۸ جلد۲ تحت ومن کتاب له علیه السلام الی معاویۃ فی الاحتجاج بالبیعۃ والتبرأ من دم عثمان" (طبع مصر)

خون سے لوگوں میں سے زیادہ بری پائیں گے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ میں اس معاملہ میں بالکل الگ رہا۔ مگر یہ کہ آپ واضح چیز کو چھوڑ کر اور چھپا کر مجھے قصور وار ٹھہرائیں"۔ والسلام

اس مضمون کی کئی روایات شیعہ کتب میں دستیاب ہو سکتی ہیں مگر یہاں صرف ایک حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

دورِ چہارم

عہد علوی

خلیفہ رابع کے انتخاب کا مسئلہ

جن حالات میں حضرت عثمان شہید ہوئے ان میں یہ مفسد لوگ کسی کو امیر منتخب کیے بغیر واپس لوٹنا اپنے لیے مہلک سمجھتے تھے اور اس میں اختلاف الناس و فساد امت کے خطرات تھے پس اس معاملہ میں وہ خود پریشان تھے کہ کس کو امیر بنایا جائے ؟ ان میں سے بعض (یعنی بصریوں) کی رائے یہ تھی کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کو خلیفہ بنایا جائے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔

اور ان میں سے بعض (یعنی کوفیوں) کی رائے یہ تھی کہ حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی جائے۔ اور ان میں سے مصریوں کا ارادہ یہ تھا کہ سیدنا حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور ان کو خلیفہ منتخب کیا جائے پہلے ان لوگوں نے اس مقصد کے لیے حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ کی طرف رجوع کیا تو ان دونوں حضرت نے منصب خلیفہ قبول کرنے اور بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں یہ لوگ پہنچے تو آپؓ نے بھی اولاً انکار فرمایا اور اس مسئلہ سے الگ رہنے کی پوری کوشش کی جیسا کہ ہم قبل ازیں بحث "من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ" کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔

یہ لوگ کسی دوسری شخصیت کو حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ کے بعد خلافت کے لیے آمادہ نہ کر سکے یا انہوں نے کسی دیگر شخصیت کو اس منصب کے لیے موزوں نہ پایا تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں پھر حاضر ہو کر اصرار کرنے لگے اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی اپنے

ساتھ لے آئے اور عرض کیا کہ امت کے لیے یہ معاملہ ایسا ہے کہ اسے بغیر امیر کے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ تو ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے بیعت لینا قبول فرما لیا۔

سیدنا علیؓ کے ساتھ بیعت

حقیقت الامر یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہؓ حضرات کے بعد اس منصب کے لیے کوئی صاحب حضرت علیؓ سے فائق نہ تھے نہ مرتبہ میں نہ علم میں نہ اتقاء میں نہ دینداری میں۔ پس ان کے حق میں بیعت منعقد ہوئی۔

---- ولم یکن بعد الثلاثة کالرابع قدراً وعلماً وتقیً ودیناً فانعقدت له البیعة الخ[1]

اور یہ بیعت بعض مورخین کے قول کے مطابق موافق بروز پنجشنبہ بتاریخ چوبیس[24] ماہ ذوالحجہ[35ھ] میں ہوئی تھی۔ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور دیگر حضرات نے بیعت کی اور دوسرے روز جمعہ کے دن اہل مدینہ نے مسجد نبوی میں بیعت کی اور اہل مدینہ میں سے کثیر تعداد حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین نے اس میں شمولیت فرمائی اور بیعت میں داخل ہو گئے۔

قاتلین عثمانؓ اور ان کی جماعت کثیرہ کا اس وقت اہل مدینہ پر رعب اور تسلط تھا اور حضرت علی کی بیعت کرنے والے اولین یہی افراد تھے کیونکہ یہ لوگ حضرت علی کی بیعت کر کے ایک گونہ اپنی سیاسی پناہ چاہتے تھے اور اس کے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نہیں تھا حضرت علیؓ ان مضطربانہ حالات کے تحت ان کی بیعت لینے سے گریز بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان سے اجتناب کرنا انؓ کے لیے دشوار تر تھا۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان پیش آمدہ حالات کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے
"وقاتلان بجز آنکہ پناہی بحضرت مرتضیٰؓ برند وبا او بیعت کنند علاجے نیافتند۔

---

[1] العواصم من القواصم ص۱۴۲ للقاضی ابی بکر بن العربیؒ طبع القاہرہ تحت حالات بعد از شہادۃ عثمانی۔

پس در باب عقد خلافت او از ہمہ بیشتر سعی کردند و دم موافقت او زدند و کیف ما کان عقد بیعت واقع شد"۔[1]

یعنی قاتلانِ عثمانؓ کو اس کے بغیر کوئی علاج دریافت نہ ہو سکا کہ جناب مرتضیٰؓ کی پناہ میں آئیں اور ان سے بیعت کریں اسی بنا پر انہوں نے بیعت مرتضوی کے انعقاد کے لیے بیشتر سعی کی اور ان کی موافقت میں خوب دم بھرا۔ جس طرح بھی ہوا یہ بیعت منعقد ہوئی۔

مطالبہ قصاص دمِ عثمانؓ

حضرت علی المرتضیٰؓ کے دست مبارک پر جب بیعت خلافت منعقد ہوئی اور اکابر صحابہ کرامؓ اور اہلِ مدینہ نے بیعت کر لی تو اس وقت حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ و دیگر اکابر صحابہ کرامؓ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مطالبہ پیش خدمت کیا کہ اب آپؓ مسند خلافت پر تشریف فرما ہو چکے ہیں تو حضرت عثمانؓ کے قصاص کے متعلق انتظام فرما دیں اور قاتلین پر شرعی حکم کا نفاذ کریں۔ کیونکہ اگر ہم شہید مظلوم کا انتقام نہ لیں اور اہل عدوان و اہل فساد کا قلع قمع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کے عقاب و غضب کے مستوجب ہوں گے۔

اس مطالبہ کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنا عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) ...... بان هولاء لهم مدد واعوان وانه لا يمكنه ذالك يومه هذا"۔[2]

یعنی ان لوگوں کے لیے ان حالات میں بہت سے لوگوں کی مدد میسر ہے اور ان کو غلبہ اور تسلط حاصل ہے۔ اس لئے یہ چیز اس وقت ممکن نہیں اور فی الوقت یہ کام نہیں ہو سکتا۔ حالات

---

[1] قرۃ العینین ص۱۴۳ طبع مجتبائی دہلی۔ تحت مسئلہ ہذا۔

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر ص۲۲۷ ج۷ تحت ذکر بیعت خلافت (علوی)

(۲) الفتنۃ و وقعۃ الجمل ص۹۷ تحت مطالب طلحہ والزبیر۔"

کے مساعد اور سازگار ہو لے کے بعد یہ ہو سکے گا)

اور صاحب مرقاۃ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مطالبہ مذکور کا جواب عبارت ذیل میں پیش کیا ہے۔

(۲) ---------- ان قتل فئة الفتنة يجر الى اثارة الفتنة التي هي تكون اقوى من الاولى"[1]

یعنی اس فتنہ انگیز جماعت کا قتل ایک دیگر فتنہ کھڑا کرنے کا موجب ہو گا جو سابقہ فتنہ سے بھی شدید تر ہو گا۔"

بعض علماء اس موقعہ پر ایک تیسری چیز بھی سیدنا علی المرتضیٰ رضی کی جانب سے ذکر کیا کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ:

(۳) ---------- وكان عليٌّ ينتظر من اولياء عثمانؓ ان يتحاكموا اليه فاذا ثبت على احد بعينه انه ممن قتل عثمان اقتص منه الخ[2]

یعنی سیدنا علی المرتضیٰؓ اس بات کے منتظر تھے کہ حضرت عثمانؓ کے والیوں اور ورثاء کی طرف سے ان کی خدمت میں باقاعدہ طور پر مقدمہ کی مرافعت کی جائے اور جب قاتلین کا خصوصی طور پر تعین ہو جائے کہ یہی قاتل ہیں تو ان سے قصاص لیا جائے گا۔

مندرجات بالا کی روشنی میں ہر دو فریق کے نظریات اس معاملہ میں واضح طور پر سامنے آ گئے۔

مقصد یہ تھا کہ یہ مطالبہ تو درست اور صحیح ہے لیکن حالات فی الوقت اس چیز کے متقاضی ہیں کہ قصاص کے معاملہ میں تاخیر کی جائے کیونکہ تعجیل کر لینے میں بیشتر خطرات ہیں۔

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۲ ج عاشر طبع ملتان تحت کتاب الفتن الفصل الثانی۔

[2] فتح الباری صفحہ ۶۲ جلد ۱۳ تحت باب حدثنا عثمان بن الہیثم الخ

حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کا قصد مکہ

بعض ازواج مطہرات (امہات المومنین) بلوائیوں اور باغیوں کی چڑھائی کے وقت اس فتنہ سے اجتناب کرتے ہوئے حج کے لیے مکہ شریف روانہ ہو گئیں تھیں۔ اور شہادت عثمانی کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کی اجازت سے حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمرہ کی غرض سے مکہ شریف تشریف لے گئے۔ اور ایک کثیر جماعت ان کی متابعت میں مکہ معظمہ چلی گئی تھی۔ وہاں ان حضرات کی امہات المومنین کے ساتھ ملاقاتیں ہوئیں اور قتل عثمانی کے معاملہ کے متعلق باہمی گفتگو ہوئی۔ ان حضرات کا یہ نظریہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کا قتل ظلماً اور ناحق ہوا ہے قاتلین سے اولین فرصت میں ان کا قصاص لینا ضروری ہے اور انہیں یہ گمان تھا کہ یہ مفسدین حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے ساتھ مل گئے ہیں۔ اور حضرت علیؓ کی پناہ میں یہ مجتمع ہو گئے ہیں اور یہ ان کی سیاسی طور پر ایک حفاظتی تدبیر ہے۔ حقیقت میں وہ آپ کے وفادار نہیں ہیں۔

بعض حضرات کی ملک شام کو روانگی

شہادت عثمانی کے بعد اس واقعہ ہائلہ کے اندوہگیں اثرات بڑے بڑے اکابر صحابہؓ اور تابعینؒ پر نمایاں تھے اس سلسلہ میں یہ لوگ سخت قلق و اضطراب میں تھے۔ بقول بعض مؤلفین ان حالات میں نعمان بن بشیرؓ اور دیگر حضرات ملک شام چلے گئے۔ وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (جو اس وقت ملک شام میں گورنر تھے) اور باقی حضرات سے جا کر قتل عثمانی کے دردناک مناظر ذکر کیئے۔ پھر قاتلین کا حضرت علیؓ کی بیعت کرنا اور ان کے ساتھ مجتمع ہونا بتلایا اور ان کی شر انگیزیاں اور سرگرمیاں بیان کیں۔

ان واقعات کو معلوم کرنے کے بعد حضرت معاویہ اور باقی صحابہؓ و تابعینؒ نے بھی دم عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ ان حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ پہلے ان مفسدین (قاتلین) سے قصاص لیا جائے اس کے بعد خلیفہ کی بیعت تسلیم کی جائے گی۔ اس کے بغیر ہم آپ کی

خلافت تسلیم نہیں کریں گے۔

اس مسئلہ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ متعدد کبار صحابہ مثلاً عبادہ بن الصامتؓ، ابو درداءؓ، ابوامامہؓ اور عمرو بن عبسہؓ وغیرہم کے علاوہ بعض اکابر تابعین بھی شامل تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں تصریح کر دی ہے کہ:

"...... وقام فی الناس معاویۃ وجماعۃ من الصحابۃ معہ یحرضون الناس علی المطالبۃ بدم عثمانؓ ممن قتلہ من اولئک الخوارج، فھو عبادۃ بن الصامت وابو درداء وابو امامہ وعمرو بن عبسۃ وغیرھم" [1]

ایک وضاحت یہاں یہ امر قابل وضاحت ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس موقعہ پر مطالبہ قصاص عثمانی کیا تھا خود اپنے لئے دعویٰ خلافت نہیں کیا تھا اور نہ ہی اہل شام سے اس وقت خلافت کے لیے بیعت لی تھی۔ آپؓ نے اہل شام سے اس وقت بیعت لینا شروع کی تھی جب واقعہ صفین کے بعد حکمین کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے تھے اور لوگوں میں افتراق رونما ہو گیا۔ اس چیز کی وضاحت خلیفہ ابن خیاط نے بالفاظ ذیل کی ہے۔

"...... فلم یتفق الحکمان علی شئ افترق الناس وبایع اہل الشام لمعاویۃ بالخلافۃ فی ذی القعدۃ سنۃ سبع وثلاثین" (تاریخ خلیفۃ بن الخیاط الجزء الاول ص۱۹۲ ج۱ تحت وقعۃ الصفین)

مطلب یہ ہے کہ جب فریقین ایک چیز پر متفق نہ ہو سکے اور لوگوں میں انتشار پیدا ہو گیا تو اہل شام نے اس وقت حضرت معاویہؓ سے بیعت خلافت کی یہ واقعہ ذوالقعدہ ۳۷ھ

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص۲۲۷ ج۷ طبع اول مصری تحت واقعات بعد از بیعت علیؓ

میں پیش آیا۔ اور یہ چیز آئندہ بھی اپنے مقام پر درج ہو گی۔ (ان شاء اللہ)

حکّام وعمّال میں تبدیلی کا مسئلہ

جمل کا واقعہ نصف الجمادی الاولیٰ یا عند البعض جمادی الثانیہ ۳۶ھ میں پیش آیا تھا[1]۔ اس سے قبل ان ایام میں کئی واقعات پیش آئے۔ ان میں سے یہ چیز قابل ذکر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقرر کردہ عمال و حکام کو جو اپنے اپنے مقامات پر متعین تھے۔ امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی ابتدائے خلافت میں انہیں اپنے مناصب سے الگ کر دیا۔

اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم کی رائے دوسری تھی۔ ابن عباس کا خیال تھا کہ عثمانی حکام اور والیوں کو فی الحال اپنے اپنے مقامات پر متعین رہنے دیا جائے اور حضرت معاویہؓ کو بھی سردست اپنے حال پر چھوڑا جائے جب حالات درست ہو جائیں تو بے شک مناسب تبدیلیاں کر لی جائیں۔ لیکن حضرت علی نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا[2]۔

مؤرخین نے عثمانی حکام و عمال کے نام بعض مقامات میں اس طرح ذکر کئے ہیں مثلاً بصرہ پر عبداللہ بن عامر حاکم تھے۔ مصر پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، شام پر معاویہ بن ابی سفیان۔ آذربیجان پر اشعث بن قیس اور قرقیسیاء پر جریر بن عبداللہ بجلی حلوان پر عتیبہ بن النہاس، قیسار یہ پر مالکؓ بن حبیب، اور ہمدان پر حبیش، حاکم عثمانی مقرر تھے[3]

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۴۲ ج ۱۳ تنبیہ شیعہ اکابر نے بھی تبدیلی احکام کے مسئلہ کو تسلیم کیا ہے۔

(۱) تاریخ یعقوبی ص ۱۹ ج ۲ تحت خلافت امیر المؤمنین علیؓ

(۲) سیرت امیر المومنین علی تحت جنگ صفین ص ۴۶۵ جلد اول (از مفتی جعفر حسین آف گوجرانوالہ

[2] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۲۸ ج ۷ تحت بیعت علیؓ بالخلافۃ

[3] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۲۷ ج ۷ تحت ذکر بیعت علیؓ بالخلافۃ۔

اسی طرح مقامی طور پر مرکز اسلام مدینہ طیبہ میں بیت المال پر عقبہؓ بن عمرو نگران اور قضائے مدینہ منورہ پر زید بن ثابتؓ متعین تھے[1]

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب والی خلافت ہوئے ہیں تو ۳۶ھ کی ابتدا میں مختلف بلاد امصار پر اپنی طرف سے درج ذیل حکام مقرر فرمائے۔

یمن پر عبداللہ بن عباس، بصرہ پر سمرۃ بن جندبؓ (یا عثمان بن حنیف) کوفہ پر عمارۃ بن شہاب، مصر پر قیس بن عبادہ، شام پر سہل بن حنیفؓ کو حاکم مقرر فرما کر روانہ فرمایا[2]

سہل بن حنیف جب ملک شام کی سرحد پر تبوک کے مقام پر پہنچے تو حضرت امیر معاویہؓ کے اسپ سواروں کی ایک جماعت ان کے مزاحم ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ حضرت عثمان کی طرف سے مامور شدہ ہیں تو بہتر ہے اور اگر آپ کسی دوسرے کی طرف سے متعین ہو کر آرہے ہیں تو واپس تشریف لے جائیں۔ اس طرح معارضہ کی وجہ سے سہل بن حنیف کو واپس لوٹنا پڑا اور وہ ملک شام پر ان کی امارت تسلیم نہ کی گئی[3] اس واقعہ کے ذریعہ شام کے لوگوں کے جذبات اور تاثرات کا ایک گونہ اندازہ ہو گیا۔

مورخین کے قول کے مطابق جمہور اہل مصر نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعین کردہ حاکم مصر قیس بن سعد کو قبول کر لیا لیکن بعض لوگوں نے بیعت سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ جب تک قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کیا جائے ہم بیعت نہیں کریں گے[4]

اسی طرح اہل بصرہ میں بھی اختلاف واقع ہو گیا بعض حضرت عثمان کے قتل کے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے اور بعض کی رائے اس موقعہ پر دوسری تھی۔

---

[1] البدایہ ص۲۲۷ ج۷ تحت ذکر بیعت علیؓ بالخلافۃ

[2] (۱) البدایۃ لابن کثیر ص۲۲۸ ج۷ تحت سنہ ۳۶ھ (۲) تاریخ طبری ص۱۶۱ ج۵ تحت سنہ ۳۶ھ

[3] البدایہ لابن کثیر ص۲۲۸ ج۷ تحت (سنہ ۳۶ھ)

[4] البدایہ لابن کثیر ص۲۲۹ ج۷ تحت سنہ ۳۶ھ

اور کوفہ کی طرف حضرت علیؓ کی جانب سے حضرت عمارہ بن شہاب امیر بنا کر روانہ کیے گئے تھے تو وہاں ان کے ساتھ طلحہ بن خویلد نے معارضہ کیا اور حضرت عثمانؓ کے قتل کے قصاص کا مطالبہ پیش رکھا اس کے بعد حضرت عمارہ واپس آ گئے اور کوفہ میں اختلاف کی کیفیت حضرت علی المرتضیٰ کی خدمت میں بیان کی۔[1]

انہی حالات میں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ (جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے کوفہ کے والی تھے) کوفہ میں لوگوں کو یہ تلقین فرماتے تھے کہ یہ ابتلاء اور آزمائش کا دور آ گیا ہے اس میں مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرنی چاہیے۔ اور اپنی تلواروں کو نیام میں کر لیں اور کمانوں کی تانتیں توڑ ڈالیں حتیٰ کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے۔ بہر کیف ان کی رائے مسلمانوں کی باہمی جنگ کے خلاف تھی۔ اور ان کا موقف قتال کے خلاف تھا۔[2]

اس طرح ان بعض مقامات میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے روانہ کردہ حکام کے ساتھ معارضے اور مخالفتیں پیش آئیں اور دم عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ روز بروز شدت اختیار کرتا گیا اور حالات دگرگوں ہوتے گئے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر نے ان کوائف اور حالات کو مختصر سے کلمات میں درج کیا ہے فرماتے ہیں:

"...... وانتشرت الفتنة وتفاقم الامر واختلفت الكلمة"[3]

یعنی اس فتنہ کی بنا پر لوگوں میں انتشار پھیل گیا۔ اور یہ معاملہ اپنے حدود سے متجاوز ہو گیا۔ اور کلمۂ اسلام کی وحدت میں افتراق رونما ہو گیا۔"

---

[1] البدایہ ص۲۲۹ ج ۷ تحت سنہ ۳۶ھ

[2] البدایۃ لابن کثیر ص۲۳۵ ج ۷ تحت ذکر مسیر علیؓ من المدینۃ الی البصرۃ

[3] البدایۃ لابن کثیر ص۲۲۹ ج ۷ تحت سنہ ۳۶ھ

مکہ مکرمہ میں اجتماع

مکہ مکرمہ میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت صدیقہؓ کے علاوہ بعض امہات المومنین عمرہ کی غرض سے پہنچ چکی تھیں۔ بعد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دیگر حضرات مکہ شریف تشریف لے گئے۔ اسی دوران یمن کے والی یعلی بن امیہ بھی وہیں پہنچ گئے اسی طرح بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر بھی مکہ شریف میں آ گئے یہ دونوں حضرات حضرت عثمانؓ کے متعین کردہ والیوں میں سے تھے۔

اس طرح یہاں مکہ مکرمہ میں صحابہ کرامؓ اور امہات المومنین اور دیگر حضرات کا اجتماع ہوا ان تمام حضرات کا مقصد واحد تھا اور یہ مطالبہ کرتے تھے کہ دم عثمان ناحق اور ظلماً گرایا گیا ہے اس لیے ان کے قصاص کا مسئلہ سب سے پہلے طے ہونا چاہیے۔ اور قاتلین عثمان کو قرار واقعی سزا تعجیلاً ملنی چاہیے۔[1]

اس سلسلہ میں ان حضرات کے باہمی مشورے جاری رہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے مختلف آراء سامنے آئیں لیکن آخر کار یہ رائے ٹھہری کہ بصرہ پہنچنا چاہیے۔ بقول مؤرخین وہاں حضرت طلحہؓ کا بڑا اثر تھا اور وہاں ایک فوجی چھاؤنی بھی تھی۔ چنانچہ بقول صاحب روح المعانی اس مقام کی کیفیت اس طرح ہے :

...... انها كانت اذ ذاك مجمع الجنود المسلمين[2]

"یعنی بصرہ اس موقعہ پر مسلمانوں کے عساکر کے لیے جائے اجتماع تھا"

منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت اگر مطالبہ مذکور پر مجتمع ہو جائے تو اس صورت میں امید ہے کہ فریق ثانی بھی اس کے جواز کی طرف توجہ کرے گا اور باہم "تفاہم"

---

[1] البدایہ ابن کثیر ص ۲۳۰ ج ۷ تحت عنوان ابتدائے وقعۃ الجمل۔

[2] تفسیر روح المعانی ص ۹ ج ۲۲ تحت آیۃ وقرن فی بیوتکن۔

اور "توافق" کی صورت پیدا ہو جائے گی

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے شمول سفر کا تقاضا

اس کے بعد ان اکابر نے یعنی (حضرت طلحہ و حضرت زبیرؓ و دیگر حضرات) نے ام المومنین حضرت صدیقہؓ کی خدمت میں اس سفر میں شامل رہنے کی استدعا کی اور عرض کیا کہ آنجنابؓ اس فتنہ کے مرتفع ہونے اور ان حالات میں امن قائم ہونے اور امور خلافت میں صحیح نظم قائم ہونے تک ہمارا ساتھ دیں تاکہ جناب کے ذریعے اس معاملہ میں اصلاح احوال کی کوئی بہتر صورت پیدا ہو سکے۔

"...... والحوا علی امھم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان تکون معھم الی ان ترتفع الفتنۃ ویحصل الامن وتنتظم امور الخلافۃ" [1]

حضرت عائشہؓ کا قصد اصلاح تھا

اندریں حالات ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس گزارش کو منظور فرما لیا اور معاملات میں صحیح نظم قائم کرنے کی خاطر اور اصلاح بین المسلمین کے پیش نظر سفر پہ آمادہ ہو گئیں چنانچہ اکابر علماء نے اس چیز کو اپنی اپنی عبارات میں مندرجہ ذیل شکل میں تحریر کیا ہے:

(۱) "...... ومضت عائشۃ وھی تقول اللھم انک تعلم انی لا ارید الا الاصلاح فاصلح بینھم" [2]

(۲) "...... انما خرجت بقصد الاصلاح بین المسلمین ..."

---

[1] روح المعانی ص ۹ ج ۲۲ تحت آیت وقرن فی بیوتکن۔

[2] کتاب الثقات لابن حبان ص ۲۸۰ ج ۲ تحت خروج عائشۃ الی البصرۃ۔

وظننت ان فی خروجھا مصلحۃ للمسلمین ؟ [1]

(۳) ...... فسارت معھم بقصد الاصلاح وانتظام الامور [2]

ان مندرجات کا مفہوم یہ ہے

"حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا اے اللہ! تحقیق آپ جانتے ہیں کہ اصلاح بین المسلمین کے علاوہ اس سفر میں میرا کوئی ارادہ نہیں ۔ آپ ان کے درمیان اصلاح کی کوئی صورت پیدا فرما دیجئے۔

چنانچہ اس کے بعد بہت سے لوگ ان اکابر (حضرت صدیقہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ) کے ساتھ شریک ہو گئے اور بصرہ کی طرف رخت سفر باندھا گیا۔[3]

---

[1] المنتقی للذہبی ص۲۲۲ تحت قولہ لقاتلین علیاً الخ

[2] تفسیر روح المعانی ص۱۰ ج۲۲ تحت آیۃ وقرن فی بیوتکن ...... الخ

واقعہ الحوأب

سفر جمل پر معاندینِ صحابہؓ نے جو اعتراضات اٹھا رکھے ہیں ان میں مقام "الحوأب" والی روایت کے ذریعے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طعن قائم کرتے ہیں۔ وہ اس طرح ہے کہ:۔

شیعہ مؤرخین کی عام روایات اور اہل السنۃ کی بعض روایات میں پایا جاتا ہے کہ:۔

جب سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ سے بصرہ کی طرف عازم سفر ہوئیں تو راستہ میں دیار بنی عامر کے ایک مقام الحوأب پر پہنچیں تو وہاں کے کلاب (کتے) ان کو بھونکنے لگے اس پر آنموصوفہؓ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا مقام ہے؟

تو لوگوں نے کہا کہ اس مقام کو الحوأب کہتے ہیں تو اس وقت حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ اپنی سواری کو روک کر فرمانے لگیں کہ میں واپس ہوتی ہوں کیونکہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے ازواج مطہرات سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ "تم میں سے اس کا کیا حال ہو گا؟ جس پر حوأب کے کلاب بھونکیں گے"۔

اس پر حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور دیگر قافلہ والوں نے کہا کہ یہ مار الحوأب نہیں ہے اور بعض روایات کے اعتبار سے لوگوں نے قسمیں اٹھا کر شہادت دی کہ یہ مار الحوأب نہیں ہے بلکہ ایک دوسرا مقام ہے۔ لوگوں کی اس شہادت کے بعد آپؓ نے پھر آگے بصرہ کی طرف سفر جاری رکھا۔

اس روایت کی بنا پر مخالفین صحابہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر سخت معترض ہوتے ہیں کہ انہوں نے اس فرمان نبوی صلعم کی برملا مخالفت کی اور بصرہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھنے پر اصرار کیا۔ اور نبی اقدسؐ کی نافرمانی کی مرتکب ہوئیں۔

شبہ ہذا کا ازالہ

طعن ہذا کے ازالہ کے لیے مندرجہ ذیل امور ملاحظہ فرمائیں۔ امید ہے شبہ ہذا کے دفاع میں مفید ہوں گے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ یہ واقعہ حدیث نبوی صلعم کی روایات (صحاح ستہ) میں مذکور نہیں بلکہ صحاح ستہ کے ماسوا روایات میں بعض مقامات میں یہ واقعہ پایا جاتا ہے۔ لیکن ان روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے جو اختصاراً درج ذیل ہے۔

(۱)

چنانچہ اس مقام کی بیشتر اسانید کا آخری راوی قیس بن ابی حازم ہے اور قیس بن ابی حازم کی وثاقت اور توثیق اگرچہ اسماء الرجال میں موجود ہے تاہم علماء رجال نے اس کے متعلق یہ تصریح کی ہے کہ یہ شخص منکر الحدیث ہے اور اس سے کئی منکر احادیث مروی ہیں۔ ان احادیث میں حدیث کلاب الحوأب بھی ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی اپنی تالیف تہذیب التہذیب میں ذکر کرتے ہیں کہ ۔

"...... قال ابن المدینی قال لی یحیی بن سعید قیس بن ابی حازم منکر الحدیث ثم ذکر لہ یحیی احادیث مناکیر منہا حدیث کلاب الحوأب"

(تہذیب التہذیب لابن حجر ص ۳۸۸ ج ۸ تحت قیس بن ابی حازم)

(۲)

اور اس واقعہ کی بعض مرویات کے رواۃ میں عبدالرحمان بن صالح پایا جاتا ہے۔ جس کے متعلق علمار رجال فرماتے ہیں کہ یہ جلنے والا شیعہ ہے اور صحابہ کرام رض کے حق میں مثالب و معائب کی بری روایات نقل کرتا ہے اور کوفہ کے مشہور جلنے والے شیعوں میں سے ہے ۔

(۱) الکامل لابن عدی ص ۱۶۲۷ ج ۴ تحت عبدالرحمٰن بن صالح الازدی الکوفی ۔ طبع بیروت ۔

(۲) العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ لعبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی (المتوفی ۵۹۷ھ) ص ۳۶۶ جلد ثانی روایت عنہ ۱۴۲۴ تحت حدیث فی قتال علی رض و عائشہ رض ۔

(۳)

اور ابن ابی حاتم الرازی نے اپنی کتاب علل الحدیث میں اس روایت پر مختصر کلام کیا ہے ۔

"... قال ابی لم یرو ھذا الحدیث غیر عصام وھو حدیث منکر لا یروی من طریق غیرہ"

علل الحدیث لابن ابی حاتم ص ۴۲۶ ج ۲ روایت نمبر ۲۸۸۷ تحت علل اخبار فی الامراء والفتن ۔ طبع مصر ۔

یعنی ابن ابی حاتم رازی کے پیش نظر واقعہ ہذا کی جو روایات ہیں ان کے متعلق کہتے ہیں کہ اس روایت کا راوی عصام بن قدامہ ہے یہ روایت منکر ہے اور اس طریق کے بغیر نہیں روایت کی گئی مختصر یہ ہے کہ اس واقعہ کی عام روایات عموماً عندالمحدثین سقیم پائی جاتی ہیں اور بیشتر علمار کے نزدیک اس واقعہ کی روایات منکر و مجروح ہیں ۔

واقعہ ہذا مؤرخین کی نظروں میں

اس کے بعد واقعہ ہذا کی تاریخی روایات پر نظر کی جائے تو ان کی صورت حال بھی قابل اطمینان نہیں۔

ایک چیز تو یہ قابل توجہ ہے کہ کئی ایک قدیم مؤرخین مثلاً خلیفہ ابن خیاط (المتوفی ۲۴۰ھ) وغیرہ نے اس واقعہ کو اس مقام میں ذکر ہی نہیں کیا۔ اسی طرح شیعہ کے بعض قدیم مؤرخین مثلاً صاحب اخبار الطوال احمد بن داؤد الدینوری الشیعی (المتوفی ۲۸۲ھ) نے بھی اس واقعہ کو درج نہیں کیا۔

یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ واقعہ الحوأب مورخین کے نزدیک کوئی متفق علیہ امر نہیں جس کا انکار کرنا مشکل ہو۔ بلکہ بعض مورخین اپنے طریقے کے مطابق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں ان میں زیادہ مشہور مورخ الطبری ہے جس نے اپنی مشہور تاریخ طبری میں واقعہ الحوأب کو اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور روایت کی یہ سند اس فن کے علماء کے نزدیک مجروح پائی گئی ہے۔

۱۔ طبری کا شیخ اسماعیل بن موسیٰ الفزاری ہے جو رفض کے ساتھ متہم اور غالی شیعہ ہے۔

(۲) اور پھر اس کا شیخ علی بن عابس الازرق ہے اس کے متعلق علماء رجال نے تحریر کیا ہے کہ:۔ ضعیف لیس بشیئ (یعنی اس کا کچھ اعتبار نہیں)

(۳) اس کے بعد دو راوی ابو الخطاب الهجری اور صفوان بن قبیصہ الاحمسی دونوں مجہول ہیں۔

(۴) پھر ان کے اوپر راوی صاحب الجمل العرنی ہے اور بعدہٗ العرنی کو ایک راکب (سوار) ملتا ہے۔ العرنی اور وہ راکب دونوں مجہول الذات ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ طبری کی یہ روایت مذکورہ بالا کوائف کے ساتھ بالکل بے کار ہے اور ہرگز قابل اعتماد نہیں۔ اور طبری کے بعد والے بیشتر مؤرخین عموماً اسی روایت کو نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔

درایت کے اعتبار سے

بالفرض اگر روایت ہذا کو درست تسلیم کر لیا جائے اور علماء کی تنقیدات سے صرف نظر کر لی جائے تو بھی درایت کے اعتبار سے جواب یہ ہے کہ:۔

پیش کردہ روایت میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ماء بنی عامر پر گزرنے کی منع وارد نہیں اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ پایا جاتا ہے۔ بلکہ روایت سے یہی کچھ مستفاد ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ازواج مطہرات کو بطور پیش گوئی ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ایک کو یہ مصیبت پیش آئے گی۔

اور فی الواقع یہ حادثہ جمل ایک عظیم مصیبت تھا جو حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں موجب خفت ثابت ہوا۔ اور جو مقصود سفر تھا یعنی اہل اسلام میں اصلاح ذات البین وہ حاصل نہ ہوسکا بلکہ مسلمانوں کے درمیان خداع لوگوں نے قتال کھڑا کر دیا۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ اپنی تالیف تحفہ اثنا عشریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"... در حدیث نہی از مرور بر آب واقع نیست و نہ اشارت باں وارد
آنچہ ازیں حدیث مستفاد مے شود ہمیں قدر است کہ یکے را از شما ایں مصیبت پیش
خواہد آمد"

تحفہ اثنا عشریہ ص۳۳۲ تحت مطاعن ام المومنین صدیقہؓ۔ طعن سوم)

حاصل کلام یہ ہے کہ طعن کرنے والوں نے جو ان روایات سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر فرمان نبوی صلعم کی خلاف ورزی کا طعن وارد کیا ہے وہ درست نہیں۔ کیونکہ یہ روایات محدثین کے نزدیک مجروح ہیں اور مؤرخین کے ہاں بھی یہ واقعہ الحواب کوئی متفق علیہ امر نہیں۔ اگر اسے درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ چیز طعن نہیں ہے۔ بلکہ ایک پیشین گوئی ہے جس کا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہراتؓ سے اظہار فرمایا۔ جو بعد میں صحیح ثابت ہوئی۔

فلہذا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر یہ طعن قائم کرنا ہے اور درست نہیں اور ام موصوفہ رضی اس طعن سے بری ہیں۔ (منہ) حاشیہ ختم

اس سفر کے دوران نمازوں کی ادائیگی کا اس طرح نظم قائم کیا گیا (حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رائے کے مطابق) کہ مروان بن حکم اوقات نماز میں اذان دیتے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خواہرزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ اسی صورت میں یہ سفر جاری رہا اور یہ حضرات بصرہ کے قریب ایک مقام پر جا پہنچے [1]

بصرہ کے حاکم اور والی حضرت علیؓ کی طرف سے عثمان بن حنیف تھے ان کو ان حضرات کی آمد کی اطلاع ہوئی اور پھر ان کے باہم مذاکرات جاری رہے۔

بصرہ کے علاقہ میں تابعین میں سے ایک مشہور بزرگ کعب بن سور الازدی تھے جو حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اس علاقہ کے قاضی رہ چکے تھے اور اپنے قبیلہ الازد کے معتمدین میں سے تھے اور معاملہ ہذا سے کنارہ کش تھے۔ ان سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس معاملہ میں گفتگو ہوئی تو اس موقعہ پر حضرت صدیقہ نے اپنا نظریہ ان کے سامنے درج ذیل الفاظ میں پیش کیا۔

"فقالت انما ارید ان اصلح بین الناس" [2]

یعنی ہمارا ارادہ لوگوں کے درمیان اصلاح کی کوئی صورت پیدا کرنا ہے اس کے سوا

---

[1] (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۳۰ ج ۷ تحت ابتدائے وقعۃ الجمل

(۲) خلیفہ ابن خیاط ص ۱۶۰ جزء اول تحت معرکۃ الجمل۔

[2] طبقات ابن سعد ص ۶۶ ج ۷ تحت کعب بن سور الازدی۔

کوئی دوسرا مقصد پیش نظر نہیں۔

اس کے بعد کعب بن سوران حضرات کے ہم نوا ہو کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور میدان جمل میں ایک مصالحانہ کوشش کی خاطر تشریف لے گئے لیکن وہ کارگر نہ ہو سکی اور وہیں شہید ہو گئے [1]

ان ایام میں بصرہ کے علاقہ کے مختلف قبائل بنو ضبہ و بنو آزد وغیرہ اپنے اپنے تاثرات کے تحت ان ہر دو فریق کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ اور نظریاتی طور پر اپنے اپنے فریق کی حمایت میں منقسم ہو گئے۔

امیر المؤمنین علی المرتضیٰؓ کا بصرہ کی طرف تشریف لیجانا

حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ کو جب اطلاع ملی کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے رفقاء کے ہمراہ بصرہ کی طرف چلے گئے ہیں تو آنحضرتؓ نے بھی بصرہ پہنچنے کا ارادہ فرمالیا۔ اور حضرت علیؓ کے ساتھ کئی صحابہ کرامؓ اور بہت سے دوسرے لوگ جو سفر کے لیے آمادہ تھے وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ اور وہ جماعتیں اور وہ گروہ بھی از راہ خود ساتھ تھے جنہوں نے خلیفہ برحقؓ کو ناحق قتل کر ڈالا تھا اور بظاہر سیدنا علی المرتضیٰ کی حمایت و نصرت میں پیش پیش تھے اور ان کی سرشت میں شر اور فساد پیوست تھا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے مدینہ طیبہ پر اپنا قائم مقام اپنے چچازاد برادر تمام بن عباس کو اور مکہ شریف پر دوسرے چچازاد برادر قثم بن عباس کو والی مقرر فرمایا۔ اور بقول خلیفہ ابن

---

[1] الاصابہ لابن حجر ص ۲۹۷ جلد ثالث (تحت کعب بن سور الازدی معہ الاستیعاب۔ طبع مصر۔

خیاط سہل بن حنیف الانصاری کو مدینہ طیبہ پر حاکم متعین فرمایا تھا اور ربیع الثانی ۳۶ھ کے آخر میں حضرت علی کا یہ سفر شروع ہوا۔ جب آپؓ اپنے رفقاء سفر سمیت مدینہ شریف سے باہر تشریف لائے تو ربذہ کے مقام میں حضرت عبداللہ بن سلام سے ملاقات ہوئی۔[1]

عبداللہ بن سلام کا ناصحانہ کلام

عبداللہ بن سلام حضرت المرتضیٰؓ کی سواری کی باگ تھام کر فرمانے لگے۔

یا امیرالمومنین! آپ مدینہ طیبہ کی اقامت ترک نہ فرمائیں۔ اگر آپؓ مدینہ طیبہ سے باہر چلے گئے تو کوئی مسلمانوں کا خلیفہ مدینہ طیبہ کی طرف عود نہ کر سکے گا۔ (اور یہاں اقامت نہ اختیار کرے گا) بعض لوگوں کو یہ کلام سخت ناگوار گزری اور ان کے ساتھ سخت کلامی کرنے لگے تو جناب علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ ان کو رہنے دیجئے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے یہ عمدہ آدمی ہیں (یعنی از راہ نصیحت و خیرخواہی یہ کلام کیا ہے۔ کسی خودغرضی سے نہیں کیا)۔

...... وقد لقي عبد الله بن سلام رضي الله عنه علياً وهو بالربذة، فأخذ بعنان فرسه وقال: يا امير المومنين! لا تخرج منها، فوالله لئن خرجت منها لا يعود اليها سلطان المسلمين ابداً۔ فسبه بعض الناس، فقال عليؓ: دعوه فنعم الرجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم۔[1]

---

[1] البداية لابن كثير ص۲۳۳ ج۷ تحت ذكر مسير امير المؤمنين علي بن ابي طالب من المدينة الى البصره ... الخ

(۲) الاصابہ لابن حجر ص۳۲۱ جلد ثانی تحت عبداللہ بن سلامؓ

(۳) تاریخ طبری ص۶۸ جلد۵۔ تحت خروج علیؓ الی الربذۃ ۳۶ھ

اس کے بعد کوفہ کی طرف امیرالمومنین کا سفر جاری رہا اور دوران سفر کئی واقعات مورخین نے ذکر کیے ہیں مگر ہم ان تفصیلات میں جانا ضروری نہیں خیال کرتے۔ اس کے بعد آپؓ مقام ذی قار میں جا پہنچے ہیں۔ تو وہاں سے کوفہ کی جانب عمار بن یاسرؓ اور اپنے فرزند حضرت حسن بن علیؓ کو روانہ کیا ہے۔

کوفہ پر اس وقت حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ والی تھے۔ اور ان کی اس معاملہ میں رائے یہ تھی کہ مسلمانوں میں، باہمی اختلاف اور انشقاق نہیں کھڑا ہونا چاہیے۔ یہ اختلاف فتنوں میں سے ایک فتنہ کی شکل میں ہے جن کے متعلق جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں ہیں۔ فلہذا ان فتن سے اجتناب کرنا چاہیے اور ان میں حصہ نہیں لینا چاہیے[1]

اس دوران میں حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حسن بن علیؓ نے کوفہ پہنچ کر لوگوں کو دعوت دی کہ آپ لوگ امیرالمومنینؓ کی حمایت میں نکلیں۔

"فانہ یرید الاصلاح بین الناس"[2]

یعنی حضرت علیؓ کا اس معاملہ میں واحد مقصد لوگوں کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کرنا ہے۔

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص۲۳۵-۲۳۶ جلد ۷، تحت مسیر امیرالمومنین من المدینۃ الی البصرہ۔

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر ص۲۳۶ ج۷ تحت واقعہ ہذا۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبۃ ص۲۶۴ ج۱۵ تحت الجمل طبع کراچی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مقام اور احترام

کوفہ میں اس موقعہ پر حضرت عمارؓ نے ایک شخص سے سنا کہ :

یسب عائشۃ فقال اسکت مقبوحاً منبوحاً واللہ انھا لزوجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الدنیا والآخرۃ ...... الخ[1]

"یعنی وہ حضرت عائشہؓ کو سب دشتم کر رہا تھا اس پر حضرت عمار بن یاسرؓ نے اس کو ڈانٹ کر کہا کہ دریدہ دہنی کرنے اور قبیح لفظ کہنے سے خاموش ہو جا۔ اللہ کی قسم! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی زوجہ محترمہ ہیں"۔

اس مقام کی بعض روایات میں اس طرح ہے کہ احترام صدیقہؓ ملحوظ رکھتے ہوئے عمارؓ نے فرمایا کہ :

"أتؤذی حبیبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھا لزوجتہ فی الجنۃ"[2]

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبۃ طبع کراچی ص ۲۶۴ جلد ۱۵۔ تحت الجمل۔

(۲) البدایہ لابن کثیر ص ۲۳۶ جلد سابع بحوالہ البخاری تحت مسیر امیر المؤمنین من المدینۃ الی البصرۃ۔

[2] (۱) منحۃ المعبود ص ۱۳۰ ج ۲ فی ترتیب مسند ابی داؤد الطیالسی۔

(۲) حلیۃ الاولیا ص ۴۴ ج ۲ لابی نعیم اصفہانی تحت تذکرہ عائشہ۔

(۳) کتاب الاعتقاد للبیہقی ص ۱۶۵/۱۶۶ طبع مصر۔ طبع بیروت ص ۳۲۹ علی مذہب السلف۔

(۴) مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۹۰ تحت مسانید عمار بن یاسر۔ دکن۔

(۵) ترمذی شریف ص ۵۵۱ طبع لکھنو تحت باب فضل عائشہؓ۔

یعنی کیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حبیبہ کے لیے ایذا رسانی کرتا ہے وہ تو آنجناب صلعم کی جنت میں بھی حرم محترم ہیں۔"

پھر حضرت حسنؓ اور عمار بن یاسر مع ان جماعتوں کے جنہوں نے ان کی ہمنوائی کی کوفہ سے واپس تشریف لاکر حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

واقعہ جمل کے متعلقات

○ —— فریقین میں مصالحت کی گفتگو

○ —— اور مفسدین کی طرف سے فساد کی کوششیں

بصرہ کے قریب دونوں فریق کی جماعتیں اپنے اپنے مقام پر فروکش ہوئیں اور اس دوران جانبین کے درمیان بعض معتمد حضرات کے ذریعے مصالحت کی گفتگو جاری ہوئی (جس کی تفصیلات کتب تاریخ میں مورخین نے اپنے اپنے طرز پر لکھی ہیں)

اس موقعہ پر باہمی سوظنی رفع کرنے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے متعدد اکابرین نے مساعی کیں۔ اس سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ کی جانب سے ایک بزرگ قعقاع بن عمرو التمیمیؓ (جو صحابی ہیں) حضرت صدیقہؓ اور ان کے ہم نوا حضرات کی خدمت میں تشریف لے گئے اور باہم مصالحانہ گفتگو کرنا مقصد تھا۔ حضرت ام المومنینؓ کی جناب میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:

۔۔۔۔فقال (القعقاع) ای اُمّہ ما اشخصک وما اقدمک هذه البلدة؟ قالت: ای بنی! اصلاح بین الناس[1]

یعنی قعقاع کہنے لگے اے ام المومنین! اس شہر میں آپؓ کا تشریف لانا اور

---

(۱) الفتنة ووقعة الجمل ص۱۴۵ تحت مساعی الاصلاح

(۲) البدایہ ص۲۳۸ ج۷ تحت واقعہ ہذا

(۳) روح المعانی ص۹-۱۰ ج۲۲ تحت آیت وقرن فی بیوتکن۔

اقدام کرنا کس مقصد کے لیے ہے؟ تو ام المومنین نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان (جو فتنہ کھڑا ہوگیا ہے) اس میں اصلاح کی کوئی صورت پیدا کرنے کے لیے۔

پھر قعقاعؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ اسی مقصد پر کلام کی تو انہوں نے بھی حضرت صدیقہؓ کے جواب کی تائید کی اور اپنا مقصد بھی اصلاح بین الناس بیان فرمایا۔

اس کے بعد جناب القعقاع نے کہا (جس کا اجمالاً مفہوم یہ ہے) کہ اس چیز کا بہترین حل اس فتنہ میں تسکین (اور لوگوں میں جو اضطراب ہے) اس میں سکون پیدا کرنا ہے اور سلامتی اور مصالحت کی فضا بنانا اور کلمۃ المسلمین میں اتفاق قائم کرنا ہے۔

ان حالات میں آپ حضرات کا حضرت علیؓ سے بیعت کر لینا خیر کی علامت اور رحمت کی بشارت ہے۔ اس طریقہ سے قتل عثمانی کا بدلہ لینا آسان ہو سکے گا۔ اور امت کے لیے سلامتی اور عافیت اس میں ہوگی۔

اور اگر آپ حضرات بیعت سے انکار کرتے ہیں تو پھر یہ علامت شر کی ہوگی اور اس سے اسلامی حکومت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوگا (اور اس طرح اس قتل کا بدلہ نہ لیا جا سکے گا) ملت کی سلامتی و عافیت جس امر میں ہے اس کو آپ حضرات ترجیح دیں۔ جیسا کہ سابقاً آپ اسلام کے لیے خیر ثابت ہوئے۔ اسی طرح اب بھی ملت کے حق میں مفتاح خیر ثابت ہوں اور افتراق کے فتنہ اور بلیات سے اجتناب کا سبب بنیں ۔۔۔۔ الخ

افہام و تفہیم کے اس بیان کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت صدیقہؓ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اصبت واحسنت فارجع"۔۔۔ الخ

یعنی آپ نے درست بات کی اور بہتر چیز بیان کی ہے۔ ہم لوگ اس بات پر آمادہ ہیں:

"فرجع الی علیؓ فاخبرہ" فاعجبہ ذالک واشرف

القوم على الصلح، كره ذالك من كرهه ورضيه من رضيه، وأرسلت عائشة الى على تعلمه انها انما جاءت للصلح، ففرح هؤلاء وهؤلاء"[1]

یعنی (اس گفتگو کے بعد جناب القعقاع) حضرت علیؓ کی طرف واپس تشریف لائے اور اس مکالمہ کی اطلاع کی تو حضرت علیؓ نے اس چیز کو بہت پسند فرمایا اور باقی لوگ بھی صلح پر متوجہ ہو گئے۔ بعض لوگوں کو یہ بات ناگوار گزری اور بعض کو یہ چیز پسند آئی۔

اندریں حالات حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت علی کی طرف پیغام ارسال کیا اور اس میں اطلاع دی کہ ہمارا یہاں آنا صلح کے لیے ہی ہے (یعنی قتال کیلئے نہیں) چنانچہ ہر دو جانب کے حضرات اس صورت حال پر بہت مسرور ہو گئے۔

مختصر یہ ہے کہ دونوں فریق نے جناب القعقاعؓ کے کلام کی روشنی میں صلح و مصالحت پر اتفاق ظاہر کیا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک اہم خطبہ

اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت میں وہ لوگ از خود آشامل ہوئے جو قتل عثمانیؓ کے سانحہ میں ملوث تھے۔ اور بنیادی طور پر یہ فتنہ کھڑا کرنے والے تھے۔

جناب القعقاع بن عمروؓ کی مصالحانہ گفتگو کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس موقعہ پر ایک عظیم خطبہ دیا ہے۔ جس کا کچھ حصہ ہم نے قبل ازیں تحت عنوان "شہادت عثمانیؓ کی وجوہ" ذکر کیا ہے۔ (جس میں اسلام کی عظمت اور فضیلت بیان کی گئی اور ذکر کیا ہے کہ اسلام

---

[1] (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۳۷ ج ۷ تحت واقعہ ہذا

(۲) الفتنہ و وقعۃ الجمل ص ۱۴۵-۱۴۶ تحت مساعی الاصلاح

(۳) روح المعانی ص ۹-۱۰ ج ۲۲ تحت آیت وقرن فی بیوتکن۔

کے ساتھ حسد اور عناد رکھنے والی اقوام نے ہم پر (اختلاف کا) یہ فتنہ لاکھڑا کر دیا ہے ۔۔۔۔ الخ)

اسی خطبہ میں جناب علیؓ نے یہ بات بھی فرمائی کہ ہم کل یہاں سے آگے پیش قدمی کرنے والے ہیں (یعنی دوسری فریق کے قریب جا کر قیام کا ارادہ رکھتے ہیں) خبردار! جس شخص نے حضرت عثمانؓ کے قتل میں اعانت بھی کی ہو وہ بھی ہم سے الگ ہو جائے اور ہمارے ساتھ نہ رہے ۔۔۔۔ الخ

الا وانی راحل غداً فارتحلوا، الا ولا یرتحلن غداً احد اعان علی عثمان بشیءٍ فی شیءٍ من امور الناس ۔۔۔۔ الخ[1]

مفسدین کی ایک مذموم کوشش

جس وقت امیر المومنینؓ کی طرف سے یہ اعلان ہوا تو اس وقت فتنہ انگیز پارٹی کے سربرآوردہ لوگ (شریح بن اوفی، علباء بن الہیثم، سالم بن ثعلبہ العبسی، عبداللہ بن سبا (ابن سوداء) خالد بن ملجم، عدی بن حاتم وغیرہم) (جن میں ایک بھی صحابی نہ تھا)[2] سخت پریشان ہوئے اور انہیں اپنا انجام تاریک نظر آنے لگا)

اس پر انہوں نے ایک خفیہ مشورہ کیا اس میں یہ لوگ کہنے لگے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کی رائے جو ہمارے حق میں ہے وہ تو ہمیں معلوم ہے لیکن حضرت علی بن ابی طالب کی رائے جو ہمارے حق میں ہے وہ ہمیں صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ اللہ کی قسم لوگوں کی رائے ہمارے حق میں ایک ہی ہے (یعنی ہمارا خاتمہ چاہتے ہیں) اور ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ اگر صلح کر لی تو وہ صلح یقیناً ہمارے خلاف ہوگی اور ہمارے قتل پر منتج ہوگی۔ آیئے!

---

[1] (۱) الفتنۃ ووقعۃ الجمل لسیف بن عمر الضبی ص۱۴۷ تحت عنوان سعی الاصلاح

(۲) تاریخ الطبری ص۱۹۴ ج۵ تحت نزول امیر المومنین ذا قار۔

(۳) البدایہ لابن کثیر ص۲۳۷-۲۳۸ جلد۷ تحت احوال قبل الجمل

[2] البدایہ میں ابن کثیر نے فرمایا کہ ۔۔۔۔ ولیس فیھم صحابی" ولله الحمد" (البدایہ ابن کثیر ص۲۳۸ ج۷ طبع مصر تحت واقعہ ہذا)

علیؓ بن ابی طالب کا ہی خاتمہ کر ڈالیں اور ان کو عثمانؓ کے ساتھ لاحق کر دیں۔ پھر فتنہ قائم ہو جائے گا۔ مگر اس مشورہ میں ان کا باہمی اختلاف واقع ہو گیا اور قتل علیؓ پر ان کا اتفاق نہ ہو سکا۔ فلہذا یہ سکیم ناکام رہی چنانچہ مؤرخین نے اس مسئلہ کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۔۔۔۔۔۔ اما طلحۃؓ والزبیرؓ فقد عرفنا امرھما واما علیؓ فلم نعرف امرہ حتی کان الیوم ورأی الناس فینا واللہ واحد وان یصطلحوا وعلیؓ، فعلی دمائنا، فھلموا فلنتوا ثب علی علیؓ فلنلحقہ بعثمان، فتعود فتنۃ یرضی منا فیھا بالسکون۔[1]

مختصر یہ ہے کہ کارزار جمل سے پہلے یہ مفسدین ایک اور عظیم فتنہ (قتل علی) کی شکل میں کھڑا کرنا چاہتے تھے لیکن یہ سکیم ان کی اپنی باہم نااتفاقی کی بنا پر نامکمل رہی۔ واقعہ ہذا کے لیے ہم نے ذیل مؤرخین کے چند حوالے حواشی میں دے دیئے ہیں۔[2]

تائید مسئلہ ہذا

اور اس واقعہ کی تائید متعدد اکابر علماء نے کر دی ہے یہاں صرف ایک حوالہ شیخ عبدالوہاب الشعرانیؒ سے نقل کیا جاتا ہے۔

شیخ شعرانی لکھتے ہیں کہ:

۔۔۔۔۔۔ فان بعضھم کان عزم علی الخروج علی

---

[1] (۱) الفتنۃ و وقعۃ الجمل ص۱۴۸ تحت عنوان رؤوس الفتنۃ یحبطون مساعی الاصلاح

(۲) تاریخ طبری ص۱۹۵ ج۵ تحت سنہ ۳۶ کتب الی السری۔

(۳) البدایۃ لابن کثیر ص۲۳۸ ج۷ تحت واقعہ ہذا۔

[2] (۱) الفتنۃ و وقعۃ الجمل ص۱۴۸ تحت عنوان رؤوس الفتنۃ الخ۔

(۲) تاریخ طبری ص۱۹۵ جلد ۵ تحت سنہ ۳۶ (کتب الی السری)

(۳) البدایۃ لابن کثیر ص۲۳۸ ج۷ (سابع) تحت واقعہ ہذا۔

الاما م علیؓ وعلی قتلہ بما نادیٰ یوم الجمل بان یخرج عنہ قتلۃ

عثمانؓ .... الخ [1]

یعنی حضرت علیؓ نے جب جمل کے موقعہ پر اعلان فرمایا کہ قاتلین عثمان (ہماری جماعت سے) نکل جائیں، تو ان کے بعض (مفسدین واشرار) نے خود حضرت علیؓ کے خلاف خروج کر کے ان کے قتل کرنے پر عزم کر لیا تھا ...... الخ

لیکن اس مشورہ پر عمل نہ ہو سکا اور ان کا یہ مذموم عزم ناتمام رہا۔

جانبین کی صلح پر آمادگی

اس کے بعد حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت صدیقہؓ اپنے ساتھیوں سمیت "زابوقہ" کے مقام میں پہنچیں قعقاع اور ان کے درمیان ہونے والی مذکورہ گفتگو کی روشنی میں دونوں جماعتوں کے درمیان صلح اور اصلاح میں کوئی شک نہ رہا۔

.... وھو لا یشکون فی الصُّلح [2]

اور دوسری طرف حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جماعت کی معیت میں "ذاقار" کے مقام میں تشریف لائے۔ ہر ایک جماعت کے ساتھ نظریاتی طور پر ہم خیال قبائل شامل تھے اور جانبین میں جو صلح کی صورت پیدا ہو گئی تھی سب اس پر مطمئن تھے اور مسرت کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ کے ہم نوا حضرات (حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ وغیرہم) حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

---

[1] کتاب الیواقیت والجواہر للشیخ عبدالوہاب الشعرانیؒ ص۶۴ ج۲ جلد ثانی تحت الرابع والاربعون طبع مصر۔

[2] (۱) الفتنۃ ووقعۃ الجمل ص۱۵۵ تحت بحث ہذا۔

(۲) روح المعانی ص۹ ج۲۲ تحت آیت وقرن فی بیوتکن ..... الخ پ۲۲

دوسری جانب حضرت علی المرتضیٰؓ قاتلینؓ کو شرعی سزا دینے پر رضا مند ہو گئے تھے۔

اس صورتِ حال کو مؤرخ طبری نے اپنے انداز میں درج کیا ہے ملاحظہ فرماویں۔ تاریخ طبری جلد خامس سنہ ۳۶ھ ص ۲۰۲ آخر عنوان نزول علی الزاویۃ من البصرۃ۔

واقعہ جمل میں دفعۃً قتال کی تجویز اور مخادعت کی تدبیر

ان حالات میں تمام حضرات نے خیر اور سلامتی کے ساتھ شب باشی کی لیکن مفسدین اور قاتلین حضرت عثمانؓ نے شر اور فساد کے ساتھ رات بسر کی۔ اور تمام رات شر عظیم کھڑا کرنے کی تدابیر میں منہمک رہے۔

آخر کار تاریکی میں دفعۃً قتال کھڑا کر دینے پر ان کا اتفاق ہو گیا۔

یہ ان اشرار کی طرف سے تیسرا "الفتنۃ الکبریٰ" تھا۔ ایک شہادۃ عثمانی کا سانحہ دوسرا حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ کے قتل کی تدبیر اور "تیسرا یہ قتال بین المسلمین قائم کر دینا"

ان لوگوں کا طریق کار یہ طے پایا کہ ہم میں سے کچھ لوگ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہم نواؤں کی قیام گاہ پر اور دوسرا گروہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت پر دفعۃً و ناگہاں رات کی تاریکی میں دوسرے فریق کی جانب حملہ کر دے۔ اور ہر ایک فریق بلند آواز میں پکارے کہ فریق مخالف نے بدعہدی کرتے ہوئے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔

چنانچہ اس تدبیر کے موافق صبح صادق سے قبل ان مفسدین کے دو گروں نے تقسیم ہو کر جانبین کی قیام گاہوں پر حملہ کر دیا اور اس طرح ہر ایک فریق نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہم پہ مخالف فریق نے بدعہدی کرتے ہوئے حملہ کر دیا ہے پوری شدت سے جنگ کی لیکن ہر ایک فریق کا مقصد اپنا اپنا دفاع کرنا تھا۔ قتال میں ابتدا کرنا منظور نہ تھا۔

اس صورت حال میں بے شمار مسلین مخادعۃ اور مفسدین کی سازش کی وجہ سے

مقتول ہوئے اور غلط فہمی کی بنا پر شہید ہو گئے۔

مفسدین کی اس تدبیر فاسد نے اہل اسلام کو جو ایک ہو چکے تھے۔ اور آپس کے معاملات صحیح صورت حال میں ترتیب پا رہے تھے دو جماعتیں بنا کر رکھ دیا اور مسلمانوں کی وحدت کو وہ شدید نقصان پہنچایا جس کی تلافی ناممکن ہو کر رہی۔ اہل اسلام کے درمیاں ہمیشہ کے لیے انتشار و افتراق قائم ہو گیا اور لوگوں میں نظریاتی طور پر الگ الگ طبقے قائم ہو گئے۔

مذکورہ بالا صورت حال موتف کی طرف سے کوئی خیالی تصویر نہیں ہے۔ بلکہ امت کے اکابر علماء نے اس سانحہ کو اسی شکل میں تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

قارئین کرام کے اطمینان کے لیے ہم یہاں صرف دو عدد حوالہ جات (ایک تفسیر قرطبی سے اور دوسرا المنتقیٰ ذہبی سے) پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

باقی حضرات کے حوالے نقل کر دیئے ہیں تاکہ اہل تحقیق ان مراجع کی طرف رجوع فرماسکیں تمام عبارات کا یہاں نقل کرنا امر صعب ہے۔

(۱) علامہ قرطبیؒ نے اپنی مشہور تفسیر "احکام القرآن" میں سورۃ "الحجرات" کی آیات کے تحت جنگ جمل کا واقع ہونا عبارت ذیل میں لکھا ہے۔

ـــــــ قلت فهذا اقول فی سبب الحرب الواقع بینهم، وقال جلة من اهل العلم: ان الوقعة بالبصرة بینهم کانت علی غیر عزیمة منهم علی الحرب بل فجاءةً، وعلی سبیل دفع کل واحد من الفریقین عن انفسهم لظنه ان الفریق الآخر قد غدر به۔ لان الامر کان قد انتظم بینهم وتم الصلح والتفرق علی الرضاء فخاف قتلة عثمان رضی الله عنه من التمکین منهم والاحاطة بهم فاجتمعوا وتشاوروا واختلفوا، ثم اتفقت آراؤهم علی ان یفترقوا فریقین

ويبدؤا الحرب سحرة في العسكرين وتختلف السهام بينهم، ويصيح الفريق الذي في عسكر علیؓ غدر طلحة والزبیرؓ والفريق الذي في عسكر طلحة والزبير: غدر علیؓ، فتم لهم ذالك على مادبروه، ونشبت الحرب. فكان كل فريق دافعاً لمكرته عند نفسه ومانعاً من الاشاطة بدمه. وهذا صواب من الفريقين وطاعة لله تعالى. اذ وقع القتال والامتناع منهما على هذه السبيل. وهذا هو الصحيح المشهور والله اعلم[1]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ بصرہ میں (جنگ جمل کا) جو واقعہ پیش آیا ہے یہ قتال کے ارادے سے وقوع پذیر نہیں ہوا تھا بلکہ یہ صورت حال اچانک قائم کر دی گئی اور حملہ ناگاہ پیش آیا۔ اور ہر ایک فریق نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ دوسرے فریق نے بدعہدی کی ہے اپنی طرف سے مدافعت کے طور پر قتال کیا تھا۔ کیونکہ پہلے ان سب کے درمیان معاملہ طے ہو چکا تھا اور صلح تمام ہو چکی تھی اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ باہمی اعتماد اور رضا مندی سے ٹھہرے ہوئے تھے۔

اس صورت حال سے قاتلین عثمانؓ کو خوف لاحق تھا کہ یہ حضرات ان پر قدرت پا لیں گے اور سخت گرفت کریں گے۔ پس وہ مجتمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے پہلے ان کا کچھ باہم اختلاف ہوا لیکن بعد میں اس امر پر ان کی آراء متفق ہو گئیں کہ ہم دو فریقوں میں تقسیم ہو جائیں اور علی الصباح دونوں فریق کے لشکروں میں قتال کی ابتدا کر دیں۔ اور ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق پر تیر اندازی کریں۔ اور جو فریق حضرت علی کے لشکر میں پہنچے وہ ندا کرے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بدعہدی کر دی ہے۔

---

[1] تفسیر القرطبی ص۳۱۸، ۳۱۹ جلد ساد س عشر۔ تحت سورۃ الحجرات) تحت مسئلۃ الرابعۃ۔ (لابی عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المتوفی ۶۷۱ھ)

اس طرح انہوں نے جو فساد کی تدبیر کی تھی وہ پوری اتری اور جنگ واقع ہو گئی اور ہر ایک فریق نے اپنی جانب سے دوسرے فریق کے حیلہ کی مدافعت کی اور اپنی ہلاکت سے منع کرنے والا ٹھہرا۔ مختصر یہ ہے کہ یہ قتال اور دفاع دونوں فریق کی طرف سے مذکورہ نوعیت میں واقع ہوا تھا۔ یہی بات صواب اور صحیح ہے۔"

(۲) اور علامہ شمس الدین الذہبیؒ نے "المنتقیٰ" میں اور قاضی صدر الدین الحنفی نے "شرح الطحاویۃ" میں جنگ جمل کی نوعیت اور کیفیت قتال مندرجہ ذیل عبارت میں تحریر کی ہے قارئین کرام کی تسلی کے لیے درج کی جاتی ہے۔

(۱) ——— "واھل العلم یعلمون انھم لم یقصد واحرب علیؓ ولا علیؓ قصد حربھم ولکن وقع القتال بغتۃً فانھم تعاتبوا واتفقوا ھم وعلیؓ علی المصلحۃ واقامۃ الحد علی قتلۃ عثمان فتنواطأت القتلۃؓ علی اقامۃ الفتنۃ اذن۔ کما اقاموھا اولاً۔ فحملوا علی طلحۃؓ والزبیرؓ وعسکرھما فحملوا دفعاً للصائل فاشعر القتلۃ علیاً انھما حملا علیہ فحمل علیؓ دفعاً عن نفسہ فکان کلٌ منھم قصدہ دفع القتال لا الابتداء بالقتال"۔ [1]

(۲) ——— فجرت فتنۃ الجمل علی غیر اختیار من علیؓ ولا من طلحۃؓ والزبیرؓ، وانما اثارھا المفسدون بغیر اختیار السابقین"۔ [2]

---

[1] المنتقیٰ للذہبی ص۲۴۴ طبع مصر (المتوفی ۷۴۸ھ)

[2] شرح الطحاویۃ ص۴۳۱ مطبوعہ ریاض۔ فی عقیدۃ السلفیہ۔ لقاضی صدر الدین علی بن علی بن محمد بن ابی العز الحنفی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل علم کو معلوم ہے کہ حضرت طلحہ و حضرت زبیرؓ کی جماعت نے حضرت علیؓ کے ساتھ قتال کا قصد نہیں کیا تھا اور نہ ہی حضرت علیؓ کا ان کے ساتھ جنگ کا ارادہ تھا لیکن یہ قتال ناگہانی طور پر واقع ہو گیا (یعنی دونوں فریق کے اختیار کو اس میں دخل نہ تھا)۔

ان حضرات نے پہلے ایک دوسرے پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا پھر دونوں فریق مصلحت پر متفق ہوئے اور قاتلین عثمانؓ پر اقامت حد کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اس وقت قاتلین (مفسدین) نے فتنہ قتال کھڑا کرنے پر باہمی اتفاق و اجماع کر لیا جس طرح کہ انہوں نے قبل ازیں (قتل عثمانؓ) کے موقعہ فتنہ برپا کیا تھا۔

(اپنی طے شدہ تدبیر کے موافق) ان اشرار نے حضرت طلحہ و زبیر اور ان کے جیش پر حملہ کر دیا پھر ان کے جواب میں انہوں نے بھی مدافعت کرتے ہوئے جوابی حملہ کیا۔

اور قاتلین نے حضرت علیؓ کو اطلاع کی کہ طلحہؓ و زبیر نے حملہ کیا ہے اس صورت میں حضرت علیؓ کی طرف سے بھی مدافعانہ حملہ کیا گیا۔ پس ہر ایک فریق کا مقصد حملہ کا دفاع کرنا تھا۔ قتال میں ابتدا کرنا ہرگز پیش نظر نہ تھا۔"

ان ہر دو حوالہ جات کے بعد بعض اکابر علماء کے صرف حوالہ جات ذیل میں نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے تاکہ اہل علم حضرات توجہ فرما سکیں تمام عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔

(۱) الفتنۃ و وقعۃ الجمل لسیف بن عمر والضبی (المتوفی ۲۰۰ھ) ص ۱۵۵/۱۵۶ طبع بیروت تحت عنوان "المعرکہ"

(۲) التاریخ لابن جریر الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) ص ۲۰۲/۲۰۳ جلد خامس تحت عنوان "امر القتال"

(۳) کتاب الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم اندلسی (المتوفی ۴۵۶ھ) ص ۲۰۲ ج ثانی

(۴) الکامل فی التاریخ لابن اثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) ص ۱۲۳/۱۲۴ جلد ثالث تحت مسیر علیؓ الی البصرۃ ۔۔۔۔۔ الخ

(۵) منہاج السنۃ لابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) ص ۲۴۱ ج ۳ تحت الخلاف الذي وقع فی زمن

امیر المومنین علیؓ۔

(۶) البدایۃ لابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) ص۲۴۹ ج۷ طبع اول مصری (تحت بحث واقعہ ہذا)

(۷) تفسیر روح المعانی سید محمود آلوسی بغدادی المتوفی ۱۲۷۰ھ) ص۱۰ جلد ۲۲ پ۲۲ تحت آیۃ وقرن فی بیوتکن۔

علماء اعلام نے مندرجہ بالا تمام مقامات میں مسئلہ ہذا اپنی عبارات میں اسی طرح تصریحاً ذکر فرمایا ہے کہ قتال ہذا ان اکابر صحابہ کرام کے درمیان از راہِ مخادعت واقع ہوا ہے۔ ہر دو فریق کا ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے کا قصد ہرگز نہ تھا اور دونوں جماعتوں کے قصد اور اختیار کے بغیر مفسدین نے یہ فتنہ کھڑا کر دیا۔ سو اس فتنہ عظیم کو "الفتنۃ الکبریٰ" کے نام سے تعبیر کرنا بالکل بجا ہے۔

چنانچہ اسی "الفتنۃ الکبریٰ" میں جو از راہ مخادعت کھڑا کیا تھا۔ اکابر حضرات مثلاً حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہ وغیرہم شہید ہو گئے۔

شہادت حضرت زبیرؓ

حضرت زبیرؓ بن عوام کی وفات اس موقعہ میں اس طرح ہوئی تھی کہ جنگ سے حضرت زبیرؓ ہٹ کر ایک وادی جسے "وادی السباع" کہتے تھے۔ آرام کرنے بیٹھ گئے وہاں آکر ایک شخص نے جسے عمرو بن جرموز کہتے تھے۔ حضرت زبیرؓ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔

اور آپؓ کے سر کو لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت علیؓ نے فرمایا اس کو اندر آنے کی اجازت مت دو اور اس کو "جہنم" کی بشارت دے دو۔

"فقال علی لا تاذنوا لہ وبشروہ بالنار"۔[1]

---

[1] البدایۃ ص۲۴۹ ج۷ تحت تذکرہ زبیرؓ بن عوام

شہادت حضرت طلحہؓ

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں شامل تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھ دوران جنگ ان کی گفتگو ہوئی اس کے بعد آپؓ صفوں کے درمیان گھوڑے پر سوار کھڑے تھے کہ اچانک ایک تیر آپ کے گھٹنے میں آکر پیوست ہوگیا اور اسی کی وجہ سے آپؓ کی شہادت واقع ہوئی۔

"۔۔۔۔ فوقف فی بعض الصفوف فجاءہ سہم غرب فوقع فی رکبتہ"۔ ؎

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شہادت حضرت طلحہؓ کے متعلق عموماً مورخین نے دو طرح کی روایات ذکر کی ہیں۔ بعض روایات میں "سہم غرب" کا لفظ مذکور ہے یعنی آپؓ ایک ایسے تیر سے شہید ہوئے۔ جس کا تیر انداز معلوم نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کس جانب سے آکر لگا اور بعض دیگر روایات میں مؤرخین نے صیغہ تمریض مثلاً یقال، قیل، یزعمون، یقولون، وغیرہ الفاظ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے تیر انداز مروان بن حکم کو ٹھہرایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ پہلی قسم کی روایات حضرت طلحہؓ کے قاتل متعین کرنے میں خاموش اور ساکت ہیں دوسری نوع کی روایات شک اور تمریض کے الفاظ کے ساتھ مروان کے قاتل ہونے کا تاثر دیتی ہیں۔ ان حالات میں اب ہم تیسری قسم کی روایت اس مسئلہ پر پیش کرتے ہیں جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کا قاتل حضرت علی المرتضیٰؓ کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گروہ کے ساتھ قاتل کا کوئی تعلق نہیں تھا نیز وہ قاتل مروان

؎ (۱) تاریخ الطبری ص ۲۱۵ ج ۵ تحت حالات جمل ۳۶ھ۔

(۲) البدایہ ص ۲۴۱ ج ۷ تحت واقعہ ہذا۔

(۳) البدایہ ص ۲۴۷ ج ۷ تحت طلحہؓ بن عبید اللہ

بن حکم نہیں ہے بلکہ کوئی اور شخص تھا یہ روایت طبقات ابن سعد میں بالفاظ ذیل باسند ذکر کی گئی ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

..... ربعی بن حراش قال انی لعند علیٌ جالسٌ اذ جاء ابن طلحۃ (عمران بن طلحۃ) فسلم علی علیٌ فرحب بہ علی فقال ترحب بی یا امیر المومنین ؟ وقد قتلت والدی واخذت مالی قال اما مالك فھو معزول فی بیت المال فاغد الی مالك فخذہ واما قولك قد قتلت ابی فانی ارجوان اکون انا و ابوك من الذین قال اللہ " ونزعنا ما فی صدورھم من غلٍ اخوانًا علی سررٍ متقابلین" ..... الخ [1]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ربعی بن حراش کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت طلحہؓ کے فرزند (عمران) تشریف لائے اور سلام عرض کیا۔ حضرت علی نے جواب میں مرحبا اور خوش آمدید کے کلمات فرمائے تو حضرت طلحہؓ کے فرزند کہنے لگے کہ یا امیر المومنین! آپ مجھے مرحبا فرما رہے ہیں حالانکہ جناب نے میرے والد کو قتل کر ڈالا اور ہمارا مال قبضے میں لے لیا ہے تو سیدنا علیؓ نے جواب میں فرمایا، تمہارا مال بیت المال میں علیحدہ محفوظ ہے ۔ صبح آکر اپنا مال لے لینا اور تیرا یہ کہنا کہ تم نے میرے والد کو قتل کیا ہے تو اس سلسلہ میں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں اور تیرے والد قیامت میں ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ (بہشت میں) مومنوں کے دل سے ہم کینہ کو دور کر دیں گے اور وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تخت نشین ہوں گے ..... الخ "

روایت ہذا سے معلوم ہوا کہ :

(۱) واقعہ ہذا کا راوی بذات خود مجلس میں موجود تھا اور اس کا یہ اپنا بیان ہے کسی سے

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۶ آخر تذکرہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ۔ طبع لیدن ۔

شنید نہیں۔

(۲) حضرت طلحہؓ کے فرزند نے امیر المؤمنین کو قاتل کہہ کر خطاب کیا ہے معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ کا قاتل حضرت علیؓ کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ قاتل مروان بن حکم نہیں تھا۔

(۳) اگر مروان بن حکم حضرت طلحہؓ کا قاتل ہوتا تو جواب میں حضرت علیؓ فرماتے کہ حضرت طلحہؓ کو خود تمہارے آدمی نے قتل کیا ہے۔ مجھے کیوں قاتل قرار دیتے ہو؟

(۴) یہ مکالمہ جنگ جمل کے متصلاً بعد میں پیش آیا تھا۔ اس وقت (مروان کے قاتلِ طلحہؓ ہونے کا مسئلہ کیسے مخفی رہ سکتا تھا؟

مدت دراز کے بعد راویوں کو یہ مسئلہ معلوم ہو گیا؟ اور واقعہ میں شرکت کرنے والوں پر یہ واضح نہ ہو سکا؟ (یاللعجب)

مسئلہ کی تائید

مذکورہ مسئلہ کی تائید میں کبار علماء کے بعض بیانات پیش خدمت ہیں۔

☽ علامہ بدرالدین العینیؒ شارح بخاری نے شرح عمدۃ القاری میں اس چیز کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے۔

قتل یوم الجمل اتاہ سہم لا یدری من رماہ واتہم بہ مروان" (عمدۃ القاری ص ۲۶۵ جزء اول کتاب الایمان باب الزکوٰۃ من الاسلام۔

یعنی حضرت طلحہؓ جمل کے روز قتل کیے گئے تیر ان پر آکر لگا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کون پھینکنے والا تھا؟ اور مروان کی طرف اس کی تہمت لگائی گئی"۔

مطلب یہ ہے کہ صحیح طور پر طلحہؓ پر تیر چلانے والا تو معلوم نہیں لیکن اس بات کی نسبت مروان کی طرف کر دی گئی اس کو اتہام کہا جا سکتا ہے۔

☽ اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ جلد سابع میں مؤرخین کے دونوں اقوال نقل کیے ہیں ایک

یہ کہ کہا جاتا ہے کہ مروان نے یہ تیر چلایا تھا دوسرا یہ کہ مروان کے ماسوا کسی دوسرے شخص نے تیر پھینکا تھا۔"

اس کے بعد اپنی رائے درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

------- "وھذا عندی اقرب وان کان الاول مشھوراً واللہ اعلم۔" (البدایہ ص۲۴۷ جلد سابع تحت ذکر طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ)

یعنی مروان کے سوا کسی دوسرے شخص کا قاتل طلحہ ہونا میرے نزدیک یہ قول صواب کے زیادہ قریب ہے اگرچہ پہلا قول مشہور ہو چکا ہے۔"

درایت کے اعتبار سے

مذکورہ اشیاء تو روایت کے اعتبار سے منقول ہیں۔ اور درایت کے لحاظ سے یہ عرض ہے کہ :

واقعہ جمل میں دو فریق باہم متقابل صورت میں آمنے سامنے تھے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے فریق میں مروان بن حکم موجود تھا۔ حضرت عثمانؓ کے بعض فرزند بھی اسی فریق میں تھے ان کے مقابل حضرت علیؓ سبھے جا رہے تھے اور ان کا گروہ دوسرا فریق تھا۔

قتال ہذا میں علوی فریق کا پلڑا بھاری ہو گیا اور وہ غالب آنے لگے اس صورت میں دوسرے فریق کے قدم اکھڑ گئے اور شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ ان ابتری کے حالات میں اگر حضرت طلحہؓ پیش قدمی کی بجائے پیچھے ہٹنے لگے ہوں اور کسی نے تاک کر وار کر دیا ہو تو ہو سکتا ہے لیکن اس حالت میں اپنی ہی جماعت اور اپنی ہی فریق کا آدمی ان پر حملہ آور ہو یہ بالکل عقل و دانش کے خلاف ہے۔ پھر حضرت طلحہؓ پر قاتلانہ وار کر کے مروان کا یہ کہنا کہ "اے عثمانؓ کے فرزندو! میں نے تمہارے باپ کے قاتل سے بدلہ لے لیا ہے" یہ دروغ بے فروغ تجویز کیا گیا ہے۔

اگر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حضرت عثمانؓ کے قاتلین میں سے تھے اور ان سے قتل ہذا کا بدلہ لینا ہی مقصود تھا تو یہاں بصرہ میں آکر قتال میں وار کرنے کی کیا حاجت تھی؟ وہیں مدینہ طیبہ میں ان سے بدلہ لے لیتے۔ یا پھر مکہ شریف میں کئی ماہ مشورے جاری رہے تھے وہاں موقعہ پاکر

بدلہ لے لیتے۔ اتنے دور دراز سفر میں کہیں ناگہانی حملہ کر دیتے۔ دروغ تیار کرنے کے لیے بھی قدرے عقل مندی سے کام لینا چاہیے۔ یہاں تو بالکل یہ داستان بڑی بے اصولی سے گھڑی گئی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ پر حملہ کنندگان فریق مقابل کے ہی آدمی تھے ان کی اپنی فریق کے آدمی نہیں تھے۔ یہی قرین قیاس ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جنگ جمل کا اختتام

جنگ جمل میں حضرت سیدنا علیؓ کی جماعت غالب آگئی اور دوسرے فریق کے اکابر حضرت زبیر اور حضرت طلحہؓ وغیرہم شہید ہو گئے اور یہ فریق مغلوب ہو گئی۔ ان حالات میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حفاظت کے انتظامات ضروری تھے چنانچہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ نے سب سے پہلے اس امر کی طرف توجہ فرمائی اور ایک جماعت کو حکم دیا کہ مقتولین کے درمیان میں سے حضرت عائشہ صدیقہ کے ہودج (جسے پالکی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے) کو اٹھا کر حفاظت میں لے لیں۔ آپؓ نے محمد بن ابی بکرؓ اور عمار بن یاسرؓ کو حکم دیا کہ کسی مناسب اور محفوظ مقام میں ان کے لیے قبہ (خیمہ) لگائیں۔ اس حفاظتی تدبیر کے بعد محمد بن ابی بکرؓ نے آکر حضرت صدیقہؓ سے خیریت دریافت کی اور عرض کیا کہ آپؓ کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں پہنچی؟

نیز خود حضرت علیؓ بھی تشریف لائے اور حضرت صدیقہؓ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد مزاج پرسی کی تو جواب میں حضرت صدیقہؓ نے فرمایا:

میں بخیریت ہوں۔ اور حضرت علیؓ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ آپؓ کی مغفرت فرمائے۔

اور ساتھ ہی حضرت علیؓ کی جماعت کے دیگر اکابر حضرات بھی حضرت ام المومنین صدیقہؓ کی خدمت میں خیریت طلبی اور دریافتِ سلامتی کے لیے حاضر ہوئے اور ام المومنین کی خدمت میں تسلیمات عرض کیے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر اور ابن جریر الطبری کے اس موقعہ کے الفاظ بعینہ درج کیے

جاتے ہیں :

"...... وامر علی نفراً ان یحملوا الھودج من بین القتلی وامر محمد بن ابی بکر و عماراً ان یضربا علیھا قبۃً وجاء الیھا اخوھا محمد فسألھا ھل وصل الیک شیئ من الجراح؟ فقالت : لا۔

...... وجاء الیھا علی بن ابی طالب امیر المومنین مسلّماً فقال کیف انت یا امہ؟ قالت بخیر فقال یغفر اللہ لک۔ وجاء وجوہ الناس من الامراء والاعیان یسلّمون علی ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنھا" ؎۱

حضرت ام المؤمنین کی شان میں بدگوئی کا ایک واقعہ

اور

حضرت علیؓ کا اس پر سزا دینا

واقعہ جمل کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ چند ایام بصرہ میں قیام پذیر رہیں اس کے بعد بصرہ سے حجاز کی طرف روانہ ہوئیں تو اس موقعہ پر حضرت علیؓ تشریف لائے اور جس دار میں ام المومنین قیام پذیر تھیں آپؓ اجازت لے کر داخل ہوئے اور سلام کہا تو حضرت صدیقہؓ نے سلام کا جواب فرمایا اور مرحبا کہا۔

اس اثنا میں ایک شخص نے آکر امیر المومنین کو اطلاع دی کہ اے امیر المومنین! ....

؎۱ (۱) البدایۃ لابن کثیر ص ۲۴۳ ج ۷ طبع اول مصر تحت واقعات بعد از جمل۔

(۲) التاریخ لابن جریر الطبری ص ۲۱ ج ۵ تحت واقعات جمل س ۳۶ھ

مکان کے دروازہ پر دو شخص ام المومنین حضرت صدیقہؓ کے حق میں بدکلامی اور طعن گوئی اور سب و شتم کر رہے ہیں۔ تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے القعقاع بن عمروؓ کو حکم دیا کہ ان ہتک عزت کرنے والے دونوں شخصوں کو کپڑے اتار کر ہر ایک کو درے لگائے جائیں (اور شرعی سزا پوری کی جائے)۔

"۔۔۔۔۔۔ فقال له رجل يا امير المومنين ! ان على الباب رجلين ينالان من عائشةؓ۔ فامر عليؓ القعقاع بن عمرو ان يجلد كل واحد منهما مائة وان يخرجهما من ثيابهما" [1]

حضرت علیؓ کا حضرت ام المومنینؓ کے حق میں اعلان عام

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے حق میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی جانب سے پورا اکرام کیا گیا اور کامل احترام کے ساتھ ان کی حجاز کی طرف واپسی ہوئی تھی۔

اس سلسلہ میں شیعہ کتب سے بھی اس مسئلہ کی تائید حضرت علی المرتضیٰؓ کے کلام کی صورت میں موجود ہے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اہل بصرہ کے ساتھ بعد از جمل خطاب فرمایا اور اس خطاب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مقام و مرتبہ کو بیان فرماتے ہوئے کہا:

"ولها بعد حرمتها الاولىٰ" [2]

یعنی حضرت صدیقہؓ کے حق میں (واقعہ جمل کے بعد بھی) وہی سابق اکرام و احترام باقی ہے جو اس سے قبل تھا اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۴۵ ج ۷ تحت حالات بعد از واقعہ جمل

[2] نہج البلاغۃ ص ۲۸۳ ج ۱ تحت ومن کلام له خاطب به اهل البصرة وفي وصف السيدة عائشة ۔۔۔۔ الخ

مختصر یہ ہے کہ جو لوگ حضرت صدیقہؓ کے حق میں احترام اور ان کی شان کے خلاف بدگوئی کرتے ہیں ان کو اس مرتضویؓ فرمان سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اپنے ایمان کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

بصرہ سے روانگی
اور رخصتی کا انتظام و اہتمام

جب حضرت عائشہ صدیقہ کا حجاز کی طرف سفر کا قصد ہو گیا تو امیرالمومنین علی المرتضیٰؓ کی طرف سے ضروریاتِ سفر (سواری، زادِ راہ اور سامان سفر وغیرہ) بہم پہنچائے گئے اور بطور اعزاز کے اہلِ بصرہ کی بعض شرفا خواتین کو اس سفر میں ہمسفری کے لیے تیار کیا گیا۔ اور ان کے ساتھ محمد بن ابی بکر کو روانہ کیا گیا۔ اس سفر میں رخصتی کے موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ خود بھی تشریف لائے اور بھی کئی حضرات ام المومنینؓ کو رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ اور باہمی الوداعی کلمات ذکر فرما کر ایک دوسرے کو رخصت کیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت صدیقہؓ کا احترام ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"۔۔۔۔۔ وانها لزوجة نبيكم صلى الله عليه وسلم فى الدنيا والآخرة وسار علىؓ معها مودعاً ومشيّعاً اميالاً وسرّح بنيه معها بقية ذالك اليوم وكان يوم السبت مستهل رجب سنة ست وثلاثين ٣٦ھ"[1]

---

[1] (۱) البدایہ لابن کثیر ص۲۴۵ ج۷ تحت واقعات بعد از جمل۔
(۲) التاریخ لابن جریر الطبری ص۲۲۵ ج۵ تحت واقعات ۳۶ھ۔
(۳) الفتنۃ وقعۃ الجمل ص۱۸۳ تحت تجہیز علی عائشۃؓ

یعنی ام المومنین تمہارے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت میں حرم محترم ہیں اور زوجہ مکرمہ ہیں۔

پھر خود حضرت علی المرتضیٰؓ ان کے ساتھ کئی میل تک رخصت کرنے کے لیے پیادہ پا چلے اور اپنے فرزندوں کو اس دن ساتھ بھیجا۔ یہ سفر ہفتہ کے روز یکم رجب المرجب ۳۶ھ کو پیش آیا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ اس موقعہ کے کوائف کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

—— کہ ہر دو فریق کے مابین احترام کے جذبات موجود تھے۔ کسی قسم کا عناد اور فساد قلب میں نہیں تھا۔

—— اور ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت ملحوظ خاطر تھی۔

—— اسی بنا پر سیدنا علیؓ نے ضروریات سفر زاد راہ اور سواریاں وغیرہ مہیا کیں لعد خواتین کو ساتھ کیا اور استدبار و تشییع کی خاطر خود شامل ہوئے اور اولاد کو ساتھ بھیجا۔

—— اس اہتمام و انتظام کے ساتھ حضرت صدیقہؓ کی بصرہ سے حجاز کی طرف واپسی ہوئی۔

واقعہ جمل کے بعد چند گزارشات

جنگ جمل کو سطور بالا میں اختصاراً ذکر کیا ہے۔ تفصیلات میں جانا مناسب نہیں سمجھا مؤرخین نے اپنے انداز کے موافق اس مسئلہ میں بہت کچھ طوالت سے کام لیا ہے ان کی دراز کار تفصیلات پر اعتماد کرنا بظاہر بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور پھر ان کے بیانات میں باہم تضاد اور عدم مطابقت بھی ہے جو انہیں تسلیم کرنے میں مزید دشواری پیدا کر دیتی ہے بنا بریں بقدر ضرورت ذکر کر دینا صواب سمجھا گیا ہے۔ ہاں یہاں اس باب میں حضرت علیؓ کے تأثرات بہت اہمیت رکھتے ہیں ان میں سے چند امور بیان کرنا مطلوب ہیں جو اس موقعہ و محل کے لحاظ سے منفعت بخش ہیں۔

سیدنا علیؓ کے تاثرات وارشادات

①

واقعہ جمل کے موقعہ پر جانبین میں اختلافِ رائے کی بنا پر جو کشیدگی اور نزاع رونما ہوا اور مفسدین کی مخادعت کی وجہ سے وہ غیر اختیاری طور پر قتال کی شکل اختیار کر گیا تو اس موقعہ میں سیدنا علی المرتضیٰؓ کے جو تاثرات تھے ان کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ تاثرات کا یہ عنوان کافی طویل ہے لیکن اختصاراً چند چیزیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔ امیرالمؤمنین پر قلق اور اضطراب کی حالت طاری تھی اور اظہار تشویش کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے تھے۔

- اے اللہ! میرا ہرگز ایسا ارادہ نہ تھا۔ اے اللہ! میرا مقصد مسلمانوں کے درمیان قتال نہ تھا۔
- اور اس روز فرماتے تھے کاش کہ بیس (۲۰) سال قبل میرا انتقال ہو گیا ہوتا۔
- نیز اپنے فرزند سیدنا حسنؓ سے فرماتے تھے۔ اے حسن! کاش تیرا باپ آج سے بیس ۲۰ سال قبل فوت ہو گیا ہوتا۔
- اور مجھے ہرگز یہ خیال تک نہ تھا کہ اس معاملہ کی نوبت یہاں تک پہنچے گی! اس کے لیے مقامات ذیل ملاحظہ فرما دیں۔

(۱) ۔۔۔۔۔ "حدثنا حبیب بن ابی ثابت ان علیاً قال یوم الجمل، اللّٰھم لیس ھذا اردت، اللّٰھم لیس ھذا اردت"[1]

(۲) ۔۔۔۔۔ قال علیؓ یوم الجمل وددت انی کنت مت قبل

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص۲۷۵ جلد ۱۵ کتاب الجمل۔ طبع کراچی۔

هذا بعشرين سنة "۔ [1]

(۳) ۔۔۔۔۔۔۔ "قال فقال الحسنؓ لقد رأيته حين اشتد القتال يلوذ بي ويقول: يا حسن! لوددت اني مت قبل هذا بعشرين حجة "۔ [2]

(۴) ۔۔۔۔۔۔ "عن قيس بن عبادة قال: قال عليؓ يوم الجمل: يا حسنؓ ليت اباك مات منذ عشرين سنة۔ فقال له يا أبه! قد كنت انهاك عن هذا قال: يا بنيّ! اني لم أر ان الامر يبلغ هذا۔" [3]

(۲)

اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کی یہ کیفیت تھی کہ آنجناب نے فریق مقابل کے مقتولینِ جمل پر گذر فرمایا تو ان کے حق میں دعائے مغفرت فرماتے ہوئے کہا:

اے اللہ! ان کی مغفرت فرما اور ان کو بخش دے۔

۔۔۔۔ عن عبد الله بن محمد قال مرّ عليؓ على قتلىٰ من اهل البصرة فقال، اللهم اغفر لهم۔" [4]

فریق مخالف کے حق میں اظہار نفرت اور بددعا کی بجائے جناب علیؓ مغفرت کے

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص۲۸۵ تا ۲۸۲ جلد ۱۵ تحت کتاب الجمل۔ طبع کراچی۔

(۲) کتاب السنۃ امام احمد ص۱۹۶ طبع مکہ مکرمہ طبع اول۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ص۲۸۸ ج۱۵ تحت کتاب الجمل۔ طبع کراچی۔

[3] (۱) البدایہ لابن کثیر ص۲۴۰ ج۷ تحت واقعہ جمل۔ طبع اول۔ مصر۔

(۲) کنز العمال ص۸۵ ج۶ تحت واقعہ جمل کتاب الفتن طبع اول دکن۔

[4] المصنف لابن ابی شیبہ ص۲۸۴ ج۱۵ طبع جدید کراچی تحت کتاب الجمل۔

کلمات اور دعائیہ جملے ادا کرتے تھے۔

اور ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے لیے آپؓ سے بددعا کے کلمات سرزد ہونا منقول ہیں۔

خاص طور پر محمد بن حنفیہ کا ایک بیان اکابر علماء نے نقل کیا ہے کہ آنجناب کے فرزند محمد بن حنفیہ جمل کے روز حضرت علیؓ کی جانب سے صاحب علم (جھنڈا بردار) تھے اس وقت محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ قاتلین عثمانؓ کے حق میں بددعا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ:

"اے اللہ! قاتلین عثمانؓ کو قیامت کے روز چہرہ کے بل اوندھا کر کے سزا دینا"

۔۔۔۔"عن محمد بن علی بن ابی طالب بن الحنفیۃ وکان صاحب لواء علی بن ابی طالب یوم الجمل قال: قال علی رضی اللہ عنہ اللّٰھم اکبب قتلۃ عثمان لمناخرھم الغداۃ"[1]

اور بعض روایات میں جناب امیر المومنینؓ سے قاتلین کے حق میں بددعا کے الفاظ اس طرح بھی مروی ہیں کہ:

۔۔۔۔"فقال اللھم احلل بقتلۃ عثمان خزیاً"[2]

یعنی اے اللہ! قاتلین عثمان پر ذلت اتار اور رسوائی نازل کر دے"۔

جناب سیدنا علی المرتضیٰؓ کا ان لوگوں کے حق میں بددعا فرمانا بالکل بجا ہے کیونکہ انہوں نے ہی اہل اسلام کے درمیان شر انگیز اور ہلاکت خیز حالات پیدا کر دیئے اور ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر ڈالا۔

---

[1] التاریخ الکبیر لامام بخاری ص ۲۴۳ ج ۱ قسم ثانی۔ طبع دکن۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۷۷ ج ۱۵ کتاب الفتن (الجمل) طبع کراچی روایت ۱۹۶۵۶

(۳)

(۱) اسی سلسلہ میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جنگ ہذا میں شہید ہو گئے تھے اور وادی "السباع" میں ان کی شہادت ہوئی تھی ۔ وہاں حضرت علی المرتضیٰؓ تشریف لے گئے ہیں اور ان کے پاس جناب علیؓ اور آپؓ کے رفقا بیٹھ کر شدت غم کی بنا پر گریہ زاری کرنے لگے ۔ یہ حضرت زبیرؓ کی ذات پر اظہار تاسف تھا جو حضرت علیؓ کی طرف سے واقع ہوا۔

"۔۔۔۔ وفن الزبير رحمه الله بوادي السباع وجلس عليؓ يبكي عليه هو واصحابه ۔" [۱]

وجہ یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ کی ذات گرامی وہ شخصیت ہیں جن کے متعلق نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ :

"۔۔۔۔ لكل نبيٍ حواري وحواري الزبير وابن عمتيّ" [۲]

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے لیے ایک حواری (معاون و ناصر) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر بن عوامؓ ہیں اور میری عمہ محترمہ صفیہ بنت عبدالمطلب کے فرزند ہیں ۔

علاوہ ازیں حضرت زبیرؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں دین برحق کی سربلندی کے لیے اللہ کی راہ میں تلوار اٹھائی تھی [۳]

---

[۱] طبقات ابن سعد صفحہ ۷۹ ج ۳ تحت زبیر بن العوامؓ ۔

[۲] المصنف لابن ابی شیبہ صفحہ ۲۰۷ ج ۳ (قلمی نسخہ پیر جھنڈا) تحت ما حفظت فی الزبیر بن عوام

[۳] المصنف لابن ابی شیبہ صفحہ ۶۸۶ ج ۴ (قلمی نسخہ پیر جھنڈا) تحت کتاب الاوائل ۔ باب اول ما فعل ومن فعلہ ۔

اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے متعلق یوم قریظہ میں فرمایا کہ " بابی و امی[1]
(میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں)

(۲) اسی طرح واقعہ ہذا میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت علی المرتضیٰؓ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اُن کے چہرہ انور سے گرد و غبار کو خود صاف فرمایا اور پھر اپنے فرزند جناب سیدنا حسنؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ کاش کہ میں اس سے قبل فوت ہو گیا ہوتا[2] (اور مجھے یہ دن دیکھنا نہ پڑتا) اور یہاں دوسری روایت میں ہے کہ جناب علی المرتضیٰؓ اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور غایت غمگینی کی کیفیت میں حضرت طلحہؓ کے چہرے اور ریش مبارک سے غبار الگ کیا اور گریہ کرتے اور کلماتِ ترحم فرماتے تھے اور کہتے کہ کاش اس سے بیس سال قبل مجھ پر موت واقع ہو جاتی۔

---- ان علیاً انتھی الی طلحۃ وقد مات فنزل عن اجلہ ومسح الغبار عن وجھہ ولحیتہ وھو یترحم علیہ ویقول یا لیتنی مت قبل ھذا الیوم بعشرین سنۃ[3]

(۳) اور اس مقام کی تیسری روایت میں اس طرح ذکر پایا جاتا ہے کہ:

---- عن ابی جعفر قال جلس علیؓ واصحابہ یوم الجمل

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ صـ۲۰۷ ج۳ (قلمی) تحت ما حفظت فی الزبیر بن العوامؓ۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ صـ۱۰۱ ج۹ تحت کتاب الجمل (قلمی نسخہ پیر جھنڈا)

[3] (۱) جمع الفوائد صـ۲۳ ج۲ تحت مناقب بقیۃ العشرۃ المبشرۃ (از محمد بن محمد الفاسی) بحوالہ الطبرانی الکبیر۔

(۲) تاریخ الاسلام للذہبی الجزء الثانی صـ۱۲۵ تحت طلحۃ بن عبید اللہ طبع مصر۔

یبکون علی طلحۃ والزبیر"۔ ؎۱

یعنی ابو جعفر (محمد باقر) فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور ان کے احباب جمل کے روز حضرت طلحہؓ و زبیرؓ دونوں پر گریہ وزاری کرتے اور غم و الم کا اظہار فرماتے تھے۔

(۴) اس سلسلہ میں چہارم روایت مؤرخین اور محدثین کرام نے اس طرح ذکر کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں کے حسن خاتمہ اور حسن انجام کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ اُمید ہے کہ میںؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ اُن اہلِ جنت میں سے ہوں گے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"ونزعنا ما فی صدورھم من غلٍ اخواناً علی سرر متقابلین"۔ ؎۲

مطلب یہ ہے کہ ہم تینوں احباب امید رکھتے ہیں کہ اس آیت مذکورہ کا مصداق ہوں گے اور جنت میں ہمارے درمیان سے خفگی اور کدورت زائل ہو چکی ہو گی۔ اور قدرت کی جانب سے باہمی رنجش کا ازالہ کر کے آپس میں صفائی کرا دی جائے گی اور ہم بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت نشین ہوں گے۔

؎۱ (۱) المصنف لابن ابی شیبۃ (قلمی) ص ۱۱۴ (کتاب الجمل)

(۲) المصنف لابن ابی شیبۃ طبع کراچی ص ۲۶۱ جلد ۱۵۔ روایت ۱۹۶۲۰ کتاب الجمل۔

؎۲ (۱) طبقات ابن سعد ص ۸۱ ج ۳ تحت ذکر قتل زبیرؓ و من قتلہ۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۱-۲۸۲ ج ۱۵ طبع جدید کراچی (کتاب الجمل)

(۳) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۷۹ ج ۱۵ طبع جدید کراچی۔

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۷۳ ج ۸ کتاب اہل البغی۔

(۵) البدایہ لابن کثیرؒ جلد سابع ص ۲۴۸ تحت طلحۃ بن عبید اللہ۔

(۵) حضرت طلحہؓ کے فرزند محمد بن طلحہؓ بھی اسی جمل کے روز شہید ہو گئے تھے محمد بن طلحہ بڑے عبادت گذار اور صلہ رحمی کرنے والے بزرگ تھے حضرت علی المرتضیٰؓ کا جب ان پر گذر ہوا ہے تو آپؓ ان کے اوصاف جمیلہ کے لحاظ سے فرماتے تھے:

---- السجاد ورب الکعبۃ ھذا الذی قتلہ برابیہ"[1]

اور بعض روایات میں ہے کہ اس طرح بھی ارشاد فرمایا واللہ کان منا شابا صالحاً"

یعنی یہ بہت بڑے عبادت گزار اور سجدہ ریز تھے۔ رب کعبہ کی قسم! یہ وہ شخصیت ہیں جو اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے مقتول ہوئے اور جوان صالح تھے۔ حضرت طلحہؓ کی اولاد پر حضرت علیؓ کے شفقت کے یہ کلمات حضرت طلحہؓ کی عظمت اور عالی مرتبت کی بنا پر صادر ہوئے۔

پھر اس کے بعد حضرت طلحہؓ کے ایک دوسرے صاحبزادے (عمران بن طلحہؓ) جنگ جمل میں اپنے والد کے ضبط شدہ اموال کے حصول کے لیے جب حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور اپنے والد کے اموال وجائیداد (جو نشاستج کے مقام میں تھے) کی واپسی کا مطالبہ پیش کیا تو آنجنابؓ نے ان کو اپنے قریب بلایا، اپنے پاس نشست دی اور ان کے والد گرامی پر رحم و ترحم کے کلمات ارشاد فرمائے۔ اور کہا کہ ہم تمہارے اموال کو ضبط نہیں کرنا چاہتے۔ صرف ان کو اپنی حفاظت میں لیا ہے۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت طلحہؓ کے محفوظ کردہ تمام اموال ان کی اولاد کی طرف واپس کر دیئے[2]

یہ امور مذکورہ ان حضرات کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ کے حسن معاملہ اور بہتر

---

[1] کتاب "نسب قریش" ص۲۸۱ تحت ولد تیم بن مرہ (اولاد طلحہؓ بن عبید اللہ)

[2] کتاب "نسب قریش" لمصعب الزبیری ص۲۸۱-۲۸۲ تحت ولد تیم بن مرہ۔

روابط پر دال ہیں۔ اور باہمی عدم کدورت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(۶) نیز اسی طرح فریق مقابل کے ایک اور بزرگ عبدالرحمان بن عتاب بن اسید تھے یہ قبیلہ بنو امیہ۔ میں بڑی مقتدر شخصیت تھے اور اپنے قبیلہ میں بڑے صاحب وقار تھے۔ یہ بھی یوم جمل میں شہید ہوئے تھے۔

جب علی المرتضیٰؓ اُن کے پاس تشریف لے گئے تو کمال تاسف کا اظہار کرتے ہوئے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

...... هذا يعسوب قريش ..... الخ

یعنی یہ اپنے قبیلہ کے رئیس تھے ان کے قتل کی وجہ سے مجھے بڑا قلق اور اضطراب ہوا اور شرمندگی ہوئی۔[1]

(۴)

ماقبل کے مندرجات کی روشنی میں یہاں یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ:

(۱) جناب علی المرتضیٰؓ نے واقعہ ہذا کے بعد جمل کے مقام میں (جو بصرہ کے قریب ہے) تین یوم اقامت فرمائی اور اس دوران دونوں فریق کے قتلیٰ پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (یعنی فریق مقابل کے شہدا اور اپنے ہم نوا فریق کے شہداء کے درمیان کوئی امتیاز قائم نہیں کیا بلکہ تمام شہدا پر صلوٰۃ جنازہ خود ادا فرمائی اور دعائے مغفرت کی۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰؓ نے جنگ جمل کے بعد متروکہ اور ضبط شدہ اموال کو مسجد بصرہ کے پاس جمع کروا دیا تھا۔

اور پھر اس کے بعد اموال کے وارثوں کو یہ اموال جنگی اسلحہ کے بغیر ان کی شناخت کے مطابق واپس لوٹا دیئے۔ اور کوئی تعرض نہیں کیا۔

---

[1] (۱) کتاب "نسب قریش" لمصعب الزبیری ص ۱۹۳ تحت ولد عبداللہ بن خالد بن اسید
(۲) کتاب "نسب قریش" لمصعب الزبیری ص ۳۱۲ تحت بنی مخزوم۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ "البدایہ" میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"...... واقام علیؓ بظاھر البصرۃ ثلاثاً ثم صلی علی القتلی من الفریقین، وخص قریشاً بصلاۃ من بینھم، ثم جمع ما وجد لاصحاب عائشۃؓ فی المعسکر وامر بہ ان یحمل الی مسجد البصرۃ فمن عرف شیئاً ھو لاھلھم فلیاخذہ الا سلاحاً کان فی الخزائن علیہ سمۃ السلطان"[1]

(۵)

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تاثرات واقعہ جمل کے متعلق ایک دوسرے رنگ میں پیش کیے جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنجنابؓ سے اپنی جماعت کے احباب اس مسئلہ کے متعلق وضاحت طلب کرنا چاہتے کہ آنجنابؓ کے ساتھ جن لوگوں کا مقاتلہ اور قتال پیش آیا ہے ان کے متعلق ہمارے کیا نظریات ہونے چاہییں؟ اور ان کو ہم کس درجہ میں خیال کریں؟؟ چنانچہ ایک صاحب سوال کرتے ہیں کہ کیا اہلِ جمل مشرک ہیں؟؟

توحضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ وہ تو شرک سے فرار کر کے اسلام میں داخل ہوئے ہیں (وہ مشرک کیسے ہوئے؟)

پھر سائل نے عرض کیا "کیا ہم ان کو منافق گمان کریں؟؟

تو اس کے جواب میں آنجنابؓ نے ارشاد فرمایا کہ:

منافق لوگ تو اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کیا کرتے ہیں (یعنی یہ لوگ اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں)۔

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۴۴ ج ۷ تحت واقعات بعد از جمل۔

پھر تیسری بار یہ گزارش کی گئی "کہ آخر ان لوگوں کے متعلق ہمارے کیا نظریات ہونے چاہئیں؟ تو امیر المؤمنینؓ نے ارشاد فرمایا کہ" وہ تو ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی اور زیادتی کر ڈالی"

چنانچہ ابن ابی شیبہؒ نے "المصنف" میں اور دیگر کبار علماء کرام نے اس چیز کو اپنی اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے۔

"۔۔۔۔۔۔عن ابی البختری قال: سئل علیؓ عن اهل الجمل قال: قیل أمشرکون هم؟ قال من الشرك فروا قیل أمنافقون هم؟ قال: ان المنافقین لا یذکرون الله الا قلیلا۔ قیل فما هم؟ قال: اخواننا بغوا علینا"۔[1]

اس سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے بہت سے ارشادات منقول ہیں۔ان فرامین میں الجنابؓ نے اپنے نظریات کو خوب واضح فرما دیا ہے۔کسی تشریح و توجیہہ کی احتیاج باقی نہیں رہی۔

"یعنی ہمارے فریق مقابل مشرک نہیں اور نہ ہی منافق ہیں بلکہ مومن ہیں اور ہر ایک فریق دوسرے کے لیے دینی برادر ہے۔اختلاف رائے کی بنا پر یہ معاملہ یہاں تک پہنچا ہے"

مطلب یہ ہے کہ زیادتی (یا بغاوت) جو واقع ہوئی تو اس وقت ہر ایک فریق

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۲۵۶-۲۵۷ جلد ۱۵ طبع جدید (کراچی) روایت ۱۹۷۰۹ تحت کتاب الجمل فی مسیر عائشۃؓ و علیؓ و طلحۃؓ و زبیرؓ

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۷۳ ج ۸ تحت کتاب قتال اہل البغی۔

(۳) کنز العمال علی متقی ہندی ص ۸۴ ج ۶ روایت ۱۳۰۳ تحت کتاب الفتن من قسم الافعال (واقعہ جمل)

(۴) کنز العمال علی متقی ہندی ص ۸۵ ج ۶ روایت ۱۳۱۷ تحت کتاب الفتن من قسم الافعال (واقعہ جمل)

اپنی اپنی جگہ پر یہ خیال کئے ہوئے تھا کہ دوسرے فریق نے خلاف عہد کرتے ہوئے تجاوز کر دیا ہے۔ اسی کو اختلاف رائے یا اجتہادی اختلاف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے! اس سے زیادہ نہیں۔

بطور تائید کے اکابر شیعہ کی طرف سے اس چیز پر صرف ایک حوالہ درج کیا جاتا ہے۔
امام جعفر صادق اپنے والدگرامی امام محمد باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابلے میں قتال کرنے والوں کے حق میں شرک اور نفاق کی نفی کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے (دینی) برادر ہیں ہمارے خلاف انہوں نے زیادتی کی۔

"۔۔۔۔ جعفر عن ابیہ ان علیاً علیہ السلام لم یکن ینسب احداً من اہل حربہ الی الشرک ولا الی النفاق ولکن یقول ھم اخواننا بغوا علینا" [1]

قبل ازیں یہ روایات ہم نے کتاب "مسئلہ اقربانوازی" کے ص۱۷۱ تا ص۱۷۶ بقدر ضرورت ذکر کر دی ہیں تاہم اس موقع پر "علوی تاثرات وارشادات" کے عنوان کے تحت ان کو درج کرنا مفید خیال کیا ہے۔

---

[1] قرب الاسناد لعبد اللہ بن جعفر الحمیری الشیعی ص۴۵ طبع قدیم ایران۔
(من علماء القرن الثالث ومن اصحاب امام حسن عسکری)

واقعہ جمل کے متعلق حضرت صدیقہؓ کے تأثرات وفرمودات

گزشتہ صفحات میں حضرت ام المؤمنینؓ کی طرف سے بیان کردہ بعض چیزیں تحریر ہو چکی ہیں جن میں سفر ہذا کے مقاصد اور دواعی سفر کو ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت صدیقہؓ کے فرمان کے مطابق اس سفر میں (فریق مقابل) کے ساتھ قتال کرنا ہرگز مطلوب نہیں تھا بلکہ اصلاح بین الناس مقصود تھی۔ اور ام المؤمنین لوگوں کے درمیان قتال پسند نہیں فرماتی تھیں بلکہ ان کی امکانی کوشش تھی کہ بغیر جنگ کے کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ یہ چیز ان کے متعدد بیانات میں صراحتاً پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ سابقاً ذکر ہو چکا ہے۔ اور بعض چیزیں اب پیش کی جاتی ہیں۔

(۱)

ایک قدیم مصنف اور محدث عبدالرزاق نے اپنے "المصنف" میں اپنی سند کے ساتھ حضرت صدیقہؓ کی طرف سے ایک معذرت کا بیان ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

---- فقالت انما اریدان یحجز بین الناس مکانی،

قالت ولم احسب ان یکون بین الناس قتال ولو علمت

ذالك لم اقف ذالك الموقف ابداً۔ قالت فلم یسمع

الناس کلامی۔ ولم یلتفتوا الیّ وکان القتال[1]

یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ نے (بطور معذرت اور حقیقت حال کے) فرمایا۔ کہ میرا خیال

---

[1] المصنف لعبدالرزاق ص ۴۵۷ ج ۵ تحت غزوہ ذات السلاسل وخبر علیؓ ومعاویہؓ

تھا کہ میں اپنے مقام و مرتبہ کی بنا پر لوگوں کے درمیان (جنگ و قتال) سے مانع ہوں گی اور فرماتی ہیں کہ مجھے یہ گمان ہی نہیں تھا کہ لوگوں کے درمیان قتال واقع ہوگا۔ اگر مجھے یہ بات قبل ازیں معلوم ہوتی تو میں اس مقام میں ہرگز نہ پہنچتی فرماتی تھیں کہ لوگوں نے میرا کلام نہ سنا اور میری بات کی طرف توجہ نہ کی اور قتال واقع ہوگیا۔"

مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقہؓ کا مدعا قتال نہ تھا بلکہ قتال سے مانع ہونا مقصود تھا (یہ حضرات چاہتے تھے) کہ دونوں فریق کے درمیان کوئی اصلاح اور صلح کی شکل پیدا ہو جائے اور قتال تک نوبت نہ پہنچے اور یہ فتنہ فرو ہو سکے۔ لیکن اشرار و مفسدین نے جب فتنہ کی آتش یکدم بھڑکا دی اور اس کے فساد کے شعلے فریقین میں پھیل گئے تو اس افراتفری کے عالم میں صلح و آشتی کی آواز کو کسی نے نہ سنا اور یہ معاملہ حدود سے تجاوز ہوگیا اور خلاف توقع کہیں سے کہیں جا پہنچا۔

امام غزالیؒ نے اس چیز کو بہت درست الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"۔۔۔۔ والظن بعائشۃ انھا کانت تطلب تطفئۃ الفتنۃ ولکن خرج الامر من الضبط فاواخر الامور لا تبقی علی وفق طلب اوائلھا بل تنسل عن الضبط" [1]

یعنی ہمارا خیال حضرت صدیقہؓ کے حق میں یہی ہے کہ وہ فتنہ کی آتش کو فرو کرنا چاہتی تھیں لیکن یہ معاملہ ضبط اور اختیار سے باہر ہوگیا۔

اور ایسا ہوتا ہے کہ واقعہ کے آخری حالات ابتدائی حالات کے تقاضوں پر باقی نہیں رہتے بلکہ معاملہ انضباط سے خارج اور کنٹرول سے باہر) ہو جاتا ہے اسی طرح واقعہ جمل میں یہ صورت پیدا ہوگئی تھی۔

---

[1] کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد ص۹۹ تحت بحث ہذا۔ طبع مصری لمحمد بن محمد بن محمد ابو حامد الغزالیؒ الطوسی۔

مسئلہ کی تائید

(۱) ایک مشہور صحابی ابوبکرۃ (الثقفی) جو مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہیں اُن کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ وہ بھی واقعہ ہذا میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رائے کے مطابق اصلاح بین الناس کے متقاضی تھے اور ان کا مقصد بھی قتال نہیں تھا لیکن جب جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے تو دفاع کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا۔

"۔۔۔ المعروف من مذهب ابی بکرة (الثقفی) انه کان علی رأی عائشةؓ فی طلب الاصلاح بین الناس ولم یکن قصدهم القتال لکن لما انتشبت الحرب لم یکن لمن معها بدٌّ من المقاتلة۔" [1]

حضرت ابوبکرۃ الثقفیؓ کی اس مسئلہ میں رائے حضرت عائشہؓ کے ساتھ متفق ہونے سے ام المؤمنین کے موقف کی تائید اور تصدیق پائی گئی۔

(۲) دوسرا ایک اور واقعہ اسی جمل کے موقع پر پیش آیا تھا۔ وہ بھی مسئلہ ہذا کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ جمل کے روز جب قتال شدت اختیار کر گیا تو اس وقت حضرت طلحہؓ کے فرزند محمد بن طلحہ ام المومنین حضرت صدیقہ کے پاس پریشانی کے عالم میں پہنچے اور عرض کی یا ام المؤمنین! اس وقت قتال کے معاملہ میں آپ مجھے کیا حکم دیتی ہیں؟ یعنی کیا میں بھی فریق مخالف پر تیغ زنی کروں؟ تو اس وقت حضرت صدیقہؓ نے جواب میں فرمایا کہ "اے بیٹے! اگر تجھے استطاعت ہے تو آدم علیہ السلام کے دونوں فرزندوں میں سے مقتول فرزند (ہابیل)

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ص۴۶ ج۱۳ تحت باب کذا الجمیع بغیر ترجمہ وسقط لابن بطال۔۔۔ الخ (قصہ الجمل)

کی طرح اپنے ہاتھ روک لے اور صبر اختیار کر لے۔

"..... محمد بن طلحۃؓ قال لعائشۃ یوم الجمل یا ام المؤمنین ما تأمرینی قالت یا بنی! ان استطعت ان تکون کالخیر من ابنی آدم فافعل"۔[1]

اور الاصابۃ میں یہی چیز ذیل الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔

"..... قالت کن کخیر ابنی آدم قال فاغمد سیفہ وکان قد سلہ ثم قام حتی قتل"۔[2]

یعنی محمد بن طلحہؓ کو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے فرزندوں میں سے بہترین فرزند کی صورت اختیار کر۔ پس اس نے جو تلوار کھینچ رکھی تھی اس کو نیام میں کر لیا پھر کھڑا رہا حتی کہ کسی نے شہید کر ڈالا۔

ان کی شہادت پر حضرت علی کا متأسفانہ کلام قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے اور یہاں ان کی شہادت کی کیفیت بیان کر دی ہے۔

مندرجات بالا کی روشنی میں اور کبار علماء کے بیانات کے پیش نظر ام المومنین حضرت صدیقہؓ کا موقف نہایت واضح ہے کہ:

واقعہ ہذا میں ان حضرات کے سامنے قتال واقع کرنا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ کوئی مصالحت کی صورت پیدا کر کے اس اختلاف کو بہتر طریق سے سلجھانا منظور خاطر تھا۔ لیکن شر پسندوں نے اس میں عوائق ڈال دیئے اور موانعات پیدا کر دیئے۔ جن کی وجہ سے اصل مدعا پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ اور یہ سانحہ پیش آگیا۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۲۸۲ ج ۱۵ طبع جدید کراچی تحت کتاب الفتن (جمل) روایت ۱۹۶۶۹

[2] الاصابہ ص ۲۵۷ ج ۳ تحت محمد بن طلحہؓ بن عبید اللہ۔

(۲)

(۱) واقعہ ہذا کے متعلق حضرت ام المومنین کی طرف سے اظہار افسوس کے کلمات علماء کرام نے ذکر کئے ہیں۔ اور اس واقعہ کے وقوع پر پریشانی کے کلمات نقل کئے ہیں چنانچہ ابن ابی شیبہؒ نے ذکر کیا ہے کہ:

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی تھیں کہ

عن عبد اللہ بن عبید ابن عمیر قالت عائشۃ: وددت انی کنت غصناً رطباً ولم اسر مسیری ھذا[1]

یعنی میں اس کو پسند کرتی ہوں کہ میں ایک شاخ تر ہوتی (جس کو بسہولت کاٹ دیا جاتا) اور میں یہ سفر اختیار نہ کرتی (جس سفر میں یہ سانحہ واقع ہوا) اس نوع کے اظہار تأسف کے متعدد بیانات حضرت عائشہؓ سے منقول ہیں یہاں صرف ایک قول اختصاراً ذکر کیا ہے۔

(۳)

واقعہ جمل کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فریقین کے متعلق اظہار ترحم کے بیانات اور مغفرت کے کلمات اکابر علماء نے نقل کئے ہیں۔

کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے فریق کے شہداء اور فریق مقابل (حضرت علی المرتضیٰ کی جماعت) کے شہداء کے حق میں شفقت اور ترحم کے کلمات کہے اور دعائیں فرمائیں۔ واقعہ ہذا سے حضرت صدیقہؓ کے قلبی تأثرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے دل میں باہم کدورت نہ تھی بلکہ دل صاف تھے۔ اور ایک دوسرے کے حق میں نیک جذبات رکھتے تھے۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہؒ ص۲۸۱ ج۱۵ تحت کتاب الجمل روایت ۱۹۶۶۴ طبع کراچی۔

چنانچہ ابن سیرین کہتے ہیں کہ خالد بن واشمہ جنگ جمل کے متصلاً بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے اس سے دریافت کیا حضرت طلحہؓ کا کیا بنا؟ تو خالد نے عرض کی وہ شہید ہو گئے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان پر ترحم کے کلمات فرمائے پھر پوچھا کہ زبیرؓ کا کیا ہوا؟ تو خالد نے عرض کی "وہ بھی شہید ہو گئے" تو حضرت صدیقہؓ نے پھر کلمہ ترجیع ادا فرمایا اور کلمات ترحم فرمائے۔ پھر میں نے کہا (فریق مقابل سے) زید بن صوحان جو قبیلہ عبد القیس پر امیر تھا اور حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے تھا) قتل ہو گئے۔ تو حضرت صدیقہ نے ان پر بھی کلمہ ترجیع ادا فرمایا اور کلمات ترحم کہے۔ اس وقت خالد بن واشمہ کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا ام المومنین! میں نے طلحہؓ اور زبیرؓ کا ذکر کیا ہے تو آپؓ نے کلمہ ترجیع اور کلمات ترحم فرمائے ہیں اور جب میں نے زید بن صوحان کی شہادت کا ذکر کیا ہے پھر بھی آپ نے کلمہ ترجیع اور ترحم کے کلمات فرمائے ہیں۔ حالانکہ یہ ہر دو فریق متقابل تھے اور انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم یہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ تو حضرت صدیقہؓ نے ارشاد فرمایا کہ اے خالد! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (وہ ان سب کی مغفرت فرما کر جنت میں ایک جگہ پر جمع فرما دے گا)۔

۔۔۔۔۔ فقلت یا ام المومنین! ذکرت طلحہ فقلت یرحمہ اللہ و ذکرت الزبیر فقلت یرحمہ اللہ و ذکرت زیداً فقلت یرحمہ اللہ وقد قتل بعضھم بعضاً واللہ لا یجمعھم اللہ فی الجنۃ ابداً۔

قالت: اولا تدری ان رحمۃ اللہ واسعۃ وھو علی کل شیئ قدیر۔ ؎ [1]

[1] (روایت کے حوالہ جات ص۲۸۹ کے آخر میں ملاحظہ کیجئے۔

بعض شبہات اور ان کا ازالہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ پر طعن کرنے والوں کی جانب سے اس مقام میں مندرجہ ذیل شبہات ذکر کیے جاتے ہیں :

(1)

ام المومنین حضرت صدیقہ نے سفر جمل اختیار کر کے قرآن مجید کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے ۔ قرآن مجید میں حکم ہے :

"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ"

(پ ۲۲ رکوع اوّل)

"یعنی (اے ازواج النبی) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں پہلے گھروں سے باہر نکلتی تھیں اس طرح نہ نکلو۔"

ازالہ

اس طعن کے جواب کے لیے یہ چند چیزیں ملحوظ رہیں ۔ ان کے معلوم کر لینے سے اس طعن کا ازالہ ہو جائے گا ۔

آیت مذکورہ بالا میں استقرار فی البیوت کے متعلق جو فرمان ہے وہ ایک خاص

لہ (۱) دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۲۱۶-۲۱۷ ج ۶ طبع جدید (جلد سادس)

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۷۴ ج ۸ (تحت قتال اہل البغی) (جلد ثامن)

(۳) المصنف لعبد الرزاق ص ۲۸۹-۲۹۰ ج ۱۱ (جلد یازدھم)

(۴) الاستیعاب ص ۵۴۱ ج ۱ تحت زید بن صوحان معہ الاصابہ ۔

(۵) البدایہ لابن کثیر ص ۲۴۵ ج ۷ تحت واقعات بعد از جمل (جلد سابع)

(۶) الاصابۃ لابن حجر ص ۵۶۶ ج ۱ تحت زید بن صوحان

نوعیت اور کیفیت کے متعلق ہے۔ علی الاطلاق گھروں سے نکلنا انہیں منع نہیں کیا گیا۔ اس آیت میں جاہلیت کی رسم کے مطابق زیب و زینت کے ساتھ بے حجابانہ گھروں سے باہر نکلنا منع ہوا ہے مطلق نکلنا منع نہیں۔

طعن کرنے والوں کے قول کے مطابق اگر ازواج مطہرات کو گھروں سے نکلنا مطلقاً منع تھا تو وہ مندرجہ ذیل احکام شریعت پر کیسے عمل کر سکیں گی؟ حالانکہ بالاتفاق مندرجہ ذیل احکام ان کے حق میں بھی وارد ہیں اور انہوں نے یہ امور بھی سرانجام دیئے ہیں۔

① حج اور عمرہ کے لیے تشریف لے جانا۔

② غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تشریف لے جانا۔

③ والدین اور اقرباء کی ملاقات کے لیے ان کا تشریف لے جانا۔

④ عیادت مریض کے لیے ان کا تشریف لے جانا۔

⑤ فوت شدہ کی تعزیت کے لیے تشریف لے جانا۔

⑥ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے وقت اپنے حجرات (گھروں) سے نکل کر عیادت کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں تشریف لانا۔

⑦ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب ازواج مطہرات سفر حج کے لیے تیار ہوئی ہیں تو ان کے ساتھ حفاظتی طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیرالمؤمنین حضرت عمر نے روانہ کیا تھا۔

——— ان عمر رضی اللہ عنہ ارسلهن للحج في عهده وجعل معهن عثمان رضی اللہ عنہ وعبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ وقال لهما انكما ولدان باران لهن فليكن احدكما قدامهن والآخر خلفها۔ ولم ينكر احد فكان اجماعاً سكوتياً

علی الجواز" اھ[1]

یعنی امیر المومنین عمرؓ نے ازواج مطہرات کو اپنے دور میں حج کے لیے روانہ کیا اور حضرت عثمان اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو ان کے ساتھ بطور نگران بھیجا اور فرمایا کہ تم ان کے نیک و صالح فرزند ہو پس تم میں سے ایک کو ان کی سواریوں کے پیش پیش رہنا چاہیے اور دوسرے کو ان کو سواریوں کے عقب میں رہنا چاہیے۔ پس اس صورت میں ازواج مطہرات نے یہ سفر اختیار کیا اور کسی صحابی نے مع حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس فعل پر انکار نہیں کیا۔ پس اس فعل پر اجماع سکوتی پایا گیا ہے فلہذا یہ فعل شرعاً جائز ہے اور قابلِ طعن نہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا اپنے بیوت سے نکلنا مطلقاً منع نہیں بلکہ معاملہ شرعی اور مصلحت دینی کے لیے تستر اور حجاب کے ساتھ خروج من البیت جائز ہے دراں حالیکہ وقار کے خلاف کوئی بات صادر نہیں۔

اسی سلسلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا ایک دینی مصلحت کی خاطر یعنی اصلاح بین الناس اور مطالبہ قصاص خلیفہ عادل کے لیے سفر اختیار کرنا صحیح ہے اور اس کا جواز حج و عمرہ کی طرح ہے اور نفلی حج کے سفر سے کم درجہ میں نہیں۔

تحفہ اثنا عشریہ میں مذکور ہے کہ:

چوں سفرے باشد متضمن مصلحت دینی و دینوی مثل جہاد و حج و عمرہ۔۔۔
وایں سفر چوں برائے اصلاح ذات البین و تنفیذ حکم قصاص خلیفہ عادل کہ
بظلم مقتول شدہ بود واقع شد مثل حج و عمرہ گردید[2]

اور روح المعانی میں ہے کہ

---

[1] (۱) روح المعانی ص۱۲ ج۲۲ تحت الآیۃ وقرن فی بیوتکن ۔۔۔ الخ
(۲) تحفہ اثنا عشریہ ص۳۰-۳۳۱ بحث جواب طعن اول (مطاعن صدیقہؓ)

[2] تحفہ اثنا عشریہ ص۳۳۲ تحت جواب طعن اول (مطاعن صدیقہؓ)

"...... وهذا الاتيان الى غير وجهين للحج او لما فيه مصلحة

دينية مع التستر وعدم الابتذال۔

...... وكذا المسير الى البصرة لذالك القصد فانه ليس

ادون من سفر حج النفل" [1]

مندرجات بالا سے واضح ہو گیا حضرت صدیقہؓ کا یہ سفر شرعاً صحیح ہے اور کتاب اللہ کے حکم کے خلاف نہیں ہے فلہذا یہ طعن بے جا ہے۔

(۲)

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر معترضین نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ یہ سفر انہوں نے بغیر شرعی محارم کے کیا تھا۔ اور محرم ان کے ساتھ نہیں تھے فلہذا یہ سفر عند الشرع صحیح نہیں۔

ازالہ

اس طعن کے جواب میں یہ گزارش کی جاتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ سفر ایک نیک مقصد کے لیے تھا اور شرعی محارم آپ کے ہمراہ تھے۔

علماء نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ حضرت صدیقہ کے خواہر زادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ساتھ تھے اور آپ کے بہنوئی حضرت زبیرؓ بن عوام جو حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے شوہر ہیں وہ بھی ساتھ تھے۔ اور اسی طرح تیسرے محرم حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ جو ان کی بہن ام کلثوم بنت ابی بکر کے شوہر ہیں وہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اور ان ہر دو بہنوئیوں کی اولادیں بھی ساتھ تھیں۔

تحفہ اثنا عشریہ اور "روح المعانی" میں اس مسئلہ کی تفصیلات ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

"دریں سفر عبداللہ بن زبیرؓ ہمشیرہ زادہ حقیقی دے ہمراہ دے بود۔ وطلحہ

---

[1] تفسیر روح المعانی ص ۹-۱۰ ج ۲۲ تحت الایہ وقرن فی بیوتکن ...... الخ

بن عبید اللہ شوہر خواہرش ام کلثوم بنت ابی بکرؓ و زبیر بن العوامؓ شوہر خواہر دیگرش بود۔ اسماء بنت ابی بکرؓ و اولاد ایں ہر دو نیز ہمراہ بود"[1]

اور سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ :

"......۔ وکان معها ابن اختها عبد الله بن الزبیر وغیره من ابناء اخواتها ام کلثوم زوج طلحة، واسماء زوج الزبیر بل کل من معها بمنزلة الابناء فی المحرمیة وکانت فی هودج من حدید"[2]

مختصر یہ ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہ محارم ساتھ تھے ان کی معیت میں یہ تمام سفر ہوا تھا فلہذا یہ طعن ساقط ہے۔

(۳)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جمل میں یہ قتال حضرت علی المرتضیٰؓ سے قلبی عناد اور عداوت کی بنا پر کیا تھا اور اس میں ناکامی کی بنا پر ندامت اور گریہ کرتی تھیں۔ قصاص دمِ عثمانؓ کا مطالبہ ایک بہانہ تھا۔

نیز حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے متعلق بھی طعن کنندگان کی طرف سے یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ ان دونوں حضرات کو خلافت علیؓ کے ساتھ عداوت شدید تھی اور وہ خونِ عثمان کا الزام عائد کر کے قصاص کے لیے کھڑے ہو گئے تاکہ قصاص کی آڑ میں اپنے اقتدار کی راہ ہموار کریں۔

ازالہ

اس کے متعلق ذیل میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ ص۳۲۳ طبع لاہور تحت جواب طعن اوّل (مطاعن صدیقہ)

[2] روح المعانی ص۱۰ ج۲۲ تحت الآیۃ وقرن فی بیوتکن ...... الخ پ۲۲

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اس واقعہ پر ندامت کا اظہار اسی نوعیت کا ہے جس طرح کہ حضرت علی المرتضیٰؓ سے اس واقعہ پر اظہار افسوس اور متأسفانہ کلام منقول ہے۔

① جب حضرت علی المرتضیٰؓ نے مقتولین جمل پر نظر ڈالی تو اس وقت بے ساختہ طور پر اپنے رانوں پر ہاتھ مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ: کاش میں اس سے قبل فوت ہو گیا ہوتا اور بھلا دیا گیا ہوتا۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ:

"...... فقد صح انہ رضی اللہ عنہ لما وقع الانہزام علی من مع ام المؤمنین وقتل من قتل من الجمعین طاف فی مقتل القتلیٰ کان یضرب فخذیہ ویقول: یالیتنی مت من قبل ھذا وکنت نسیا منسیا۔" [1]

تحفہ اثنا عشریہ میں ہے کہ: حضرت امیر قتلیٰ را ملاحظہ فرمود۔ رانہائے خود را کوفتن گرفت و مے فرمود:

"...... یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا۔" [2]

نیز حضرت علی المرتضیٰؓ سے اسی طرح کے کلمات چند صفحات قبل ہم نے ذکر کر دیئے ہیں اور متعدد مصنفین کے حوالہ جات بھی لکھ دیئے ہیں ان تمام مقامات میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ کی طرف سے واقعہ جمل اور مقتولین جمل پر تأسف اور سخت اضطراب کا اظہار پایا گیا ہے۔

تو اس مقام میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے کلام کا جو محمل قائم کیا جاتا ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فرمان میں بھی اسی نوع کا کلام پایا گیا ہے اور اس کا محمل وہی ہے۔

---

[1] روح المعانی ص ۱۱ ج ۲۲ تحت الآیۃ وقرن فی بیوتکن ---- الخ

[2] تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۲۵ تحت طعن ہفتم (مطاعن صدیقہؓ)

(۲) نیز ان حضرات ؓ کا واقعہ ہذا پر تأسف کرنا اور پریشانی کے کلمات کہنا خشیت الٰہی اور تقویٰ کی بنا پر ہے۔

فلہذا اس اظہار ندامت کو حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے ساتھ مقابلہ کرنے پر ندامت تصور کرنا توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کے زمرہ میں شمار ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ جانبین کی طرف سے یہ اظہار افسوس مسلمانوں کے باہم قتال اور افتراق بین المسلمین پر ہے۔ اس سے ان دونوں حضرات ؓ کی باہمی عداوت اور عناد کا تصور قائم کرنا اصل کلام کے محمل سے بعید تر ہے اور مقصد کلام کے خلاف ہے۔

بعض قرائن و شواہد

سطور بالا میں جو گزارش کی گئی ہے کہ جنگ جمل کے وقوع پر دونوں حضرات ؓ نے اظہار پریشانی فرمایا اور یہ سب اضطراب اور قلق اہل اسلام میں نظریاتی طور پر افتراق و انتشار قائم ہو جانے پر تھا ان دونوں فریق کی ایک دوسرے کے ساتھ کوئی عداوت نہ تھی اور کوئی آپس میں عناد نہ تھا۔ اس چیز پر شواہد موجود ہیں۔

(۱) گزشتہ صفحات میں اس سفر کے اختیار کرنے میں جو ارادہ اور قصد بیان کیا گیا ہے وہ اپنے مقصد میں واضح ہے کہ اصلاح بین المسلمین کی کوئی صورت نکل آئے ایک دوسرے کے ساتھ عداوت پورا کرنا مطلوب نہ تھی۔

(۲) پھر جنگ کے وقوع سے قبل جو مصالحت کے مکالمات پیش آئے ان میں بھی مقصد کا اظہار پوری طرح نمایاں ہے ان میں بھی اصلاح بین المسلمین کے ماسوا کوئی نظریہ نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ قبل ازیں اپنے موقعہ پر اس کی تفصیل درج ہو چکی ہے۔

(۴) واقعہ جمل کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کے درمیان تنازع کا تذکرہ ہوا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے عندیہ کا اظہار فرمایا۔

.....۔ وقالت بعد وقوع ما وقع واللہ ! لم یکن بینی وبین علی الا ما یکون بین المرأۃ واحمائھا۔[1]

اور یہی نظریہ البدایہ میں بعبارت ذیل مذکور ہے۔

....۔ قالت رحمہ اللہ علیاً لقد کان علی الحق وما کان بینی وبینہ الا کما یکون بین المرأۃ واحمائھا۔[2]

ان دونوں عبارتوں کا مفہوم یہ ہے کہ اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیؓ پر رحم فرمائے وہ حق پر تھے اور میرے درمیان اور علی بن ابی طالبؓ کے درمیان (کوئی عداوت وغیرہ نہیں ہوئی) مگر اتنی ہی بات کہ جو ایک خاتون اور اس کے دیوروں کے درمیان ہو جاتی ہے۔

یہاں سے واضح ہوگیا کہ یہ ایک وقتی طور پر ان حضراتؓ کے مابین مناقشہ پیش آیا تھا جو بعد میں ختم ہوگیا۔

اس واقعہ کی نوعیت اسی قسم کی ہے جیسا کہ ایک عورت اور اس کے دیوروں کے درمیان خانگی مسائل میں بعض دفعہ وقتی طور پر مناقشہ پیش آجاتا ہے لیکن بعد میں اس کا ازالہ ہو جاتا ہے اور دوامًا کوئی عناد اور تضاد باقی نہیں رہتا۔

(۵) اور یہ مندرجہ ذیل امور بھی اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں

---

[1] روح المعانی ص ۱۴ ج ۲۲ تحت الآیۃ ۲۲ پ۔ وقرن فی بیوتکن ..... الخ

[2] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۰۴ جلد سابع تحت حدیث رابع عشر عن عائشہ صدیقہؓ

حضرت صدیقہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے مابین عناد اور عداوت نہ تھی۔

(۱) واقعہ ہذا کے متصلاً بعد جناب علی المرتضیٰؓ نے ام المومنین حضرت صدیقہؓ کی خبر گیری کی اور سلامتی دریافت کرنے کے لیے فوراً انتظام کیا اور اپنی معتمد شخصیتوں کو اس کام کے لیے روانہ کیا۔

(۲) پھر اس کے بعد ام المومنین حضرت صدیقہؓ کی مزاج پرسی کے لیے خود تشریف لائے اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تسلیمات عرض کیں اور احوال پرسی کی۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ جس وقت ام المومنین کی خدمت میں حاضر تھے تو اس وقت دو بد بختوں نے حضرت سیدہ صدیقہؓ کے خلاف بدکامی اور بدگوئی کی تو حضرت علی المرتضیٰ نے ان کو موقعہ پر ہی تازیانے لگوائے اور سزا دی۔

(۴) مدینہ شریف کی طرف حضرت صدیقہؓ کی رخصتی کے لیے سفر کے انتظامات حضرت علی المرتضیٰؓ نے بڑی حفاظتی تدابیر کے ساتھ خود کیے اور اسند بار کے لیے خود بھی تشریف لے گئے اور اپنے عزیزوں کو بھی ساتھ بھیجا اور مزید عزت افزائی کے لیے بصرہ کی چند معتمد اور شریف خواتین کو ساتھ روانہ کیا۔

مندرجہ بالا امور کے حوالہ جات گزشتہ صفحات میں درج ہو چکے ہیں۔ اور دیگر علمائے کبار نے بھی ان واقعات کی اپنے اپنے مقام میں توثیق کر دی ہے نیز ہم نے اپنی کتاب رحماء بینھم حصہ اول صدیقی کے اوائل بحثوں میں چند چیزیں درج کی ہیں۔ جو ان حضرات کے روابط و تعلقات کو نمایاں کرتی ہیں اور ان کا تعلق جمل کے بعد کے واقعات کے ساتھ ہے

⑤ حصول اقتدار کا مسئلہ

اسی طرح حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے حالات اور جنگ جمل میں پیش آمدہ واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان ہر دو حضرات کے درمیان منصب خلافت کے لیے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اور نہ ان کے درمیان عداوت تھی اور نہ ہی ان کے

سامنے حصول اقتدار کا مقصد تھا۔ اختلاف کی اصل وجہ قبل ازیں درج ہو چکی ہے۔

قتال ہذا پیش آنے سے پہلے حضرت صدیقہ کے نظریات کے ساتھ انہوں نے اپنی ہمنوائی ظاہر کر دی تھی۔

اس کے بعد جنگ سے قبل مصالحت کی مساعی کا ذکر بھی آپ کے سامنے آچکا ہے اور ان کے مقاصد قبل ازیں واضح ہو چکے ہیں۔

پھر حضرت علی المرتضیٰؓ کا ان حضرات کی شہادت پر تشریف لاکر پریشانی اور اضطراب کا اظہار کرنا اور تاسف و ترحم کے کلمات کہنا اور دعائے مغفرت فرمانا اور حضرت زبیرؓ کے قاتل کو نار جہنم کی بشارت دینا وغیرہ یہ سب چیزیں (جیسا کہ قبل ازیں درج ہو چکی ہیں) اس بات کے واضح قرائن ہیں کہ ان حضرات کے درمیان خلافت وغیرہ کے معاملہ میں کوئی عداوت نہیں تھی۔ حتیٰ کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر نماز جنازہ پڑھی اور ان حضرات کے اموال وغیرہ جو اپنی تحویل میں لئے تھے ان کے ورثاء کو واپس کر دیئے۔

مذکورہ بالا امور کے حوالہ جات "علوی تاثرات" کے عنوان کے تحت درج کئے جا چکے ہیں۔

اختتام بحث پر گزارش

ماقبل میں مختصراً واقعہ جمل کے متعلق احوال اور تاثرات تحریر کیے ہیں اب اس کے اختتام پر اتنی گزارش ہے کہ واقعہ ہذا کسی ذاتی عناد خاندانی عداوت یا منصب خلافت کے ساتھ مخالفت پر نہیں پیش آیا تھا بلکہ اجتہادی اختلاف رائے، بعض باہمی غلط فہمیوں اور مفسدین کے مجوزہ منصوبہ کے تحت جانبین کے اختیار کے بغیر یہ سانحہ پیش آیا چنانچہ ابو العز الحنفی نے شرح الطحاویہ میں اس چیز کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

۔۔۔ نعجرت فتنة الجمل علی غیر اختیار من علی و لا من طلحةؓ والزبیرؓ۔ وانما اثارها المفسدون بغیر اختیار السابقین ۔۔۔ [1]

حوالہ ہذا قبل ازیں بھی درج کیا ہے تاہم اختتام پر پھر اس کا اعادہ بطور خاص بحث کے مناسب خیال کیا ہے اس سلسلہ میں مزید چند چیزیں قابل ذکر ہیں جو واقعہ صفین کے بعد یکجا درج کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

واقعات بعد از جمل

کوفہ کی طرف روانگی

حضرت علی المرتضیٰؓ جب واقعہ جمل سے فارغ ہوئے ہیں تو بصرہ میں قریباً پندرہ روز قیام فرمایا اور جو ضروری امور قابل انتظام تھے وہ سرانجام دیئے۔ ان میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو رخصت کرنا بھی شامل تھا۔ اور مقتولین کے ورثاء کو ان کے اموال کی واپسی اور دیگر اسی نوع کے انتظام ان ایام میں مکمل فرمائے۔

بصرہ کے مقامی انتظامات سرانجام دینے کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کی طرف رخت سفر باندھا اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بصرہ پر حاکم مقرر فرمایا

---

[1] شرح الطحاویہ ص ۴۳۱ تحت بحث ہذا طبع مکتبہ الریاض۔

اور زیاد بن ابیہ کو خراج کی وصولی اور بیت المال کی نظامت پر والی بنایا۔ اور پھر کوفہ تشریف لے گئے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ بروز دوشنبہ ۱۲ رجب المرجب ۳۶ھ میں آپ کوفہ میں داخل ہوئے تو اس وقت حاضرین میں سے بعض افراد نے عرض داشت پیش کی کہ آنجناب قصرابیض میں فروکش ہوں (یہ امراء کے لیے عمدہ قسم کی رہائش گاہ تھی) تو آنجناب نے فرمایا کہ میں اس میں اقامت نہیں اختیار کروں گا۔ کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے شاندار محلات میں اقامت کو مکروہ جانتے تھے اس بنا پر میں بھی ایسے مقامات میں اقامت اختیار کرنا پسند نہیں کرتا۔"

سیدنا علی المرتضیٰؓ کے فرمان سے ثابت ہوا کہ حضرت فاروقؓ کی روایات اور ہدایات کو پیش نظر رکھنا ان حضرات کے لیے نہایت اہم امر تھا اور ان پر عمل درآمد جاری رکھتے تھے اور سیرت شیخین کی پابندی کرتے تھے۔ پھر آپ نے "رحبۃ" میں اقامت کی۔ (یہ جامع مسجد کوفہ کے ساتھ عام قسم کی جائے اقامت تھی پھر آنجناب کوفہ کی جامع مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

------ فدخلها علیؓ یوم الاثنین لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من رجب سنۃ ست و ثلاثین فقیل لہ: انزل بالقصر الابیض، فقال: لا؛ ان عمر بن الخطاب کان یکرہ نزولہ فانا اکرھہ لذالک، فنزل فی الرحبۃ

لہ (۱) البدایہ لابن کثیر ص۲۴۵ جلد سابع (فصل بعد از فراغ جمل)

(۲) تاریخ طبری ص۲۲۴ جلد ۵ تحت تامیر ابن عباس علی البصرۃ۔

(۳) سیرت المؤمنین علیہ السلام ص۲۴۵ تحت عنوان (پایۂ تخت کی تبدیلی) از مفتی جعفر حسین شیعی۔

وصلی فی الجامع الاعظم رکعتین" [1]

کوفہ میں اقامت
اور انتظامات کی سرانجام دہی

حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے کوفہ میں مستقل اقامت اختیار فرمائی اور مدینہ طیبہ کی بجائے دارالخلافہ کوفہ کو قرار دیا۔

بعد کے مؤرخین نے کوفہ کو دارالخلافہ قائم کرنے پر مختلف رائے زنی کی ہے اور کئی نوع کی آراء تحریر کی ہیں لیکن اس تجزیے کا کوئی معتد بہ فائدہ نظر نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور کے حالات کے تقاضوں کے تحت انہوں نے یہی مناسب خیال فرمایا اور بہتر یہی ہے کہ ان حضرات کی "مصلحت بینی" اور "عاقبت اندیشی" پر اس مسئلہ کو چھوڑ دیا جائے۔

البتہ اتنی چیز واضح ہے کہ پھر اس کے بعد مدینہ طیبہ کو بعد والے خلفاء دارالخلافہ کی حیثیت نہ دے سکے اور وہ بات صحیح ثابت ہوئی جو عبداللہ بن سلام ؓ نے حضرت علی کو مدینہ سے خروج کرتے وقت از روئے خیر خواہی کہی تھی۔

------ وقال: یا امیر المومنین! لا تخرج منها فواللہ لئن خرجت منها لا یعود الیها سلطان المسلمین ابدا" [2]

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ص۲۵۳ ج۷ تحت فصل فی وقعۃ صفین۔

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر ص۲۳۲ ج۷ تحت ذکر مسیر امیر المومنین علی من المدینۃ الی البصرۃ.... الخ

(۲) الاصابۃ لابن حجر ص۳۱۲ جلد ثانی تحت عبداللہ بن سلام

(۳) تاریخ طبری ص۱۷۰ ج۵ تحت خروج علی الی الربذۃ۔

یعنی اے امیرالمؤمنین! مدینہ طیبہ کی اقامت آپ ترک نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی
قسم! اگر آپ نے مدینہ منورہ کی اقامت چھوڑ دی تو مسلمانوں کا کوئی خلیفہ بھی
یہاں مقیم نہ ہو سکے گا۔ الخ

کوفہ میں قیام کے بعد آنجناب رضی اللہ عنہ نے جامع مسجد کوفہ میں خطبہ دیا اس میں لوگوں کو امور خیر کی طرف ترغیب دی اور شرور و فساد سے منع فرمایا۔ اور کوفہ کے علاقہ کے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔[1]

ان ایام میں مختلف اطراف کے ملکی انتظامات کی طرف توجہ فرمائی اور ان کو سر انجام دیا۔
چنانچہ اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مصر کے علاقہ کی طرف قیس بن سعد بن عبادہ کو والی بنا کر روانہ کیا۔ قیس سے قبل عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اس علاقے کے والی تھے وہ شام کی طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب چلے گئے اور انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہاں سے پیش آمدہ حالات کی اطلاع کی۔

بلادِ مصر میں قیس بن سعد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے مساعی کیں۔ ایک قریہ "خربتا" کے لوگوں نے بیعت قبول نہیں کی اور قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو بڑی اہمیت دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص کے مسئلہ کو مقدم رکھا۔

یہاں ایک بزرگ مسلمہ بن مدلج الانصاری تھے انہوں نے بھی بیعت سے اعراض کیا اور قیس بن سعد نے بھی اس مسئلہ میں ان سے کوئی تعارض اور معارضہ نہیں کیا۔

کچھ ایام کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی قیس بن سعد کے متعلق دوسری رائے ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے قیس کو منصب سے الگ کر دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا۔ وہاں انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے تمام انتظامات کیے۔

---

[1] البدایہ ص ۲۵۳ جلد ۷ (فصل فی وقعۃ الصفین)

اور حلقہ خربتا و غیرہم کے لوگوں کو بھی دعوت بیعت دی لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے اور اپنی مخالفت پر قائم رہے۔[1]

انتظامات کے سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے ہمذان کے علاقہ میں جریر بن عبداللہ کی جانب اور آذربیجان کے علاقہ میں اشعث بن قیسؓ کی طرف قاصد بھیجے کہ وہ اپنے علاقوں کے عوام اور سرکردہ افراد سے حضرت علی المرتضیٰؓ کے لیے بیعت لیں اور واپس آکر حالات سے مطلع کریں چنانچہ انہوں نے اس پر عمل درآمد کیا۔

"---- ثم بعث الی جریر بن عبد اللہ۔ وکان علی همذان من زمان عثمانؓ۔ والی الاشعث بن قیس۔ وھو علی نیابۃ آذربیجان من زمان عثمانؓ۔ ان یاخذ البیعۃ علی من ھنالک من الرعایا ثم یقبلا الیہ، ففعلا ذالک"[2]

واقعہ صفین

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا علاقائی انتظامات کے بعد اس مسئلہ کی طرف توجہ فرمائی کہ اہل شام کو بیعت خلافت کی دعوت دی جائے اور شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ (جو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور سے اس منصب پر فائز چلے آرہے تھے)

---

[1] (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۵۱-۲۵۲ ج ۷ تحت سنہ ست وثلاثین ۳۶۔

(۲) تاریخ لابن جریر الطبری ص ۲۳۱ ج ۵ تحت سنہ ۳۶۔

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۵۳ ج ۷ تحت فصل فی وقعۃ الصفین۔

(۲) تاریخ طبری ص ۲۳۵ جلد ۵ تحت توجیہ علی بن ابی طالب جریر بن عبداللہ۔

اس بیعت میں شامل ہوں اور تمام اپنے زیرِ اثر علاقے میں اکابر لوگوں کو اس بیعت پر آمادہ کریں۔ اس سلسلہ میں جناب امیر المومنین علی المرتضیٰؓ نے متعدد بار اہل شام کی جانب اقدام کی سعی فرمائی اور لوگوں کو آمادہ کیا کہ اہلِ شام سے بیعت حاصل کرنے میں تعاون کریں۔

اس مرحلہ میں جو صورت حالات پیش آتی رہی اس کو آپ کے فرزند محمد بن حنفیہ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

آنجنابؓ اہل شام کے ساتھ غزا کرنے کا ارادہ کرتے اور علَم بلند کرتے لیکن بعض افراد اس چیز پر مخالفت کرتے اور ان کی رائے منتشر ہو جاتی تو مجبوراً حضرت علیؓ کو اپنا ارادہ فسخ کرنا پڑتا۔ ایسی صورت متعدد بار پیش آئی [1]۔

آخر کار آنجناب نے لوگوں کو اہل شام کی طرف اقدام کے لیے تیار کر لیا۔ اور پھر عملی اقدام کے لیے مشورہ طلب کیا بعض حضرات نے یہ مشورہ دیا کہ آپ اپنے جیوش و عساکر کو روانہ کر دیں اور خود یہاں مقیم رہیں اور بعض دیگر احباب نے مشورہ دیا کہ جناب کو خود تشریف لے جانا چاہیے تو آپؓ نے خود تشریف لے جانا زیادہ مناسب سمجھا کیونکہ آپؓ کو معلوم ہوا تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ دونوں اپنے عساکر کے ساتھ خود تشریف لائینگے [2]۔

صفین کی طرف اقدام اور صورت واقعہ

حضرت علی المرتضیٰؓ شام کی طرف تشریف لے جانے کے لیے عزم کر کے کوفہ سے نکلے اور "نخیلۃ" کے مقام پر قیام کیا اور وہاں جیوش و عساکر کے متعلقہ انتظامات درست کیے

---

[1] طبقات لابن سعد ص ۶۷ ج ۵ قسم اول تحت محمد بن الحنفیہ۔

[2] تاریخ لابن جریر الطبری ص ۲۳۶ ج ۵ تحت سنہ ۳۶ھ تحت عنوان خروج علی بن ابی طالب الی صفین۔

کوفہ پر اپنا قائم مقام حضرت ابو مسعود (عقبہ بن عامرؓ) الانصاری کو متعین فرمایا:

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے عساکر سمیت نخیلہ سے ارض شام کی طرف روانہ ہوئے اور دریائے فرات کے قریب ذوالحجہ ۳۶ھ میں قیام فرمایا۔

صفین کا محل وقوع

جب حضرت امیر معاویہؓ کو حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کے عساکر کے متعلق خبر پہنچی تو وہ بھی اپنے جیوش کے ہمراہ ملک شام کی مشرقی سرحد کے قریب آپہنچے۔

بلاد شام کی مشرقی جانب میں صفین ایک مقام ہے وہاں فریقین کی جماعتوں کا اجتماع ہوا یہ محرم ۳۷ھ کا موقعہ ہے۔

اس مقام میں اس چیز کی تشریح و توضیح پہلے کر دینا مناسب ہے کہ آئندہ واقعہ جو فریقین کے درمیان پیش آیا اس میں "مابہ المنزاع" اور "مابہ الاختلاف" کون سا امر تھا؟ اور فریقین کے اپنے اپنے نظریات اور مواقف کیا تھے؟

فلہذا پہلے فریقین کے ایک الگ موقف کی تشریح درج کی جاتی ہے اس کے بعد دیگر امور کا ذکر حسب ترتیب ہوگا۔ (بعونہ تعالیٰ)

صفین میں فریقین کا موقف

(۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ بیشتر مہاجرین اور انصار نے میری بیعت قبول کر لی ہے فلہذا اہل شام کو بھی میری بیعت میں داخل ہونا چاہیے۔ اور اطاعت قبول کرنی چاہیے اور وہ اگر یہ صورت اختیار نہ کریں گے تو پھر قتال ہوگا۔[1]

(۲) نیز حضرت علی المرتضیٰؓ کا اس مسئلہ میں موقف یہ تھا کہ فریق مقابل کے مطالبہ

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص۱۲۷ جلد ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ

قصاص دمِ عثمان کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ پہلے بیعت کریں اس کے بعد اپنا قصاص عثمانؓ کا مطالبہ مجلس خلیفہ میں پیش کریں۔ بعدازاں حکم شریعت کے مطابق اس مطالبہ کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا۔[1]

چنانچہ ابن العربیؒ نے شرح ترمذی شریف میں اور علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے۔

"..... وکان علی یقول ادخل فی البیعۃ واحضر مجلس الحکم واطلب الحق تبلغہ"

"..... فقال لہم علی ادخلوا فی البیعۃ واطلب الحق تصلوا الیہ"[2]

(۳) نیز علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کی جماعت کے لیے اس مسئلہ میں یہ چیز بھی پیش نظر تھی کہ فریق مقابل ہمارے نزدیک "اہل البغی" میں سے ہے فلہذا جب تک حق کی طرف رجوع نہ کریں ان کے خلاف قتال لازم ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ابوالشکور السالمی نے لکھا ہے:

"..... اذ حجۃ علیؓ ومن معہ ما شرع لہم من قتال اہل البغی حتی یرجعوا الی الحق"[3]

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۱۲۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ

[2] (۱) شرح ترمذی شریف لابن العربیؒ ص ۲۲۹ ج ۱۳ تحت شرح مناقب لمعاویہؓ

(۲) تفسیر قرطبی ص ۳۱۸ ج ۱۶ سورۃ الحجرات تحت مسئلہ رابعہ

(۳) الاصابہ لابن حجرؒ ص ۵۰۱ ج ۲ تحت علی بن ابی طالب۔

[3] (۱) فتح الباری لابن حجرؒ ص ۲۴۶ ج ۱۳ تحت باب ما یذکر من ذم الرای وتکلف القیاس"

(۲) کتاب التمہید لابی الشکور السالمی ص ۱۶۶-۱۶۷ تحت القول السابع فی خروج معاویہؓ

فریق مقابل

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت (جن میں متعدد صحابہ کرام تھے جو ملک شام میں اقامت پذیر تھے) کی رائے یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً شہید کیے گئے ہیں اور ان کے قاتلین علوی۔ جیش میں موجود ہیں فلہذا ان سے قصاص لیا جائے۔ اور ہمارا مطالبہ صرف قصاص دم عثمانؓ کے متعلق ہے۔ خلافت کے بارہ میں ہمارا نزاع نہیں ہے۔

② حضرت علی المرتضیٰؓ سے بیعت خلافت نہیں کی جاسکتی جب تک کہ قاتلین حضرت عثمانؓ ان کے ساتھ ہیں۔ اور ان کو شرعی سزا نہیں دی گئی۔ یا پھر دیگر صورت یہ ہے کہ ان کو ہمارے حوالہ کیا جائے تاکہ ان سے قصاص لیا جا سکے۔

③ حاصل مطلب یہ ہے کہ امر خلافت آپ کے لیے ہم تسلیم نہیں کریں گے جب تک کہ اہل فساد اور اہل شر کو ختم نہ کیا جائے جنہوں نے خلیفہ برحق حضرت عثمان کا محاصرہ کر کے ناحق شہید کر ڈالا تھا۔ یہ چیز دین کے معاملہ میں بڑی رخنہ انداز ہے اور اہل اسلام کے حق میں خلل عظیم کا موجب ہے۔

چنانچہ ابن ابی شیبہؒ نے حضرت امیر معاویہ کا قول ذکر کیا ہے کہ:

"۔۔۔۔۔ قال معاویۃؓ ما قاتلت علیاًؓ الا فی امر عثمانؓ"[1]

یعنی معاویہؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے ساتھ میرا قتال صرف حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں ہے"۔

اور نصر بن مزاحم الشیعی نے بھی حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے یہی قول نقل کیا ہے

---

[1] المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۹۲ ج ۱۱ کتاب الامراء۔ طبع کراچی۔

کہ : "...... واما الخلافة فلسنا نطلبها "[1]

یعنی (اس مقام میں) ہم خلافت کے طلب گار نہیں ہیں"۔

حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے علماء سلف نے یہ حجت تحریر کی ہے کہ:

"...... حجة معاويةؓ ومن معه ماوقع معه من قتل عثمانؓ مظلوماً و وجود قتلته باعيانهم في العسكر العراقي"[2]

"یعنی حضرت معاویہؓ اور ان کے ہمنوا لوگوں کی حجت اور دلیل یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ ظلماً قتل کر دیئے گئے اور ان کے قاتلین بذات خود عراقی جیش میں موجود ہیں"۔

علامہ شعرانیؒ اور صاحب مسامرہ وغیرہ علماء نے اصل منازعت کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

"وليس المراد بما شجر بين عليؓ ومعاوية المنازعة في الامارة كما توهمه بعضهم وانما المنازعة كانت بسبب تسليم قتلة عثمان رضي الله تعالى عنه الى عشيرته ليقتصوا منهم"[3]

---

[1] الفتنة ووقعة الصفين لنصر بن مزاحم المنقري الشيعي ص تحت کتاب معاویہ و عمرو الی اهل المدينة ۔

[2] (۱) فتح الباری ص۲۴۶ ج۱۳ تحت کتاب الاعتصام بالکتاب ما یذکر من ذم الرای وتکلف القیاس۔

(۲) تفسیر القرطبی ص۳۱۸ ج۱۶ تحت سورۃ الحجرات مسئلہ الرابعۃ۔

[3] (۱) کتاب الیواقیت والجواہر للشعرانی ص ج۲ تحت البحث الرابع والاربعون فی بیان وجوب الکف الخ

(۲) المسامرۃ للکمال بن ابی شریف ص۱۵۸ ج۱۵۹ الجزء الثانی طبع مصر تحت الاصل الثامن فی فضل الصحابۃ۔

(۳) الصواعق المحرقہ معہ تطہیر الجنان ص۲۱۶ تحت بحث ہذا طبع ثانی مصر

یعنی ان دونوں حضرات کے مابین امارۃ وخلافۃ میں نزاع نہیں تھا (جیساکہ بعض کو وہم ہوا) بلکہ قاتلوں کو حضرت عثمانؓ کے وارثوں کی طرف تسلیم کر دینے میں صرف تنازع تھا تاکہ وہ ان سے قصاص لے سکیں۔"

مندرجات بالا کی روشنی میں فریقین کے الگ الگ مواقف سامنے آگئے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کے پیش کردہ وجوہ کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی دلیل معذرت یہ ذکر کی گئی ہے کہ موجودہ حالات میں قاتلین عثمانؓ کو شرعی سزا دینا یا فریق مقابل کے سپرد کرنا موجب عظیم شر اور فساد ہے اور اس کی وجہ سے عشائر اور قبائل میں ایک دیگر انتشار اور اضطراب واقع ہوگا اور معاملہ نظم وضبط سے خارج ہو جائے گا۔

فلہٰذا اس میں تعجیل کی بجائے تاخیر لازم ہے۔

"..... لان علیاً کان رأی ان تاخیر تسلیمھم اصوب اذا المبادرۃ بالقبض علیھم مع کثرۃ عشائرھم واختلاطھم بالعسکر یؤدی الی اضطراب امر الامامۃ العامۃ" [2]

اس طرح ہر ایک فریق کے مواقف سامنے آگئے لیکن یہ دونوں حضرات اپنے اپنے نظریات پر شدت سے قائم رہے اور کوئی نتیجہ خیز امر سامنے نہ آسکا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک چیز قابل وضاحت ہے اس کا ذکر کر دینا مفید ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں

---

[1] (۱) کتاب الیواقیت والجواہر للشعرانی ص ۷۷ ج ۲ تحت المبحث الرابع والاربعون فی بیان وجوب الکف عما شجر بین الصحابۃ۔

(۲) الصواعق المحرقہ لابن حجر المکی معہ تطہیر الجنان ص ۲۱۶ تحت بحث ہذا طبع ثانی مصر۔

کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ شرعی قواعد کی رو سے مقتول کے قریبی ورثاء کو قصاص طلب کرنے کا حق ہوتا ہے اور یہی لوگ مطالبہ قصاص کے صحیح حق دار ہوتے ہیں۔"

اس ضابطہ کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہؓ کو قصاص دمِ عثمانؓ کا مطالبہ پیش رکھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور ان کا یہ اقدام ضابطے کے اعتبار سے صحیح نہیں۔

اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے یہ تفصیل پیش خدمت ہے۔

مطالبہ قصاص دمِ عثمانؓ اٹھانے میں حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے فرزند شامل تھے اور خاص طور پر حضرت ابان بن عثمانؓ کا اسم گرامی کبار علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے چنانچہ شیعہ کے اکابر علماء اور مصنفین نے اس مسئلہ کو تصریحاً ذکر کر کے اشکال رفع کر دیا ہے۔ ذیل میں حوالہ ملاحظہ فرمائیں سلیم بن قیس الہلالی الشیعی کہتے ہیں کہ:

"۔۔۔ ان معاویۃؓ یطلب بدمِ عثمانؓ و معہ ابان بن عثمانؓ و ولد عثمانؓ"۔[1]

"یعنی دمِ عثمان کے قصاص کے مطالبہ میں امیر معاویہ کے ساتھ ابان بن عثمان اور حضرت عثمانؓ کے دیگر فرزند شامل تھے۔"

مطالبہ ہذا کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ متفرد اور اکیلے نہیں تھے۔

نیز مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ابومسلم الخولانی اور ان کی جماعت کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے وضاحت کی تھی کہ

"۔۔۔ انا ابن عمہ و انا اطلب بدمہ و امرہ الی الخ"[2]

---

[1] کتاب سلیم بن قیس الکوفی الہلالی العامری الشیعی ص ۱۵۳ مطبوعہ نجف اشرف تحت بحث معاویہؓ قرار الشام و قضائہم۔

[2] البدایہ لابن کثیر ص ۱۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ

یعنی میں مظلوم و مقتول خلیفہ کے چچے کا بیٹا ہوں اور یہ معاملہ (دالیوں کی طرف سے) میرے سپرد کیا گیا ہے۔ اس بنا پر مقتول کے خون کے قصاص کا مطالبہ کر رہا ہوں۔

ان تصریحات کی روشنی میں ان کا یہ مطالبہ از روئے ضابطہ درست ہے اور اقدام صحیح ہے۔ پس اس اشتباہ کو شیعہ کے کبار علماء اور اہل سنت کے مصنفین نے رفع کر دیا ہے مزید کسی جواب کی حاجت نہیں۔

ناظرین کرام کی معلومات میں اضافہ کے لیے اتنی بات مزید درج ہے کہ سلیم بن قیس الہلالی کو شیعہ علماء اصحاب امیر المومنین علی المرتضیٰؓ میں شمار کرتے ہیں۔

تو اس استشہاد سے زیادہ پختہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ بعض لوگوں کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبۂ قصاص کو غیر آئینی اقدام قرار دینا یہ معلومات کی کمی کی بنا پر ہے ورنہ یہ معاملہ ہرگز قابل اعتراض نہیں ہے اور اصول شرعی کے یہ مطابق ہے۔

رفع نزاع کے لیے مساعی

فریقین کے درمیان اس دور کے بعض اکابر حضرات کے ذریعے رفع نزاع کی مساعی کی گئیں۔ ان میں سے بعض مساعی تو کوفہ میں مرتضوی قیام کے درمیان ہی سے جاری تھیں جو جریر بن عبد اللہؓ البجلی کی وساطت سے شروع ہوئیں اور بعض دوسرے حضرات کے ذریعے بعد میں فریقین کے نخیلہ اور صفین کے مقامات میں قیام کے دوران جاری رہیں۔

ان میں سے بعض مساعی کو بطور اختصار کے ہم یہاں ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

پہلے حضرت جریر بن عبد اللہ کی رفع نزاع کی مساعی کو ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد دیگر حضرات کی کوششوں کا ذکر کیا جائے گا۔

(1)

(1) اس سلسلہ کی ابتداء حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اس طرح فرمائی کہ ایک مشہور صحابی حضرت جریر بن عبداللہؓ کو ایک خط دے کر حضرت امیر معاویہؓ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس خط میں یہ چیز درج تھی کہ مہاجرین اور انصار نے ہماری بیعت کر لی ہے اور واقعہ جمل بھی اسی نزاع کی وجہ سے پیش آچکا ہے آپ اور آپ کے علاقہ کے لوگوں کو اس بیعت میں داخل ہو جانا چاہیئے۔

جریر بن عبداللہؓ نے ملک شام میں جا کر حضرت معاویہؓ کی خدمت میں یہ خط پیش کیا تو آپؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ اور دیگر اکابر اہلِ شام کو اس خط سے مطلع کیا اور اس بات پر مشورہ طلب کیا۔

ان حضراتؓ نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب تک قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کیا جائے یا قاتلین کو ان کے سپرد نہ کر دیا جائے آپ کی خلافت تسلیم نہ کی جائے گی اور نہ بیعت کی جائے گی۔ اس کے بعد حضرت جریر بن عبداللہ نے واپس آکر حضرت علی المرتضیٰؓ کو جواباً اطلاع کر دی۔

------ وبعثه، وکتب معه کتاباً الی معاویة یعلمه، باجتماع المهاجرین والانصار علی بیعته۔ ویخبره بما کان فی وقعة الجمل ویدعوه الی الدخول فیما دخل فیه الناس ------

فلما انتهی الیه جریر بن عبد الله اعطاه الکتاب خطب معاویه عمرو بن العاص و رؤس اهل الشام فاستشارهم فابوا ان یبایعوا حتی یقتل قتلة عثمانؓ او یسلم الیهم قتله

عثمانؓ الخ؁

عزلت نشینی حضرت جریر بن عبداللہ کو جب اس مسئلے میں ناکامی ہوئی تو مایوس ہو کر واپس تشریف لائے اور قرقیسا کے مقام میں فریقین سے الگ ہو کر عزلت نشینی اختیار کر لی۔ اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف اطلاع ارسال کر دی کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے آپ کی شرائط کو تسلیم نہیں کیا۔؁

"...... ثم سکن جریر الکوفة وارسله علی رسولاً الی معاویة ثم اعتزل الفریقین وسکن قرقیسا حتی مات سنة احدی وقیل اربع وخمسین" ؁

یعنی حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس مراسلت اور پیغام رسانی کے بعد جریر بن عبداللہ فریقین سے غیر جانبدارانہ طور پر الگ ہو گئے اور قرقیسا کے مقام میں سکونت اختیار کر لی حتیٰ کہ ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۲)

اور ان ایام میں ایک تابعی بزرگ عبیدہ السلمانیؒ نے بمع اپنے دیگر احباب (علقمہ بن قیس، عامر بن عبد قیس، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود وغیرہم) کے رفع نزاع کی کوئی صورت نکالنے کے لیے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ

؁ (۱) البدایہ ص ۲۵۳ ج ۷ جلد سابع تحت وقعۃ الصفین۔

(۲) تاریخ طبری ص ۲۳۵ ج ۵ تحت توجیہ علی جریر بن عبداللہ الخ

؁ (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۵۳ ج ۷ تحت واقعہ صفین

(۲) اخبار الطوال للدینوری الشیعی ص ۱۷۱ تحت بحث ہذا۔

؁ الاصابہ لابن حجر ص ۲۳۲ تحت جریر بن عبداللہ البجلیؓ

دمِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ درپیش ہے اور حضرت علیؓ کے ہاں قاتلین پناہ لیے ہوئے ہیں اس بنا پر ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔

پھر یہی چیز حضرت علی کی خدمت میں ان حضرات نے پہنچائی تو حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ:

واللہ ماقتلت ولا امرت ولا مالیت [1]

یعنی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! نہ میں نے عثمان کو قتل کیا ہے، نہ میں نے اس کا کسی کو حکم دیا ہے اور نہ ہی میں نے (قتل عثمانؓ) پر قاتلین کا تعاون کیا ہے۔

اور قاتلین اپنی تاویلات فاسدہ کی بنا پر اس فتنہ میں پڑ گئے تھے۔ اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو میری خلافت سے قبل ہی قتل کر دیا ہے میرا اس میں دخل نہ تھا۔

امیر معاویہؓ ان کے جواب میں تقاضا کرتے تھے کہ یہ لوگ ان کے جنود و جیوش میں شریک و شامل ہیں ان سے قصاص دلایا جائے۔

ان وفود کے مکالمات میں تفصیلات پائی جاتی ہیں جن کا ماحاصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی طرف سے برآۃ از قتل کے بعد بیعت واطاعت کا مطالبہ مقدم تھا اور حضرت معاویہؓ کی فریق کی جانب سے تو دو قصاص کا تقاضا پیش پیش تھا۔ اس جدوجہد کے باوجود کوئی مابہ الاتفاق چیز سامنے نہ آسکی جس پر نزاع ختم ہو جاتا۔

(۴)

نیز اس موقعہ پر کبار علماء نے ایک دیگر سعی ذکر کی ہے اس کو بھی بالاجمال قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے ایک بزرگ ابومسلم الخولانیؒ ہیں جو اپنے زہد و

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص۲۵۸ ج۷ تحت سنہ ۳۷ھ (بحث ہذا)۔

عبادت اور تقویٰ میں مشہور تھے انہوں نے بھی مع اپنے دیگر ساتھیوں کے جذبہ اخلاص کے تحت اس مختلف فیہ مسئلہ میں رفع اختلاف کی خاطر ایک سعی کی۔

چنانچہ ابو مسلم الخولانی اپنے اصحاب کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ آپ خلافت کے بارے میں حضرت علیؓ سے تنازع کرتے ہیں کیا آپ ان کے ہم پایہ ہیں؟ تو حضرت معاویہؓ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں ان کا ہم پایہ نہیں ہوں اور وہ مجھ سے زیادہ افضل ہیں اور امر خلافت میں زیادہ حقدار ہیں۔

لیکن تم جانتے نہیں کہ حضرت عثمان مظلوماً قتل کیے گئے؟ اور میں ان کا قریبی رشتہ دار ہوں، اور میں ان کے خون کے قصاص کا طالب ہوں؟ تم حضرت علیؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ قاتلین عثمان ہمارے سپرد کر دیں ہم امر خلافت ان کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچے اور گزشتہ گفتگو ان کے سامنے پیش کی۔ تو حضرت علیؓ نے قاتلین عثمانؓ کو ان کے حوالے نہیں کیا۔

اور اس مقام میں بعض روایات میں اس طرح بھی منقول ہے کہ حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا کہ وہ بیعت میں داخل ہوں اور اطاعت قبول کر لیں اس کے بعد یہ مسئلہ میرے سامنے پیش کریں اور فیصلہ طلب کریں۔ لیکن اس بات پر حضرت امیر معاویہؓ تیار نہیں ہوئے۔

چنانچہ حافظ الذہبی اور حافظ ابن حجر العسقلانی و دیگر اکابرین نے اس گفتگو کو اپنے اپنے الفاظ میں درج کیا ہے اور فرماتے ہیں:

..... جاء ابو مسلم الخولانیؒ واناس الی معاویةؓ وقالوا انت تنازع علیاًؓ ام انت مثلہ؟ فقال: لا! واللہ انی لاعلم انہ افضل منی واحق بالامر ولکن ألستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن عمہ والطالب بدمہ۔ فأتوہ

فقولوا له فليدفع لي قتلة عثمان واسلم له ۔ فاتوا علياً فكلموه فلم يدفع اليهم" [1]

اور بعض روایات میں بالا مضمون کے ساتھ مزید یہ الفاظ بھی منقول ہیں :

"فقال يدخل في البيعة ويحاكمهم الي فامتنع معاوية ؓ" [2]

ناظرین کرام کے سامنے رفع نزاع کے لیے متعدد کوشش یہاں مختصراً ذکر کردی ہیں ان حضرات کی طرف سے یہ نہایت مخلصانہ جدوجہد تھی جو مفید ثابت نہ ہوسکی۔ آخرکار فریقین اپنے اپنے موقف سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس کے بعد حالات میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔

فریقین میں مخلصین حضرات کے بغیر عوامی قسم کے فسادی عناصر موجود تھے منازعت کے ہولناک عواقب اور خطرناک انجام پر جن کی نظر نہیں تھی۔ یہ لوگ اپنی جبلی شرپسندی اور فساد انگیزی سے باز نہیں رہ سکتے تھے چنانچہ انہوں نے جانبین کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بجائے بدظنی پھیلا کر بعید کیا اور معاملہ سلجھانے کی بجائے الجھا دیا۔ اور صلح کی بجائے قتال قائم کرنے پر اصرار کیا۔

حاصل یہ ہے کہ یہ باہمی مساعی اور مراسلت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی اور فریقین میں شدید قتال پیش آیا۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ :

"۔۔۔۔ فتراسلوا فلم يتم لهما امر فوقع القتال

---

[1] (۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۹۳ ج ۳ تحت معاویۃ بن ابی سفیان

(۲) تاریخ اسلام للذہبی ص ۱۷۸ ج ۲ تحت وقعۃ الصفین ۳۷ھ طبع مصر۔

(۳) عقیدۃ السفارینی ص ۳۲۸-۳۲۹ ج ۲ تحت قتل عمار والقول فی معاویۃ ؓ

[2] فتح الباری شرح بخاری العسقلانی ص ۷۲-۷۳ ج ۱۳ تحت کتاب الفتن۔ بعد از باب خروج النار۔

الی ان قتل من الفریقین"۔ لہ

"یعنی جانبین میں مراسلہ ہوئی لیکن کسی بات پر معاملہ تمام نہ ہو سکا تو قتال واقع ہوا اور فریقین سے لوگ مقتول ہوئے"۔

جنگی تفصیلات سے اجتناب

صفین کے مقام پر فریقین میں جو قتال واقع ہوا اس کی تفصیلات کتب تاریخ میں بہت مفصل اور طول وطوال ذکر کی گئی ہیں۔ ان طویل واقعات کو ذکر کرنا مفید مقصد نہیں۔ پھر ان میں واقعات کی نوعیت، تعداد شرکاء اور ان کے جیوش کی تعداد پھر ان کے امراء کا تقرر پھر محاذ جنگ میں جنگی تفصیلات اور قتلی جانبین کی تعداد وغیرہ یہ سب چیزیں مختلف فیہا امور ہیں۔ اور کتابوں میں ان کا ذکر مختلف تعبیرات کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اور ان متخالف امور میں کوئی توجیہ وتطبیق پیدا کر لینا ہمارے دائرہ اختیار سے باہر اور حلقہ انضباط سے خارج ہے۔

سو ان واقعات کی وادئ تفصیلات میں قدم رکھنا پھر ان کی وسعتوں کو طے کر لینا کوئی سہل امر نہیں ہے بلکہ صعب تر ہے۔ فلہذا اکابر علماء نے اس موقع کے مطابق جو اجمال ذکر کیا ہے اسی پر اکتفا کرنا بہتر خیال کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اگرچہ طبری سے کم تفصیلات درج کی ہیں لیکن پھر بھی قتال کے واقعات لکھے ہیں اور اس کے باوجود وہ بعض مقامات پر تحریر کرتے ہیں کہ:

۔۔۔۔ فقتل فی ھذا الموطن خلق کثیر من الفریقین

لہ فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۷۳ ج ۱۲۔

لا یعلمھم الا اللہ وقتل من العراقیین خلق کثیر ایضاً" [1]

اور ایک دوسرے مقام میں لکھا ہے کہ :

فقتل خلق کثیر من الاعیان من الفریقین فانا للہ

وانا الیہ راجعون" [2]

ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ ان مواضع میں فریقین کی جانب سے بہت لوگ مقتول ہوئے جن کی صحیح تعداد اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

البتہ اتنی چیز ذکر کر دینے میں حرج نہیں کہ فریقین کی طرف سے جن اکابر کی اس قتال میں شہادت ہوئی ہے ان میں حضرت عمار بن یاسرؓ خزیمہ بن ثابتؓ وغیرہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت میں تھے۔ اور اہلِ شام کے ہاتھوں ان کی شہادت ہوئی۔ اور عمار کی شہادت کی پیشگوئی جو حدیث شریف میں بسند صحیح ثابت ہوئی اس کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ اپنے مقام میں پیش کیا جائے گا۔

اور حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت سے حضرت عبید اللہ بن عمر بن الخطاب۔ ذوالکلاع اور حوشب وغیرہم اہل عراق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

جنگ "صفین" میں بہت سے اکابر حضرات کی شہادت ہوئی جیسا کہ اجمالاً سطور بالا میں لکھا ہے لیکن ان کے اسماء کی تصریحات نہیں تحریر کی جا رہی۔ اور مندرجہ بالا بزرگوں (حضرت عمار ذوالکلاع و حوشب) کے نام ذکر کر دینے میں ایک خاص وجہ ہے ان شاء اللہ العزیز ان مباحث کے آخر میں ان کی کچھ تفصیل پیش کی جائے گی قلیل سی انتظار فرما دیں۔

---

[1] البدایہ ص ۲۷۱ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ بحث صفین۔

[2] البدایہ ص ۲۶۵ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ تحت واقعات صفین۔

تحکیم

صفین کے مقام میں فریقین کے درمیان شدید ترین قتال جاری رہا بعض مؤرخین کے قول کے مطابق چہارشنبہ پنجشنبہ جمعہ اور شب شنبہ ماہ صفر ۳۷ھ کے اوقات اس جنگ میں مشکل ترین تھے اور ان ایام میں گھمسان کی لڑائی ہوئی[1] اس موقعہ پر اہلِ شام کی طرف سے (قتال کو ختم کرنے کے لیے) یہ تدبیر پیش کی گئی کہ اللہ کی کتاب کا فیصلہ فریقین کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

چنانچہ اس کے موافق حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں یہ پیش کش کی گئی اور آپؓ نے مصالحت کی اس دعوت کو قبول کر لیا۔ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق دونوں فریق عمل کرنے پر آمادہ ہوئے اور ساتھ ہی قتال کو موقوف کر دیا گیا۔ اور طے یہ ہوا کہ ہر ایک فریق کی طرف سے ایک ایک حکم اس مسئلہ کے فیصلہ کے لیے منتخب کیا جائے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ فیصل منتخب ہوئے اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ فیصل تسلیم کئے گئے کتاب اللہ کی روشنی میں یہ حضرات جو فیصلہ کریں وہ منظور ہوگا۔ اور طے ہوا کہ ہر دو فریق کے یہ دونوں فیصل دومۃ الجندل کے مقام پر مجتمع ہو کر فیصلہ کریں گے۔[2]

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۷۱ ج ۷ تحت حالات صفین سنہ ۳۷ھ۔

[2] (۱) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۲-۱۷۳ ج اول تحت سنہ ۳۷ھ
(۲) العبر للذہبی ص ۴۲ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ
(۳) طبقات ابن سعد ص ۲۱ ج ۳ تحت ذکر تحکیم الحکمین۔

باقی حاشیہ ص 319

اور بعض علماء نے تحریر کیا ہے کہ " اذرح " نامی دومۃ الجندل کے قریب مقام تھا اس میں فیصلہ تحکیم تجویز کیا گیا۔ اور یہ واقعہ قریباً ۱۰ یا ۱۲ صفر ۳۷ھ کا ہے۔

خوارج کی ابتدا

اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے بعض لوگوں نے آپ کے حکمین تسلیم کر لینے کے فیصلے سے اختلاف کیا اور سختی سے اصرار کیا کہ حکمین کو تسلیم کرنا شرعاً درست نہیں اور " لا حکم الا للہ " کا نعرہ لگا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت سے الگ ہو گئے۔ اور آپ کے تعاون سے کنارہ کش ہو گئے اور ایک الگ مقام میں جا کر اقامت اختیار کی جسے " حروراء " کہتے تھے اور بقول بعض مورخین یہ جماعت بارہ[۱۲] ہزار کے قریب تھی ان کو خوارج کہا جاتا ہے۔

"...... وابوا ان یساکنوہ فی بلدہ، ونزلوا بمکان یقال لہ حروراء، وانکروا علیہ اشیاء فی مایزعمون انہ ارتکبھا" [لہ]

یعنی انہوں نے حضرت علی کے ساتھ ایک شہر میں مل کر سکونت اختیار کرنے کو ترک کر دیا اور حروراء کے مقام میں اقامت کر لی۔ اور اپنے زعم میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کئی چیزوں کے ارتکاب کے متعلق اعتراض قائم کر لیے۔" [۲ہ]

بقیہ حاشیہ ص ۳۱۸

(۴) البدایہ ابن کثیر ص ۲۷۲ ج ۷ تحت بحث واقعہ صفین ۳۷ھ

(۵) طبقات ابن سعد ص ۴ ج ۴ ق ۲ تحت عمرو بن العاص۔

لہ (۱) معجم البلدان یاقوت الحموی ص ۴۸۷ ج ۸ تحت دومۃ الجندل۔

(۲) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۰۱ جلد اول۔

لہ البدایہ لابن کثیر ص ۲۷۸ جلد سابع۔ تحت خروج الخوارج۔

۲ہ خوارج کے متعلق بقایا اشیاء کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ اپنے مقام پر ہوگا یہاں صرف مسئلہ تحکیم کے ساتھ ان کا اختلاف کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ (منہ)

چنانچہ واقعہ تحکیم پیش آنے کے بعد ہر ایک فریق اپنے اپنے بلاد کی طرف واپس ہو گئے حضرت علی المرتضیٰ کوفہ تشریف لائے اور حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت بلادِ شام کو واپس ہوئے۔

کیفیت یہ تھی کہ جناب سیدنا علی المرتضیٰؓ کی جماعت میں اس مسئلہ پر افتراق و انتشار واقع ہو گیا تھا (جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے)

اور حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت اور اہل شام میں سکون تھا کوئی اضطراب و اختلاف نہیں تھا۔

"...... ورجع عليؓ الكوفه باصحابه مختلفين عليه۔ ورجع معاويةؓ الى الشام باصحابه متفقين عليه" [۳]

اپنے اپنے بلاد کی طرف فریقین کی یہ واپسی صفر ۳۷ھ میں ہوئی تھی۔ درمیان میں چند ماہ وقفہ رہا اس دوران مراسلہ جاری رہی اور فیصل حضرات کے مقام متعین (دومۃ الجندل یا اذرح) میں مجتمع ہونے کے لیے کوششیں ہوتی رہیں۔

اجتماع فریقین

آخر کار دونوں فریق ماہ رمضان شریف ۳۷ھ میں دومۃ الجندل (یا اذرح) کے مقام پر مجتمع ہوئے۔

حضرت سیدنا علیؓ خود تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ ان کی جانب سے ان کے قائم

---

[۳] (۱) نصب الرایہ للزیلعی ص۔ جلد رابع کتاب البیوع تحت الحدیث الخامس۔

(۲) طبقات ابن سعد ص ۲۱ ج ۳ تحت تحکیم الحکمین۔ طبع لیڈن

مقام حضرت عبداللہ بن عباسؓ شریک ہوئے اور ان کے ہم نوا کچھ اور حضرات بھی ساتھ تھے اور حضرت معاویہؓ خود شامل اجتماع ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے ہم خیال احباب تھے۔

اور فیصل حضرات یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (حضرت علیؓ کی جانب سے تسلیم شدہ تھے) اس مقام پر تشریف لائے اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ فیصل مقرر تھے وہ بھی آ پہنچے۔

ابن کثیرؒ نے مزید اکابرین امت کے نام جو اس موقع پر شامل ہوئے تھے ذکر کیے ہیں۔

مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبدالرحمٰن بن الحارث مخزومی، ابو جہم بن حذیفہ، عبدالرحمان بن ابی بکر وغیرہ۔

اس مقام میں مورخین کے بیانات بہت کچھ مختلف ہیں حقیقت واقعہ کے مطابق مسئلہ کو ذکر کرنا سہل کام نہیں ہے تاہم اتنی چیز ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ۔

۔۔۔۔ جب دونوں فیصل حضرات جمع ہوئے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر اور خیر اندیشی کی خاطر غور و فکر فرمایا دونوں بزرگوں کی رائے یہ ہوئی کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو خلافت اور اپنے منصب سے الگ کیا جائے اور یہ معاملہ پھر سے اکابرین امت پر چھوڑا جائے جس کو اس منصب کے لیے لائق تر سمجھیں اس کو منتخب کرلیں انتخاب میں مذکورہ حضرات میں سے کسی ایک پر اتفاق کریں یا ان کے ماسوا کسی دوسرے شخص کو تجویز کرلیں۔

فلما اجتمع الحكمان تراضا على المصلحة للمسلمين ونظرا في تقدير امور ثم اتفقا على ان يعزلا علياً ومعاوية ثم يجعلا الامر شورى بين الناس ليتفقوا على الاصلح لهم منهما او من غيرهما "[1]

---

[1] البدایہ ص ۲۸۲ ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین۔

—— اس مرحلہ کے بعد ان دونوں حکمین کی رائے کا تذکرہ بعض مؤرخین نے اس طرح کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ نے عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ کو والی بنانے کی طرف اشارہ کیا جب کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے فرزند عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو والی بنانے کی رائے پیش کی کہ وہ بھی علم و عمل اور زہد میں ایک مقام کے حامل ہیں، اس پر حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا کہ وہ آدمی تو صادق اور صحیح ہیں مگر آپ نے اپنے فرزند کو ان فتن میں ملوث کر دیا ہے۔

"..... وقد اشار ابوموسیٰ بتولیة عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ فقال له عمرو : فول ابنی عبداللہ فانه یقاربه فی العلم والعمل والزهد فقال له ابوموسیٰ انك قد غمست ابنك فی الفتن معك، وهو مع ذالك رجل صدق"[1]

—— اور بعض دیگر مؤرخین کے نزدیک حضرت عمرو بن العاص کی طرف سے یہ رائے بھی پیش کی گئی کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کو منتخب کر لیا جائے مگر حضرت ابوموسیٰؓ اس رائے سے متفق نہیں ہوئے اسی طرح مزید بھی اس مسئلہ میں بحث تمحیث ہوئی لیکن ان امور میں اختلاف رائے کی بنا پر معاملہ ہذا میں انتشار واقع ہو گیا اور کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ فلہذا تحکیم نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی ناکام ہو گئی۔

اسی چیز کو خلیفہ ابن خیاط نے اپنے مختصر الفاظ میں بعبارت ذیل ذکر کیا ہے۔

"..... فلم یتفق الحکمان علی شیئ وافترق الناس"[2]

---

[1] البدایہ ابن کثیر ص ۲۸۲ ج ۷ تحت صفة اجتماع الحکمین۔

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط (المتوفی ۲۴۰ھ) ص ۱۷۴ ج اول تحت وقعة الصفین ۳۷ھ

"یعنی دونوں فیصل حضرات کسی چیز پر متفق نہ ہوسکے اس بنا پر لوگوں میں افتراق واقع ہوگیا۔"

اندریں حالات فریقین اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ واپس چلے گئے اس کے بعد اہلِ شام نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔ اس سے قبل حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے خلافت کی بیعت نہیں لی تھی۔

"۔۔۔۔ وبایع اھل الشام لمعاویۃ بالخلافۃ فی ذی القعدہ سنۃ سبع وثلاثین"۔[1]

"یعنی اہلِ شام نے حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ذی القعدہ ۳۷ھ میں کی۔"

اس سے قبل وہ اپنے سابقہ منصب امیر شام ہونے پر قائم تھے جو ان کو سابق خلفاء کی جانب سے حاصل تھا۔

ایک تشریح

تحکیم کے موقعہ پر مؤرخین اور ان کے بعض رواۃ نے جو تعبیریں اختیار کی ہیں وہ حقائق اور واقعات کے خلاف ہیں۔

ان کے متعلق یہاں ایک انتباہ ذکر کر دینا مفید ہے۔

انتباہ

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کے متعلق یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ معاملات میں ظاہر بین تھے اور

---

[1] (۱) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص۱۹۲ ج اول تحت واقعہ صفین۔ (سنہ ۳۷ھ)

(۲) تاریخ ابن خلدون ص۱۱۲۵ ج ۲ الجلد الثانی تحت ولایۃ عمرو بن العاصؓ مصر

سیاسی بصیرت کے حامل نہیں تھے نیز وہ معاملہ فہمی میں زیرک نہیں تھے۔

اور اسی طرح کئی مؤرخین حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو واقعہ ہذا میں "خداع اور مکار" شخص کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ سب بیان کرنے والوں کی اپنی قبیح تعبیریں ہیں جو ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں تنقیص کا موجب بنتی ہیں اور تحقیر کا تاثر دیتی ہیں سو یہ روایات کسی صورت میں صحیح نہیں۔

اس مقام میں پہلے ہم حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ اور جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے باہم مکالمہ کی روایات پر نقد اور تجزیہ پیش کرتے ہیں جن کی بنا پر لوگوں نے ان ہر دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات کو مورد الزام ٹھہرایا اور ان کی تحقیر و تنقیص کے در پے ہوئے۔ اس کے بعد ہم ان حضرات رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو اختصاراً بیان کر کے ان کے حق میں صفائی پیش کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اس سلسلہ میں عموماً طبری کی روایات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جن کے رواۃ پر اہل فن نے جرح اور تنقید ذکر کی ہے۔

فلہذا یہ روائتیں درجہ اعتماد سے ساقط ہیں۔

سند پر کلام

۱۔ طبری کی ان روایات کا بنیادی راوی "ابومخنف لوط بن یحییٰ" ہے یہ شخص علمائے رجال کے نزدیک سخت قسم کا شیعہ و رافضی ہے۔ ضعیف ہے اور کچھ قابل اعتماد نہیں۔ اخباری آدمی ہے۔

چنانچہ حافظ الذہبی اور ابن حجر العسقلانی ذکر کرتے ہیں کہ:۔

(۱)..... لوط بن یحییٰ ابو مخنف اخباریؐ لا یوثق بہ..... قال لا یوثق بہ..... ترکہ ابوحاتم وغیرہ۔ قال الدارقطنی ضعیف، قال یحییٰ بن معین (مرۃ) لیس بشئ۔ قال ابن عدی شیعیؐ محترقؐ صاحب اخبارھم۔[1]

---

[1] (۱) میزان الاعتدال للذہبی ص ۴۱۹-۴۲۰ ج ۳ (طبع بیروت) تحت لوط بن یحییٰ۔

(۲) لسان المیزان لابن حجر العسقلانی ص ۴۹۲ ج ۴ تحت لوط بن یحییٰ (طبع دکن)

مطلب یہ ہے کہ ابو مخنف ناقابل اعتماد ہے۔ متروک ہے بیکار ہے۔ صحابہؓ کے نام پر جلنے والا شیعہ ہے روایتیں چلانے والا اخباری اور قصہ گو راوی ہے۔ اور قصہ گو لوگوں کے بیانات قابلِ تسلیم نہیں ہوتے۔

(۲) طبری کی ان روایات کا دوسرا راوی "ابو جناب الکلبی یحییٰ بن ابی حیۃ" ہے۔
یہ شخص اہلِ فن کے نزدیک مندرجہ ذیل جرح و نقد کے ساتھ مجروح و مقدوح ہے۔
ابن حبان ذکر کرتے ہیں۔

.... کان ممن یدلس عن الثقات۔ ما سمع من الضعفاء فالتزق بہ المناکیر التی یرویھا عن المشاھیر۔

... قال (یحییٰ بن سعید القطان) لیس لشئ۔

.... قال (یحییٰ بن معین) کان ضعیفا۔ [1]

اسی ابو جناب الکلبی پر ابن عدیؒ نے مندرجہ ذیل جرح اور نقد کیا ہے۔

... متروک الحدیث .... کوفی ضعیف .... وھو من جملۃ المتشیعین بالکوفۃ [2]

اور علامہ الذہبی نے تحریر کیا ہے کہ:۔

قال یحییٰ بن سعید القطان لا استحل ان اروی عنہ۔

قال النسائی والدارقطنی ضعیف .... کان یدلس۔ [3]

مندرجہ بالا تنقیدات کا حاصل یہ ہے کہ:۔
یہ شخص مدلس تھا اور ضعیف راویوں سے جو کچھ سنتا اس چیز کو ثقات کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیتا تھا۔ اس طرح اس نے مشاہیر لوگوں سے منکر روایات نقل کی ہیں۔ علمائے فن کے نزدیک یہ شخص ضعیف

---

[1] کتاب المجروحین لابن حبان ص ۲۷۲ ج ۳ تحت یحییٰ بن ابی حیۃ۔ (طبع دکن)

[2] الکامل لابن عدی ص ۲۶۶۹ - ۲۶۷۰ ج ۷ تحت یحییٰ بن ابی حیۃ

[3] میزان الاعتدال الذہبی ص ۳۷۱ ج ۴ تحت یحییٰ بن ابی حیۃ (طبع بیروت)

ہے بلکہ کسی درجہ میں نہیں۔ اور اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

یہ شخص شیعانِ کوفہ میں سے تھا اور یحییٰ قطان اس کے متعلق فیصلہ دیتے ہیں کہ میں اس شخص سے روایت نقل کرنا حلال نہیں سمجھتا۔"

مختصر یہ ہے کہ اس مقام کی روایات کے مرکزی رواۃ مندرجہ بالا جرح کے ساتھ مجروح اور مقدوح ہیں اور اہلِ فن کے نزدیک نہایت غیر معتمد اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔

پس ان روایات کی روشنی میں مذکورا اکابر صحابہ کرامؓ کے خلاف جو تنقیص و تحقیر کی جاتی ہے وہ سراسر افترا اور دروغگوئی ہے۔

اس قسم کے تاریخی اور اخباری ملغوبات کی بنا پر اکابر صحابہ کرامؓ کے مقام و مرتبہ کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔

اب ہم سطور ذیل میں ان ہر دو صحابہ کرامؓ کے دینی مقام کو واضح کرنے کے لیے چند ایک چیزیں پیش کرتے ہیں جن سے ان حضراتؓ کی اہلیت و صلاحیت اور دیانت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے اور یہ چیزیں ان کی عدالت پر شواہد کے درجہ میں ہیں۔

ان کے ملاحظہ کر لینے کے بعد ایک منصف مزاج اور حق پسند آدمی حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ اور جناب عمرو بن العاصؓ پر اس قسم کے مطاعن وارد کرنے کا ہرگز روادار نہیں ہوگا۔ بلکہ تحکیم کے موقعہ کے حالات کو ان کے فکری اختلاف اور اجتہادی رائے کے تنوع پر محمول کرے گا۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ (یعنی عبداللہ بن قیس) کے فضائل و مناقب سے ان کے تراجم مملو ہیں۔

حافظ الذہبیؒ نے تحریر کیا ہے کہ آپ جلیل القدر اور افاضل صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔

آپ متعدد بار اسلامی حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ حتیٰ کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو بعض علاقوں (زبید، عدن) پر عامل اور والی مقرر فرمایا۔

اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو بصرہ اور کوفہ کا والی بنایا۔

...استعمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابا موسی الاشعری رضی اللہ عنہ (عبداللہ بن قیس) علی زبید وعدن۔ ثم ولی الکوفۃ والبصرۃ لعمر رضی اللہ عنہ [1]

بعدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اہل کوفہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو کسی معاملہ میں اختلاف کی بنا پر کوفہ سے نکال دیا اور حضرت موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر کریں اس پر حضرت عثمان نے ابوموسیٰ الاشعری کو کوفہ کا والی مقرر فرمایا اور آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کوفہ کے عامل اور والی رہے۔

---

[1]: تاریخ الاسلام للذہبی ص ۲۵۵ ج ۲ تحت ترجمہ ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ (عبداللہ بن قیس)

"..... وفیھا (سنة ۳۴ھ) اخرج اھل الکوفة سعید بن العاص، وولّوا ابا موسیٰ الاشعریؓ وکتبوا الی عثمانؓ یسألونہ ان یولی ابا موسیٰ فولّاہ"۔ علہ

یہ چیزیں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کی فطری اہلیت اور طبعی صلاحیت پر دال ہیں کسی سطحی آدمی اور سادہ لوح شخصیت کو ایک وسیع علاقہ کی حکومت سپرد نہیں کی جاتی اور نہ اس کو امیر اور والی مقرر کیا جاتا ہے نیز جناب علی المرتضیٰؓ کا حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو بطور فیصل تسلیم ومنظور کر لینا ہی ان کی دیانت وامانت ولیاقت کی بڑی قوی دلیل ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ

اسی طرح حضرت عمرو بن العاصؓ کی دیانت، امانت اور صداقت اسلام میں مسلمات میں سے ہے اور بے شمار فضائل وکمالات کے یہ حامل ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:۔

عمرو بن العاص قریش کے صالحین میں سے ہیں۔

"... قال طلحةؓ بن عبید اللہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان عمرو بن العاصؓ من صالحی قریش" ۲ہ

نیز آپؓ کی دیانت کی یہ قوی دلیل ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عمان کے علاقہ پر ان کو عامل مقرر فرمایا اور آپ پورے عہد نبوی میں وہاں عامل رہے پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی آپ کو ولایت عمان سے تبدیل نہیں فرمایا۔

علہ (۱) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۴۵ ج اول تحت سنة ۳۴ھ

(۲) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۷ ج اول تحت تسمیة عمال عثمانؓ بن عفان۔

۲ہ (۱) مسند ابی یعلی الموصلی ص ۳۱۳-۳۱۴ جلد اول روایت ۶۴۱-۶۴۲ تحت مسندات طلحہؓ

(۲) اسد الغابة فی معرفة الصحابة لابن اثیر الجزری ص ۱۱۷ ج ۴ تحت عمرو بن العاصؓ

(۳) البدایة لابن کثیرؒ ص ۲۶ ج ۸ بحوالہ ترمذی تحت عمرو بن العاصؓ سنہ ۴۳ھ

"... واستعمله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عمان فلم یزل علیہا مدۃ حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقرہ علیہا الصدیق رضی" ؎۱

اسی طرح عہد نبوت کا ایک دیگر واقعہ محدثین نے ذکر کیا ہے اس سے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کا مقام دیانت اور اخلاص مزید واضح ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضؓ خود ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار (جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگی مہم پیش آئی تو) آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف فرمان دے کر آدمی بھیجا کہ عمرو بن العاص کو جا کر کہو کہ وہ اپنی تیاری کے ساتھ ہتھیار اور جنگی لباس پہن کر ہمارے پاس پہنچے۔

جناب عمرو بن العاص رضؓ کہتے ہیں کہ میں آنجناب صلعم کے ارشاد کے مطابق تیاری کر کے حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے۔ میرے حاضر ہونے پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم تجھے ایک خاص مہم پر بھیجنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں تجھے سلامت رکھے گا۔ اور مال غنیمت عنایت فرمائے گا۔ اور ہم اس مال میں سے تجھے بھی عنایت کریں گے۔

"... فقلت یا رسول اللہ! ما کانت ہجرتی للمال وما کانت الا للہ ولرسولہ قال نعما بالمال الصالح للرجل الصالح" رواہ فی شرح السنۃ وروی احمد نحوہ۔ وفی روایتہ نعم الصالح للرجل الصالح" ؎۲

اور بعض روایات میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ:۔

"..... قلت یا رسول اللہ! انی لم اسلم رغبۃ فی المال انما اسلمت رغبۃ فی الجہاد والکینونۃ معک قال یا عمرو نعما

؎۱ :۔ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ص ۲۵ ج ۸ تحت سنۃ ۴۳ھ

؎۲ :۔ مشکوۃ شریف ص ۳۲۶ الفصل الثانی باب رزق الولاۃ وہدایاہم (طبع نور محمدی دہلی)

بالمال الصالح للمرء الصالح" علہ

یعنی عمرو بن العاصؓ نے جواباً عرض کیا یارسول اللہ! میں نے مال کے لیے ہجرت نہیں کی بلکہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضامندی اور جہاد کے لیے ایمان لایا اور ہجرت کی۔

بقول بعض روایات میں نے اس لیے ہجرت کی تھی کہ مجھے جنابؐ کی معیت نصیب رہے۔

تو آنجناب صلعم نے فرمایا کہ اے عمرو! پاک اور حلال مال نیک اور صالح شخص کے لیے عمدہ ہوتا ہے۔

اسی طرح مسند امام احمدؒ میں دور نبوت کا ایک واقعہ درج ہے۔ وہ بھی قابل لحاظ ہے۔

ایک بار سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دو شخص اپنا ایک تنازعہ (کیس) لے کر حاضر ہوئے۔ اتفاقاً عمرو بن العاصؓ وہاں موجود تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ ان متخاصمین کے درمیان تنازعہ کا فیصلہ تم کرو۔

تو عمرو بن العاصؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! اس معاملہ میں آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگرچہ میں زیادہ اولیٰ ہوں (پھر بھی تم ہی فیصلہ کرو)

اس پر عمرو بن العاصؓ نے (بطور استفادہ اور طلب وضاحت کے) عرض کیا کہ اگر میں ان کے مابین تنازعہ کا فیصلہ کروں تو یہ میرے لیے کس طرح سود مند ہوگا۔؟

تو ان کی اس گذارش پر بطور قاعدہ کے ارشاد نبوت صلعم ہوا کہ:۔

"......عن عبداللہ بن عمرو عن عمرو بن العاصؓ قال جاء

علہ (۱) فضائل صحابۃ لامام احمدؒ ص ۹۱۲ ج ۲ تحت عمرو بن العاصؓ

(۲) مسند امام احمدؒ ص ۱۹۷ ج ۴ تحت عمرو بن العاصؓ (طبع اول مصر)، روایت ہذا کا مضمون درج ذیل مقامات میں بھی ہے۔

(۳) مسند امام احمدؒ ص ۲۰۲ ج ۴ تحت بقیہ حدیث عمرو بن العاصؓ (طبع اول مصر)

(۴) موارد الظمآن ـــ نور الدین الہیثمی ص ۵۶۶ باب فضل عمرو بن العاصؓ

(۵) ادب المفرد للبخاری ص ۴۵ طبع مصر تحت المال الصالح للمرء الصالح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصمان یختصمان فقال لعمرو اقض بینھما یا عمرو! فقال انت اولی بذالک منی یا رسول اللہ! قال وان کان قال فاذا قضیت بینھما فمالی؟ قال ان انت قضیت بینھما فاصبت القضاء فلک عشر حسنات وان انت اجتھدت فاخطات فلک حسنۃ [علہ]

یعنی اگر تم نے ان کے مابین درست اور صحیح فیصلہ کیا تو تمہارے لیے دس نیکیاں ہوں گی اور اگر تم نے اپنے اجتہاد میں خطا کی تو پھر بھی تمہارے لیے ایک نیکی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مندرجات بالا سے واضح ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نبوت میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک نہایت صالح مخلص اور دیانتدار شخص تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے دو متخاصمین کے تنازعہ کا فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا اور بطور ترغیب ساتھ ہی قضاء کا قاعدہ فہمائش فرمایا۔

یہ چیزیں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طبعی صلاحیت اور دینی وثاقت پر دال ہیں۔ یہ بزرگ بارگاہِ نبوت سے ہدایت یافتہ اور بکمال اخلاص کی سند یافتہ تھے۔ عہد نبوت میں ان پر پورا پورا اعتماد کیا جاتا تھا اور ان میں خدع و نفاق ہرگز نہیں تھا۔

نیز اکابر تابعین میں سے ایک بزرگ قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ ہیں وہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم نشین رہے۔ وہ ان حضرات کی ہمنشینی کے تاثرات اپنی ایک روایت میں ذکر کرتے ہیں جس سے ان حضرات کی کمال دیانت اور بکمال اخلاص اور دینی وثاقت ثابت ہوتی ہے۔ قبیصہ بن جابر فرماتے ہیں کہ:-

"...... قال صحبت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فما رأیت رجلاً اقرأ لکتاب اللہ و لا افقہ فی دین اللہ ولا احسن مداراۃ منہ وصحبت طلحۃ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ فما رأیت رجلا اعطی لجزیل عن غیر مسئلۃ منہ وصحبت معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فما رأیت رجلا اثقل حلما منہ وصحبت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فما رأیت رجلا ابین او قال انصح ظرفا منہ ولا اکرم

علہ:- مسند امام احمد ص ۲۰۵ ج ۴ تحت بقیہ حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (طبع مصر)

جليسا ولا اشبه سريرة بعلانية منه .... الخ" علہ

یعنی میں عمر فاروقؓ کی صحبت میں رہا وہ اللہ کی کتاب کے بہت قاری اور اس کے دین کے بڑے فقیہ تھے بڑی عمدہ خاطر و مدارت کرنے والے تھے ان صفات میں حضرت عمر فاروقؓ سے بہترین میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور طلحہ بن عبید اللہؓ کا میں ہم نشین رہا وہ سوال کیے بغیر بہت کچھ عطا کیا کرتے تھے اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کی خدمت میں بھی رہا ہوں میں نے ان سے بہتر حلیم الطبع کوئی شخص نہیں دیکھا۔ پھر قبیصہ بن جابرؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی مصاحبت میں رہا ہوں تو میں نے ان کا ظرف نہایت خالص اور ظاہر پایا یہ بڑے باعزت اور شریف ہمنشین تھے ان کا باطن ظاہر کے بالکل موافق اور مشابہ تھا۔ (صاحب اخلاص تھے ان میں نفاق نہیں تھا)

مندرجہ بالا امور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تحکیم کے ثالث اور فیصل حضرات "ایماندار" "دیانندار" اور صاحب اخلاص تھے۔ ان میں غداری اور بدنیتی نہ تھی یہ حضرات نفاق سے دور تھے۔ امت کے مصالح ان کے پیش نظر تھے۔ انہی دیانتدارانہ رائے کی بنا پر انہوں نے اپنی اپنی فریق کی جانب سے نمائندگی کی۔ کسی حیلہ اور مکر کی بنا پر انہوں نے یہ معاملہ نہیں کیا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ تحکیم کے مسئلہ میں اجتہاد فکر کی بنا پر رائے میں اختلاف واقع ہوا تھا جو دوسری فریق نے تسلیم نہیں کیا اس وجہ سے یہ حضرات کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچ سکے اور معاملہ تحکیم ناکام رہا۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ:۔ "المجتهد قد یخطی ویصیب" یعنی مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا اور صواب دونوں کا محتمل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہ حضرات اس مقام میں قابل اعتراض اور مورد طعن نہیں۔ اور اگر یہ چیز پیش نظر رکھی جائے کہ:۔ "ما شاء الله كان وما لم يشاء لم يكن" اور "وما تشاؤن الا ان يشاء الله" تو اس نوع کا تردد دور ہو جاتا ہے۔

علہ:۔ (۱) تاریخ بلدۃ دمشق لابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۵۲۶ ج ۱۳ تحت عمرو بن العاصؓ

(۲) تاریخ الاسلام للذہبیؒ ص ۲۳۹ ج ۲ تحت تذکرہ عمرو بن العاصؓ

(۳) الاصابۃ لابن حجر العسقلانی ص ۳۰۲ ج ۳ تحت عمرو بن العاصؓ (مختصراً)

چند اہم مباحث اور ازالہ شبہات

گزشتہ اوراق میں "واقعہ صفین" کا ایک مختصر سا خاکہ تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے پیش کیا۔ ہے تاریخ اسلام میں یہ واقعہ اپنی نوعیت میں ایک بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کے وقوع کے بعد اسلامی تاریخ میں کئی اور پیچیدہ مسائل پیدا ہوئے معترضین نے مطاعنِ صحابہؓ کے لیے اس سے ایک مستقل دستاویز تیار کی۔ اعداءِ اسلام نے طعن و تشنیع کے لیے اس کو ہدف بنا لیا اور مخالفینِ صحابہؓ نے طعنہ زنی کی خاطر اس کو زینہ قرار دیا۔

—— حقیقت یہ ہے کہ بندوں کی تدبیر پر خدا تعالیٰ کی تقدیر غالب رہتی ہے۔ "جمل وصفین" کے واقعات جن حالات میں پیش آئے ہیں۔ ان کے صحیح حالات کو منقح کر لینا ہمارے لیے "محالات عادیہ" میں سے ہے اور ان کے تکوینی حکم و مصالح کو دریافت کر لینا ہمارے دائرہ اختیار سے بالاتر ہے۔

اکابرین امت کی ہدایات کی روشنی میں ان واقعات کے متعلق چند "مباحث" درج کیے جاتے ہیں جو ان اکابر صحابہ کرامؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوءظنی رفع کرنے اور بدظنی دفع کرنے میں مفید ہوں گے اور مقام صحابہ کرامؓ کے تحفظ کے لیے سودمند ثابت ہوں گے۔ (بعون اللہ تعالیٰ)

نیز ان مباحث کے ساتھ ساتھ کچھ ازالہ شبہات کا سلسلہ بھی قائم کیا گیا ہے تاکہ ان مواقع میں پیش آمدہ اعتراضات کا ازالہ برموقعہ ہو سکے اور ان کے لیے کوئی الگ فصل قائم کرنے کی حاجت نہ رہے۔

گشتی مراسلہ

اس سلسلہ میں ہم بطور تمہید ومبادی کے اولاً حضرت علی المرتضیٰؓ کا وہ فرمان درج کرتے ہیں جس میں خود انہوں نے اہل صفین کے ساتھ ما بہ الاختلاف مسئلہ کی نوعیت واضح کردی ہے اور اس میں کوئی خفا باقی نہیں چھوڑا۔ حضرت مرتضیٰ کا ایک گشتی فرمان بالفاظ ذیل مذکور ہے اور شیعہ کی معتمد کتب میں منقول ہے۔

"... وکان بدؤ امرنا انّا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربّنا واحدٌ ونبیّنا واحدٌ ودعوتنا فی الاسلام واحدة لانستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ولایستزیدوننا۔ الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء۔" [1]

---

[1] نہج البلاغۃ ص ۱۴۳ ج ۲ تحت ومن کتاب لہ علیہ السلام کتبہٗ الی اھل الامصار یقتصّ فیہ ماجری بینہ وبین اھل صفین۔ طبع مصری۔

(۲) شرح نہج البلاغۃ لابن میثم البحرانی جلد خامس طبع تہران۔ ص ۱۹۴ ج ۵ خطبہ ۵۷

(۳) شرح نہج البلاغۃ (الدرة النجفیة) ص ۳۴۴ طبع قدیم من کلام لہ علیہ السلام الی اھل الامصار یقتص فیہ ماجری الخ

حاصل یہ ہے کہ جناب مرتضیٰؓ نے جو چٹھی اپنے ملوکہ شہروں کی طرف لکھ کر ارسال تھی اس میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان واقعات کو ذکر کیا ہے جو ان کو صفین میں پیش آئے آپ نے فرمایا کہ ابتدا ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم لوگ اور شام کے لوگ (ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کے لیے) جمع ہوئے حالانکہ واضح بات ہے کہ ہم دونوں (قوموں) کا رب ایک اور ہم دونوں کے نبی ایک ہیں۔ ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک ہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں پس ان کا اور ہمارا تمام (دینی معاملہ) بالکل ایک جیسا ہے لیکن خون عثمان کے بارے میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہو گیا ہے۔ حالانکہ ہم اس سے بری ہیں الخ

گشتی مراسلہ ہذا کے ذریعے مسئلہ واضح ہو گیا کہ :۔

(۱) اہل صفین (حضرت معاویہؓ و جماعت معاویہؓ) کا اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا اور ان کی جماعت کا اختلاف مذہبی نہ تھا بلکہ دونوں فریق کا مذہب ایک تھا دونوں جماعتیں مسلمان و مومن تھیں اور دونوں کی دعوت دینی ایک تھی۔

(۲) تصدیق ایمانی میں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے فائق نہیں تھا دونوں یکساں اور برابر تھے اور دونوں کامل الایمان تھے کوئی ناقص الایمان نہ تھا۔

(۳) صرف ایک سیاسی مسئلہ باعث اختلاف تھا یعنی دم عثمانؓ کے معاملہ میں باہمی وقتی نزاع درپیش تھا اس میں آپ نے فرمایا ہم خون عثمانؓ سے بری ہیں۔

مراسلہ ہذا کے ذریعہ بہت سے شبہات خود بخود مرتفع ہو جاتے ہیں۔ تاہم ان تمہیدی اشیاء کے بعد اب اصل مباحث چند عنوانات کی صورت میں پیش خدمت ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں

(۱)

اظہارِ تأسف

واقعہ ہذا پر اکابرین حضراتؓ کی جانب سے اظہارِ تأسف پایا جاتا ہے۔ یہ قتال ان حضرات کے درمیان ضرور واقع ہوا ہے لیکن کئی غلط فہمیاں حائل تھیں جن کی بنا پر غیر اختیاری حالات پیدا ہوئے اور قتال تک نوبت پہنچی۔ یہ حضرات اس واقعہ پہ نہایت کبیدہ خاطر اور نادم تھے اور اس کے وقوع پر ہر دو فریق نہایت متأسف و محزون تھے۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایات اس نوع کی کبار علماء نے نقل کی ہیں۔ ایک موقعہ پر جناب امام حسن نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے یوم صفین میں سنا آپ فرماتے تھے۔

(۱) ۔۔۔۔۔ یالیت امی لم تلد نی ولیت انی مت قبل الیوم۔[1]

"یعنی (حضرت علی المرتضیٰ نے پریشانی کے عالم میں فرمایا) کاش کہ مجھے میری ماں نے جنم نہ دیا ہوتا اور کاش کہ میں اس روز سے قبل فوت ہو گیا ہوتا۔"

اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر ایام صفین میں جب آپ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو فیصلہ کرنے کے لیے اپنی جانب سے حکم تجویز کر کے روانہ کرنے کا قصد فرمایا تو اس مقام پر حضرت

---

[1] (۱) التاریخ الکبیر للامام البخاریؒ ص ۳۸۴ ج ۳ قسم ثانی۔ طبع دکن۔

(۲) کتاب السنۃ للامام احمدؒ ص ۱۹۶ طبع اول مکہ مکرمہ۔

علی المرتضیٰؓ کی ایک اضطرابی کیفیت علماء نے نقل کی ہے۔ چنانچہ محدث ابن ابی شیبہؒ نے اس واقعہ کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے۔

(۲) ۔۔۔۔ عن سلیمان بن مھران قال حدثنی من سمع علیاً یوم صفین وھو عاض علی شفتیہ لو علمت ان الامر یکون ھکذا ما خرجت۔ اذھب یا ابا موسیٰ فاحکم ولو خر عنقی۔" لہ

یعنی سلیمان بن مہران کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے صفین کے موقعہ پر خود حضرت علی المرتضیٰؓ سے سنا تھا۔ اس وقت آپ کی اضطرابی کیفیت یہ تھی کہ آپؓ اپنے لب مبارک کو زیر دنداں کرتے تھے اور فرماتے اگر اس معاملہ کے متعلق مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہاں تک پہنچے گا تو بس اس کے لیے خروج ہی نہ کرتا۔

حضرت ابو موسیٰؓ کے حق میں فرمان دیا کہ آپؓ تشریف لے جائیں اور فیصلہ کریں اگرچہ اس میں مجھے خسارہ ہو۔"

حضرت علی المرتضیٰؓ کا اسی طرح کا ایک فرمان کتاب الآثار میں امام ابو یوسف نے نقل فرمایا ہے اور اس میں بھی حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو اپنی جانب سے حکم مقرر فرماتے ہوئے کہا کہ: "خلصنی منھا ولو بعرق رقبتی" ٢ہ

جس کا مفہوم یہ ہے کہ "مجھے اس معاملہ سے نجات دلائیے خواہ مجھے اس میں نقصان اٹھانا پڑے"۔

یہ علویؓ فرامین اظہار تأسف کے طور پر حضرت علی المرتضیٰؓ سے صادر ہوئے ہیں یہاں

لہ (۱) المصنف لابن ابی شیبۃ (قلمی پیر جھنڈا) ص ۱۳۱ ج ۱۰ کتاب الجمل۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۳ طبع کراچی جلد ۱۵ روایت ۱۹۶۹۸ تحت کتاب الجمل۔

٢ہ کتاب الآثار امام ابی یوسفؒ ص ۲۰۸ روایت ۹۲۹ طبع بیروت (لبنان)

حضرات کے تقویٰ اور دیانت اور خشیہ الٰہی کے غلبہ پر محمول ہیں۔ یہ کسی جرم کے ارتکاب کے بعد اس پر ندامت پر دلالت نہیں کرتے۔

نیز مندرجہ بالا فرامین علوی ؓ کا محمل اور موقف جو تجویز کیا گیا ہے بعینہٖ اسی نوع کی اضطرابی کیفیت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ پر بعض اوقات طاری ہوتی تھی اور آں موصوفہ بھی واقعہ جمل پر اظہار تاسف اور گریہ فرماتی تھیں تو وہ کسی جرم کے ارتکاب کی تلافی پر ایسا نہیں کرتی تھیں بلکہ ان کا یہ فعل کمال اتقا اور خشیت الٰہی کے غلبہ کی بنا پر تھا۔ اس چیز کو قبل ازیں بعد از جمل کے مباحث (بعض شبہات اور ان کا ازالہ) میں نقل کیا گیا ہے۔

۲

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں نے اس مقام میں یہ طعن قائم کیا ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے دونوں فریق کے باہم قتال ذاتی عناد اور جماعتی عداوت کی بنا پر واقع ہوئے۔ ان حضرات کے درمیان دیرینہ عداوت تھی اور ایک دوسرے کے خلاف ان کے سینے کینہ و بغض سے پُر تھے اور دنیاوی اغراض ان کے پیش نظر تھیں۔ اس بنا پر انہوں نے یہ جمل و صفین کی جنگیں لڑیں اور اہلِ اسلام میں عظیم فساد قائم کر دیا۔

ازالہ

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں ہم چند امور پیش کرتے ہیں ان پر نظر غائر فرما لیں انشاء اللہ تعالیٰ شبہات بالا دور ہو جائیں گے صرف انصاف شرط ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے اول حضرت علی المرتضیٰ کے چند فرامین اور ان کی جماعت کے اکابر حضرات کے اس موقعہ کے فرمودات ایک ترتیب سے ذکر کیے جاتے ہیں۔

اور اس کے بعد فریق ثانی کی طرف سے چند چیزیں پیش کی جائیں گی جو اپنی جگہ پر اس شبہ

کے ازالہ کا باعث ہوں گی۔

اوّل: سیدنا علی المرتضیٰؓ ایک شخص کے جواب میں جو آپ کے مقابلین کے حق میں غلو کرتے ہوئے ان کی طرف کفر کی نسبت کر رہا تھا۔ یعنی سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے مقابلین کو کافر کہہ رہا تھا۔ تنبیہ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ ایسا مت کہو بلکہ ان کے حق میں کلمہ خیر ہی کہو تحقیق ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی۔ اور ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارا آپس میں کفر اور اسلام کا اختلاف نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے دین الگ الگ ہیں بات صرف اتنی ہے کہ انہوں نے گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف تجاوز کیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے حقوق سے تجاوز کیا ہے اس نقطہ نظر پر ہم نے ایک دوسرے کے خلاف قتال کیا۔

(۱) ۔۔۔۔۔ حدثنا ابو زرعۃ عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال سمع علیؓ یوم الجمل او یوم صفین رجلاً یغلوانی فی القول یقول الکفر۔ قال لا تقولوا فانھم زعموا انا بغینا علیھم و زعمنا انھم بغوا علینا۔" [1]

(۲) ۔۔۔۔۔ قال اسحٰق بن راھویہ حدثنا ابو نعیم حدثنا سفیان عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال سمع علیؓ یوم الجمل او یوم صفین رجلاً یغلوا فی القول۔ فقال لا تقولوا الا خیراً انما ھم قوم زعموا انا بغینا علیھم و زعمنا انھم بغوا علینا فقاتلناھم [2]

---

[1] تاریخ لابن عساکر کامل صفحہ ۳۲۹ ج ۱ طبع دمشق۔

[2] (۱) منہاج السنۃ لابن تیمیہ ص ۶۱ ج ۳ تحت الکلام دلما قال اسلف ان اللہ

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

نیز اسی طرح بعض دیگر روایات میں یہی سوال حضرت علی المرتضیٰؓ سے منقول ہے کہ کیا اہلِ بغاوت (جمل وصفین والے) مشرک ہیں ؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ یہ لوگ تو شرک سے فرار کر کے مسلمان ہوئے یہ کیسے مشرک ہیں ؟ پھر سوال کیا گیا کہ کیا یہ لوگ منافق ہیں ؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ منافق لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں (یہ لوگ تو کثرت سے ذکر کرنے والے ہیں) پھر سوال کیا گیا کہ پھر ان کا کیا حکم ہے اور یہ لوگ کس درجہ میں ہیں ؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے خلاف انہوں نے بغاوت کی ہے[1]

مسئلہ ہذا پر شیعہ کی طرف سے تائید

(۱) اور شیعہ اکابر نے اپنے ائمہ کرام سے حضرت علی المرتضیٰؓ کا یہ فرمان بعبارت ذیل نقل کیا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

------ جعفر عن ابیه (محمد باقر) ان علیاً علیه السلام لم یکن ینسب احداً من اهل حربه الی الشرك ولا الی النفاق ولکن یقول هم اخواننا بغوا علینا۔[2]

یعنی جعفر صادق حضرت محمد باقر سے حضرت علیؓ کا نظریہ نقل کرتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ اپنے محاربین کے حق میں شرک اور نفاق کی نسبت نہیں کرتے تھے لیکن یوں فرماتے تھے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی۔

(بقیہ حاشیہ) امر بالاستغفار لاصحاب محمد...... الخ

(۲) المنتقیٰ للذہبی ص۳۳۵۔

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص۱۰۱۳ ج۴ قلمی پیر جھنڈا (باب الجمل)

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۷۳ ج۸ کتاب قتال اہل البغی

(۳) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص۳۲۴ ج۱۶ تحت آیت فاصلحوا بین اخویکم (سورۃ حجرات پ۲۶)

[2] قرب الاسناد لعبد اللہ بن جعفر الحمیری الشیعی ص۴۵ طبع قدیم۔

(۲) اسی طرح امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ :

"...... جعفر عن ابیہ ان علیاً علیہ السلام کان یقول لاھل حربہ انا لم نقاتلھم علی التکفیر لھم ولم نقاتلھم علی التکفیر لنا۔ ولکنا رأینا انا علی حق ورأوا انھم علی حق" [1]

مطلب یہ ہے کہ حضرت امام محمد جعفر صادق امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابلین کے حق میں فرماتے تھے کہ ہم ان سے ان کی تکفیر کی بنا پر قتال نہیں کر رہے اور نہ ہی ان سے اس وجہ سے قتال کر رہے ہیں کہ وہ ہماری تکفیر کرتے ہیں (یہ بات نہیں) بلکہ بات یہ ہے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یقیناً وہ حق پر ہیں۔
حاصل یہ ہے کہ ان کا اور ہمارا قتال کفر اسلام کی وجہ سے نہیں بلکہ حق ہونے اور ناحق ہونے پر ہے۔

گزشتہ اوراق میں ہر ایک فریق کا اپنا اپنا موقف گذر چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اصرار تھا کہ پہلے بیعت خلافت تمام کی جائے بعد میں مطالبات (قصاص وغیرہ) پیش کیے جائیں۔

فریق مقابل (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا احباب) کا مطالبہ تھا کہ خلیفہ شہید رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ اہم ہے اس کو پہلے حل کیا جائے مفسدین آپ کے گروہ میں موجود ہیں۔ اس لیے پہلے انہیں پکڑیں اس کے بعد بیعت ہوگی۔

دوم : اسی طرح ایک دوسرا واقعہ اس موقع میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں پیش آیا۔ ایک دن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ تشریف لا رہے تھے تو اس وقت ایک شخص عدی بن حاتم طائی بھی آپ کے ہمراہ تھا انہوں نے بنی طے کے ایک

---

[1] قرب الاسناد لعبد اللہ بن جعفر الحمیری من علماء القرن الثالث ص۴۵ طبع ایران

مقتول کو دیکھا جس کو حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت نے قتل کر ڈالا تھا تو عدی بن حاتم کہنے لگا کہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ یہ بے چارہ کل مسلمان تھا اور آج کافر مرا پڑا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ کلام سن کر فرمایا کہ ایسا نہ کہو یہ کل بھی مومن تھا اور آج بھی مومن ہے۔

(۱) ۔۔۔۔۔۔ عن سعد بن ابراهیم قال خرج علی بن ابی طالب ذات یوم و معه عدی بن حاتم الطائی فاذا رجل من طئ قتیل قد قتله اصحاب علیؓ فقال عدی یا ویح هذا کان امس مسلماً والیوم کافراً فقال علیؓ مهلاً کان امس مؤمناً و هو الیوم مؤمن"[1]

(۲) ایک دیگر مقام میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت نے آنجنابؓ سے اصحاب معاویہؓ کے مقتولین کے متعلق سوال کیا کہ ان کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مومن ہیں (ان پر کفر کا اطلاق درست نہیں)

۔۔۔۔ محمد بن راشد عن مکحول ان اصحاب علیؓ سألوه عن من قتلوا من اصحاب معاویةؓ قال هم المؤمنون وفی روایة سئل عن من قتل بصفین ما هم؟؟ قال هم المؤمنون"[2]

---

[1] (۱) تاریخ لابن عساکر کامل ص ۳۳۰ جلد اول طبع دمشق۔
(۲) تلخیص ابن عساکر لابن بدران ص ۷۳ جلد اول۔

[2] (۱) تاریخ لابن عساکر کامل ص ۳۳۰ جلد اول۔
(۲) منہاج السنۃ لابن تیمیۃ ص ۶۱ جلد ۳۔
(۳) المنتقیٰ للذہبی ص ۳۲۵ طبع مصر

سوم : نیز اس مقام میں حضرت عمار بن یاسرؓ کا قول اپنے مقابلین اہلِ شام کے حق میں اکابر علماء نے ذکر کیا ہے کہ : ایک شخص نے اہلِ شام کے حق میں کفر کی نسبت کی اور ان کو کافر کہنے لگا تو حضرت عمارؓ نے سن کر ارشاد فرمایا کہ ایسا مت کہو کیونکہ ان کے اور ہمارے نبیؐ ایک ہیں ان کا اور ہمارا قبلہ ایک ہے (یعنی ہم دونوں فریق اہلِ اسلام میں سے ہیں) لیکن بات یہ ہے کہ وہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو کر امرِ حق سے متجاوز ہو چکے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے ساتھ قتال کریں تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

"۔۔۔۔ عن زیاد بن الحارث قال کنت الی جنب عمار بن یاسرؓ بصفین و رکبتی تمس رکبتہ فقال رجل کفر اھل شام فقال عمار لا تقولوا ذالك نبینا و نبیھم واحد و قبلتنا و قبلتھم واحدۃ و لکنھم قوم مفتونون حادوا عن الحق۔ فحق علینا ان نقاتلھم حتی یرجعوا الیہ۔" لہ

مندرجہ بالا چیزیں قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب "مسئلہ اقربانوازی" ص۱۶۷ تا ص۱۷۹ تک سیدنا معاویہؓ کے حالات میں ذکر کی ہیں اور یہاں کچھ مزید حوالے اضافہ شدہ ہیں اور عنوانات دوسرے طریق سے مرتب کئے ہیں۔ یہ ایک فریق کے متعلق چیزیں نقل کی ہیں۔ آئندہ سطور میں فریقِ مقابل کی چند چیزیں درج کی جاتی ہیں۔

لہ (۱) المصنف لابن ابی شیبۃ ص۲۹۰ ج۱۵ طبع جدید کراچی روایت ۱۹۶۸۷ تحت کتاب الجمل۔

(۲) منہاج السنۃ لابن تیمیۃ ص۶۱-۶۲ ج۳۔

(۳) فتح الباری شرح بخاری شریف ص۴۳ ج۱۳ تحت کتاب الفتن۔ طبع قدیم مصر۔

فریق مقابل کے متعلق حضرت امیر معاویہؓ کے تأثرات

ذیل میں چند چیزیں ایسی ذکر کی جاتی ہیں جو اس بات پر قوی قرائن ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان یہ قتال اور نزاعات بنا بر عناد نہیں تھے بلکہ اپنے اپنے نظریات کے تحت یہ امور صادر ہوئے۔ لیکن جانبین ایک دوسرے کے حق میں نیک نیت تھے ان میں کوئی گروہی عداوت قائم نہیں تھی اور یہ حضرات ایک دوسرے کے حق میں کینہ ور نہیں تھے۔ مثلاً :-

① مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب ابو درداءؓ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان ہر دو فریق کے درمیان رفع نزاع کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت معاویہؓ نے ان دونوں بزرگوں کو فرمایا تھا کہ :-

"قاتلین عثمان کے قصاص کے مسئلہ میں نزاع ہے اور ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی جماعت میں پناہ لے رکھی ہے۔ حضرت علیؓ ان سے اگر قصاص دلا دیں تو اہل الشام میں سے پہلا شخص ہوں گا جو حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت کروں گا۔"

"...... فقولا له فليقدنا من قتلة عثمان ثم أنا اول من بايعه من اهل الشام"[1]

یہ مسئلہ قبل ازیں اپنے مقام میں ذکر ہو چکا ہے تاہم یہاں ایک دوسرے مقصد کے لیے درج کیا گیا۔

② نیز علماء نے اسی نوعیت کا ایک دوسرا واقعہ لکھا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰؓ

---

[1] البدایہ ج سابع ص ۲۵۹ تحت ۳۷ھ۔

اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان قتال جاری تھا اور واقعہ تحکیم تک نوبت نہیں پہنچی تھی تو شاہ روم نے ان جنگی حالات پر نظر کرتے ہوئے اہل اسلام پر حملہ کر دینے کی تیاری کی اور موقع کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں پر حملہ کے لیے ایک عظیم لشکر جمع کیا۔

ادھر حضرت معاویہؓ کو شاہ روم کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے شاہ روم کو خط لکھا کہ:

...... واللہ لئن لم تنتہ وترجع الی بلادك یالعین!

لاصطلحن انا وابن عمی علیك ولاخرجنك من جمیع

بلادك ولاضیق علیك الارض بما رحبت فعند ذالك

خاف ملك الروم وانكف وبعث یطلب الھدنۃ[1]

یعنی حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! اگر تو اس اقدام سے نہیں رکے گا اور اپنے بلاد کی طرف واپس نہیں لوٹ جائے گا تو اے لعین! میں اور میرے چچا کے بیٹے تیرے خلاف باہم صلح کر لیں گے اور میں تجھے تیری آبادیوں سے نکال دوں گا اور زمین کے فراخ ہونے کے باوجود تم پر اسے تنگ کر دوں گا۔

تو اس کے بعد بادشاہ روم نے خوف کھایا اور اپنے اقدام سے رک گیا اور قاصد بھیج کر صلح کا طلب گار ہوا۔

(۳) اسی طرح ایک اور واقعہ مقصد مذکور پر دلالت کرتا ہے یہ واقعہ اگرچہ حضرت علی المرتضیٰ کی شہادت کے بعد کا ہے تاہم مقصد کے لیے مفید ہے یعنی ایک فریق کے دوسرے کے حق میں نظریات واضح ہوتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اطلاع حضرت معاویہؓ کی خدمت میں موصول ہوئی تو حضرت معاویہؓ بے ساختہ گریہ کرنے لگے۔ ان کی اہلیہ ان کے

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۱۱۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ۔

پاس موجود نہیں وہ کہنے لگیں کہ آپ حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ برسرِ پیکار رہے ہیں اور اب رونے لگے ہیں تو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی اہلیہ پر کلمہ ترحم کہنے بعد یوں فرمایا کہ تو نہیں جانتی کہ اہل اسلام کا فضیلت، فقہ اور علم میں کس قدر نقصان ہوا ہے؟ اور کیسی گراں قدر ہستی سے قوم محروم ہو گئی۔

"۔۔۔۔ لما جاء خبر قتل علیؓ الیٰ معاویۃ جعل یبکی فقالت لہٗ امرأتہٗ أتبکیہ وقد قاتلتہ؟ فقال ویحک! انک لا تدرین ما فقد الناس من الفضل والفقہ والعلم" [1]

(۴) اب ایک اور واقعہ گزشتہ مسئلہ کی تائید میں مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔ یہ ضرار الصدائی کا واقعہ ہے جو شیعہ علماء نے بھی تفصیل سے لکھا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے خاص حمایتی لوگوں میں سے ضرار الصدائی ایک شخص تھا حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ علی المرتضیٰؓ کے آپ اوصاف بیان کریں۔ تو وہ کہنے لگا کہ اگر آپ اس مسئلہ سے مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا۔ تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو ضرور بیان کرے۔ پس ضرار نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے اوصاف بیان کرنا شروع کیے۔ حضرت معاویہؓ سن کر رونے لگے حتیٰ کہ اتنا روئے کہ ان کی ریش مبارک تربتر ہو گئی۔

۔۔۔۔ وکان ضرار من اصحابہ (علی) علیہ السلام فدخل علی معاویۃ بعد موتہ فقال: صف لی علیاً فقال اوتعفینی عن ذالک فقال واللہ لتفعلن فکلم

---

[1] البدایہ ص۱۳۰ ج۸ تحت ترجمہ معاویہؓ وذکر شیئ من ایامہ ودولتہ۔

بهذا الفصل فبكى معاوية حتى اخضلت لحيته [1]

ضرار الصدائی کا یہ واقعہ استیعاب لابن عبدالبر وغیرہ میں اہل السنۃ کے ہاں بھی دستیاب ہوتا ہے۔ [2]

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ سابقہ سطور میں دونوں فریق کی جانب سے چند ایک چیزیں نقل کی ہیں اور اس نوع کے واقعات مزید بھی تاریخ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔

یہ تمام چیزیں اس بات پر قرائن ہیں کہ ان ہر دو حضرات (حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ) کے درمیان مذکورہ جنگ و جدال جو واقع ہوئے ہیں وہ بنا بر عناد اور فساد نہیں تھے بلکہ صرف غلط فہمیوں پر مبنی تھے (جیسا کہ اس بحث کی ابتداء میں ہم نے ذکر کیا ہے) اور وقتی مسائل کے تحت اپنے اپنے نظریات کے موافق واقع ہوئے اور ختم ہو گئے۔

لیکن صاحب عناد راویوں اور زائغ عن الحق ناقلین نے ان چیزوں کو دوامی کینہ و عداوت کی شکل دینے کی مذموم کوشش کی ہے۔

اب اس بحث کے آخر میں علماء سیرت و محدثین اور مؤرخین کے وہ اقوال ذکر کیے جاتے ہیں جن سے اصل مسئلہ واضح ہوتا ہے اور وارد کردہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔

(۱) ------ فیما کان بینهم من الفتن کما وقع بین علیؓ و معاویةؓ رضی الله عنهم احسن التاویلات والمحامل

---

[1] (۱) درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ ص ۳۲۶ طبع ایران (قدیم طبع)۔ (شیعہ)

(۲) شرح نہج البلاغہ لابن میثم البحرانی ص ۲۷۶ ج ۵ طبع تہران۔ (شیعہ)

(۳) شرح نہج البلاغہ حدیدی طبع بیروت ص ۲۷۴-۲۷۵ ج ۴ تحت ذکر من خبر ضرار بن حمزہ الضبائی لمعاویة عند دخولہ علی معاویةؓ۔

[2] الاستیعاب لابن عبدالبر ص ۴۳ ج ۳ تحت تذکرہ علی بن ابی طالب۔

لانّھا امورٌ وقعت باجتھاد منھم لا لاغراض النفسانیة ومطامع دنیویة کما یظنّہ الجھلة ؂[1]

یعنی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے دور فتن میں جو واقعات پیش آئے ان کے لیے عمدہ تاویل اور بہتر محمل قائم کیا جاتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات ان کے اجتہاد کی بنا پر ان سے صادر ہوئے تھے۔ کسی نفسانی اغراض کی خاطر اور دنیاوی طمع و حرص کے لیے نہیں واقع ہوئے تھے جیسا کہ جاہل مجہول لوگوں نے گمان کر رکھا ہے۔

(۲) مشہور مؤرخ ابن خلدون فرماتے ہیں:

۔۔۔۔۔ ولما وقعت الفتنة بین علیؓ ومعاویة وھی مقتضی العصبیّةِ کان طریقھم فیھا الحق والاجتھاد ولم یکونوا فی محاربتھم لغرض دنیویٍّ اولا یثار باطلٍ اولا ستشعار حقدٍ کما قد یتوھمہ متوھم وینزع الیہ ملحد۔" ؂[2]

یعنی جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان فتنہ واقع ہوا اور یہ عصبیّت کا مقتضیٰ تھا تو ان کا طریقہ اس معاملہ میں تلاش حق کی خاطر تھا اور بطور اجتہاد تھا۔ اور دنیاوی غرض کے لیے ان کے درمیان یہ محاربات نہیں تھے اور کسی باطل چیز کو ترجیح دینے کے لیے بھی نہیں تھے اور نہ ہی کینہ و بغض کی بنا پر تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو اس بات کا وہم ہوا ہے اور ملحد اس کو باطل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء شہاب الدین الخفاجی ص۴۶۷ ج۳ تحت فصل ومن توقیرہٖ وبرہٖ توقیر اصحابہٖ الخ (مطبوعہ مطبع عثمانیہ) ترکی۔

[2] المقدمہ ابن خلدون ص۲۶۴ تحت انقلاب الخلافة الی الملک (طبع بیروت)۔

(۳)

"لعن وسبّ اہلِ شام سے منع"

فریقِ مقابل کے حق میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات میں مزید چند چیزیں قابلِ ذکر ہیں جو اکابر علماء اور مؤرخین نے تحریر کی ہیں وہ یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

مثلاً حضرت علیؓ کی خدمت میں اپنے مقابلین اہل الشام کا جب بھی تذکرہ ہوتا تو ان کے حق میں آنجنابؓ سب وشتم اور لعن طعن کرنے سے لوگوں کو منع فرماتے اور اس کی وضاحت میں ارشاد فرماتے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ اہلِ شام میں چالیس ابدال ہوں گے۔ جب ان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرا قائم مقام ابدال بھیج دیتے ہیں ان کی برکات سے اللہ تعالیٰ بارشیں بھیجتے ہیں اور دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اہلِ شام سے عذاب پھیر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ مسند احمدؒ میں مروی ہے کہ:

(۱) ـــــ حدثنی شریح بن عبید قال ذکر اھل الشام عند علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھو بالعراق فقالوا العنھم یا امیر المؤمنین۔ قال لا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلاً کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلاً یسقی بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء ویصرف عن الشام بھم العذاب[۱]

[۱] (۱) مسند للامام احمدؒ ص۱۱۲ جلد ۱ تحت مسندات علیؓ۔

(۲) مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۲/۵۸۳ باب ذکر اھل الیمن والشام۔

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

(۲) اسی طرح جب یوم صفین میں ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ! اہل شام پر لعنت کر اور جناب مرتضیٰؓ کو علم ہوا تو آنجنابؓ نے ارشاد فرمایا کہ "اہل شام کو سب وشتم مت کرو۔ تحقیق شام میں ابدال ہیں ابدال ہیں ابدال ہیں۔

"۔۔۔۔عن عبد اللہ بن صفوان قال قال رجل یوم صفین اللّٰھم العن اھل الشام فقال علیؓ: لا تسب اھل الشام جماً غفیراً فان بھا الابدال، فان بھا الابدال فان بھا الابدال۔"[1]

(۳) ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں منع سب کا ایک مستقل باب ذکر کیا ہے جس میں اس مسئلہ پر بہت سی باسند روایات درج کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت پیش خدمت ہے:

"۔۔۔۔عن الحارث بن حرمل عن علی بن ابی طالبؓ قال: لا تسبوا اھل الشام، فان فیھم الابدال۔"

اور کنز العمال میں ہے کہ:

"یا اھل العراق: لا تسبوا اھل الشام فان فیھم الابدال۔"[2]

بقیہ حاشیہ (۳) تہذیب وتلخیص ابن عساکر لابن بدران ص ۵۹ جلد اول تحت ان بالشام یکون الابدال۔

[1] (۱) المصنف لعبد الرزاق ص ۲۴۹ ج ۱۱ باب الشام

(۲) دلائل النبوۃ ص ۴۴۹ ج ۶ تحت ماجاء فی اخبارہ بملک معاویۃؓ (للبیہقی)

(۳) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ص ۲۰ ج ۸ "باب معاویۃ بن ابی سفیان وملکہ"

[2] (۱) تاریخ لابن عساکر کامل ص ۳۲۳ ج اول (طبع مجلس علمی دمشق) تحت باب النہی عن سب اھل الشام۔

(۲) کنز العمال ص ۱۵۸ ج ۶ قدیم طبع۔ دائرۃ المعارف۔ حیدرآباد۔ دکن۔ (بحوالہ ابن عساکر)

یعنی حارث بن حرمل حضرت علی المرتضیٰؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آنجنابؓ نے فرمایا اے اہل عراق! اہل شام کو سب وشتم مت کرو۔ تحقیق ان میں ابدال ہیں۔

کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" میں ہم نے یہ روایات درج کی ہیں۔ یہاں صفین کے مباحث کو صاف کرنے کے لیے یہ معین ہیں اس لیے ان کا اعادہ فائدہ مند سمجھا گیا ہے

شیعہ کی طرف سے تائید

حضرت علی المرتضیٰؓ کے کلام میں موجود ہے کہ "صفین" کے مقام میں آنجنابؓ نے اپنے ساتھیوں سے سنا کہ وہ جنگ صفین کے ایام میں اہل شام کو سب وشتم ولعن طعن کرنے لگے تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ میں تمھارے لیے سباب وطعان بننا مکروہ جانتا ہوں لیکن اگر تم لوگ ان کے اعمال اور احوال کو ذکر کرو تو یہ اچھی بات اور درست قول ہو گا اور عذر قابل قبول ہو گا۔ نیز سب وشتم کی بجائے آپ لوگوں کو ان کے حق میں یوں کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہم کو اور ان کو خونریزی سے محفوظ فرما اور ہمارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی اصلاح کی صورت پیدا فرما دے اور راستے سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو ہدایت نصیب فرما۔ حتیٰ کہ ناواقف آدمی حق بات کو پہچان لے اور تجاوز سے باز آجائے جو اس میں حرص کیے ہوئے ہے۔

چنانچہ نہج البلاغہ میں یہ مضمون بعبارت ذیل مذکور ہے۔

—— ومن کلام له علیه السلام وقد سمع قومًا من اصحابه یسبون اهل الشام ایام حربهم بصفین انی اکره لکم ان تکونوا سبابین ولکنکم لو وصفتم اعمالهم وذکرتم حالهم کان اصوب فی القول وابلغ فی العذر وقلتم مکان سبکم ایاهم

اللهم احقن دماءنا ودمائهم واصلح ذات بيننا وبينهم

واهدهم من ضلالتهم حتی یعرف الحق من جهله

ویرعوی عن الغی والعدوان من لهج به ‘‘ [1]

(۲) ۔ اسی طرح احمد بن داؤد (ابوحنیفہ الدینوری) الشیعی مؤرخ نے اپنی کتاب اخبار الطوال میں یہی فرمان مرتضوی مفصل طور پر ذکر کیا ہے جس میں حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت کو سب وشتم اور لعن طعن کرنے سے جناب مرتضیٰؓ نے منع فرمایا ہے اور اصلاح ذات البین کی ہدایت کی ہے اور ان کے حق میں دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔[2]

اتنی چیز ذکر کر دینا مناسب ہے کہ یہ فرمودات علوی قبل ازیں کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص۱۸۳ تا ص۱۸۷ پر بھی درج کئے گئے تھے لیکن یہاں ان مباحث میں ان کا اعادہ مفید ہے اور خصوصاً یہاں بعض ضروری چیزوں کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔

(۴)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

مخالفین کی جانب سے یہاں ایک یہ اعتراض بھی قائم کیا جاتا ہے جس کے ازالہ کے لیے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کی جماعت کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت پر سب وشتم اور لعن طعن کی بعض روایات کتابوں میں موجود ہیں۔

اور گزشتہ سطور میں آپ نے فرامین علوی میں بیشتر اقوال لعن وطعن اور سب وشتم

---

[1] نہج البلاغۃ ص۴۲۰ ج اول تحت من کلام لہ علیہ السلام فی النہی عن سب اہل الشام ۔ طبع مصر۔

[2] الاخبار الطوال للدینوری الشیعی ص۱۶۵ تحت وقعۃ الصفین ۔ طبع مصر۔

سے منع کے ذکر کئے ہیں۔ تو پھر ان میں تعارض کے رفع کی کیا صورت ہو گی؟ اور اس کا ازالہ کس طرح کیا جائے گا؟

الجواب

اس کے متعلق ذیل میں چند ضروری گزارشات درج کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر کر لینے سے اشتباہ مذکور زائل ہو جائے گا۔

اوّل ، یہ چیز قابلِ ذکر ہے کہ جن روایات میں حضرت علیؓ کے فریق مقابل (حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت) کو سب وشتم اور لعن طعن کیا گیا ہے وہ روایات از روئے قواعدِ فن درست نہیں ان کے راوی اور ناقلین مجروح اور مردود الروایت ہیں مثال کے طور پر اس نوع کی روایات کے راوی ابو مخنف (لوط بن یحییٰ) ابو جناب کلبی (یحیی بن ابی حیۃ) اور ہشام بن محمد بن السائب الکلبی وغیرہ وغیرہ ناقلین لعن طعن ہیں اور یہ لوگ علماء رجال کے نزدیک کذّاب، جھوٹے، مفتری اور شیعہ امامیہ ہیں۔

اور روایت میں اپنی طرف سے ملاوٹ اور آمیزش کرنے والے اور دروغ گوئی سے کام لینے والے ہیں۔ ان کی پوزیشن مندرجہ ذیل مقامات میں ملاحظہ فرمائیں نیز دیگر رجال کی کتب کی طرف بھی توجہ کریں تسلی ہو جائے گی۔

۱۔ میزان الاعتدال للذھبی ——— تحت یحییٰ بن ابی حیۃ

۲۔ میزان الاعتدال للذھبی ——— تحت ہشام بن محمد بن السائب الکلبی

۳۔ میزان الاعتدال للذھبی ——— تحت لوط بن یحییٰ (ابی مخنف)

۴۔ المغنی فی الضعفاء للذھبی ——— تحت ہشام بن محمد بن السائب الکلبی

۵۔ کتاب المجروحین لابن حبان تحت یحییٰ بن ابی حیۃ ——— (ابو جناب الکلبی)

دوم ؛ یہ بات ہے کہ سب وشتم بین الفریقین کی جو روایات پائی جاتی ہیں اولاً تو باعتبار سند کے صحیح نہیں بلکہ مجروح و مقدوح ہیں جیسا کہ ابھی ذکر کیا ہے۔

ثانیاً اگر ان میں سے بعض سند کے اعتبار سے صحیح ہوں تو وہ محکم اور واضح روایات کی روشنی میں قابل تاویل ہوں گی اور اگر ان میں تاویل نہ ہو سکتی ہو تو وہ ان نصوص کے جن میں صحابہ کرام کی عدالت وصداقت ثابت ہے خلاف ہوں گی۔ فلہذا وہ متروک اور ناقابل اعتناء ہوں گی۔

اور نیز حضرت علی المرتضیٰؓ سے جب لعن وطعن سے منع ثابت ہے تو محکم روایات کی روشنی میں ان متشابہ روایات سے اعراض کیا جائے گا۔ اور وہ ہرگز لائق التفات نہ ہوں گی۔ یہ اصول یاد رکھیں۔

قاعدہ

"۔۔۔ واذا اختلف کلام امام فیؤخذ ما یوافق الادلۃ الظاھرۃ ویعرض عما خالفھا"

۱۔ الزواجر لابن حجر مکیؒ ص۲۸ ج اول تحت کبیرۃ الاولیٰ۔

۲۔ فتاویٰ الشامی ص۳۱۷ جلد۳ باب المرتد۔ طبع قدیم۔

یعنی جب امام کے کسی کلام میں اختلاف پایا جائے تو وہ بات جو ادلۃ ظاہرۃ کے موافق ہو گی وہ اخذ کی جائے گی اور جو اس کے خلاف ہو گی اس سے اعراض کیا جائے گا۔

فلہذا اس قاعدہ کی رو سے لعن وطعن اور سب وشتم کی مذکورہ روایات قابل قبول نہیں بلکہ قابل رد ہوں گی۔

سوئم : نیز یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ بعض اوقات کلام میں الفاظ تو سب وشتم کے پائے جاتے ہیں لیکن ان سے مراد گالی گلوچ نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات باہمی درشت کلامی، سخت گوئی اور تلخ نوائی کو روایت کرنے والے سب وشتم سے تعبیر کر دیتے ہیں ایسے مواقع میں صرف فریق مخالف کے عیوب کی نشان دہی کرنا اور دوسرے کی رائے کا تخطیہ اور اپنی رائے کو درست ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے یعنی بعض دفعہ کلام مذکورہ بالا معانی اور مفاہیم کی صورت میں ہوتا ہے لیکن ناقل اسی کو سب وشتم اور لعن طعن سے تعبیر کر دیتا ہے۔

بالفرض والتقدیر کہیں روایات میں سبّ وشتم اور لعن طعن پایا بھی جائے تو اس کے مقابل ان روایات پر بھی نظر ڈالنے کی اشد ضرورت ہے جن روایات میں سبّ وشتم اور لعن وطعن سے منع کیا گیا ہے۔ پھر ان متقابل روایات میں درج ذیل قاعدہ کے مطابق تطبیق اور ترجیح قائم کی جائے گی۔

قاعدہ

۔۔۔۔والمحرّم مقدم علی المبیح (یعنی اذا اجتمعا)

مطلب یہ ہے کہ جب حرام کرنے والی چیز اور مباح کرنے والی چیز باہم متقابل پائی جائے تو حرام کرنے والی چیز کو مباح کرنے والی چیز پر ترجیح دی جاتی ہے۔

فلہٰذا سبّ وشتم اور لعن وطعن سے منع کرنے والی روایات کو اپنی متقابل اباحت کی روایات پر ترجیح قائم ہوگی۔

چہارم: اب اس مرحلہ میں ایک چیز قابل تشریح باقی ہے وہ یہ ہے کہ بعض روایات میں پایا جاتا ہے کہ ہر دو فریق سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ نمازوں میں ایک دوسرے پر بددعا کرتے تھے۔

اگر بالغرض یہ واقعہ صحیح ہو تو یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ ان ایام کا واقعہ ہے جس ایام میں باہمی قتال شروع تھا اور جنگ کے موقعہ میں یہ چیز مؤرخین نے نقل کی ہے۔ تو یہ ایک وقتی مسئلہ تھا نہ کہ دائمی۔

نیز ہر ایک فریق اپنے شرعی حق اور اپنے اجتہاد صادق کی بنا پر دوسرے فریق کے حق میں یہ کلمات کہنا جائز سمجھتا تھا۔ ہر ایک فریق کی مجتہدانہ حیثیت تھی۔ اپنی اجتہادی فکر کی بنا پر قنوت نازلہ پڑھی پھر موقعہ گزر جانے کے بعد اس فعل کو ترک کر دیا لیکن ناقلین واقعہ نے کلام کی تعبیر اس شکل میں کر دی گویا یہ فعل دائماً ہوتا رہا ہو حالانکہ یہ فعل دائمی نہ تھا بلکہ ایک وقتی فعل تھا جو موقعہ گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔

قرینہ اس پر قرینہ یہ ہے کہ ان روایات میں "حین حاربہ" کے الفاظ پائے جاتے ہیں جو اپنی جگہ اس فعل کو وقتی اور عارضی قرار دیتے ہیں اور اس کے دائمی ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اس چیز کو بالدوام قرار دینا حقیقت کے برعکس اور واقعات کے برخلاف ہے۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ پہلے تو وہ روایات باعتبار عدم صحت کے قابل توجہ نہیں ہیں۔ (جن میں سب وشتم پایا جاتا ہے) اگر بالفرض درست بھی ہوں تو مذکورہ بالا قواعد کی رو سے وہ قابلِ عمل و قابل اعتنا نہیں۔ اور جو واقعہ وقتی طور پر پیش آیا تھا اور موقعہ گزرنے کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اس کو دوامی فعل قرار دینا صحیح نہیں۔ اب اہلِ شام کو سب کرنے سے منع کی روایات ہیں وہ اپنی جگہ پر صحیح ہیں اور اہل اسلام کو حضرت علی المرتضیٰؓ کی تعلیم یہی ہے کہ اہلِ شام اور امیر اہل شام کو سبّ وشتم نہ کی جائے اور برائی سے یاد نہ کیا جائے۔ بلکہ خیر سے ذکر کیا جائے۔

نیز اس فن کے علماء فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا آپس میں تعلق باوجود فرق مراتب کے برادرانہ رہا ہے اور باہم برادر حضرات اگر بعض اوقات ایک دوسرے کے ساتھ سخت کلامی کر دیں۔ تو یہ کوئی عجیب بات نہیں لیکن ایک اجنبی شخص کو ان حضرات کے حق میں طعن وتشنیع کرنے یا بدگوئی کرنے کا ہرگز کوئی جواز نہیں پہنچتا۔

"۔۔۔۔ وبالجملة اذا وقع بینهم الطعن باللسان فالطعن باللسان اسهل منه الا انه لا یجوز لغیرهم والاخوان یتسابون ولا یجوز للاجنبی سب بعضهم"[1]

---

[1] الناهية عن طعن امیر المؤمنین معاویة از مولانا عبدالعزیز صاحب پرہاروی ص۳۸ طبع ملتان

۵

روایت الفئة الباغیة کے متعلق ایک اشتباہ

پھر اس کا ازالہ

اس واقعہ کے متعلق ایک مشہور روایت جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے. زیر بحث لائی جاتی ہے اس میں آنجناب صلعم نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو مسجد نبوی کی تعمیر اول کے موقع پر جب کہ وہ خشت خام اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، ارشاد فرمایا تھا کہ

"ویح عمار ! تقتله الفئة الباغية ."

(یعنی قابل رحم عمار ! اس کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی)

اس روایت کی روشنی میں معترضین یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ جنگ صفین کے موقع پر حضرت عمارؓ بن یاسر حضرت علی المرتضیٰؓ کی حمایت میں شریک قتال ہوئے تھے اور شدت قتال کے حالات میں حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت کے ہاتھوں ان کی شہادت واقع ہوئی ۔

فلہذا اس واقعہ کی رو سے حضرت امیر معاویہ کی جماعت باغیوں کی جماعت ٹھہری اور شرعاً باغی وہ ہوتا ہے جو خلیفہ برحق کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور خلیفہ برحق کے خلاف یہ فعل بقول معترض بغاوت اور فسق ہے ۔

بنا بریں حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت پر بغاوت اور فسق کا اعتراض وارد ہے اور بقول معترض یہ لوگ باغی و طاغی ہیں

الجواب

اس مقام میں چند چیزیں قابلِ وضاحت ہیں ان میں سے بعض چیزیں مختصراً پیش کی

جاتی ہیں جو اہلِ علم کے مناسب ہیں۔ اور اس روایت کے متعلقہ بعض مباحث دیگر بھی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ اگر امیر معاویہؓ کے مطاعن کے جوابات مرتب کرنے کی توفیق ہوئی تو ان کو وہاں درج کیا جائے گا۔

اوّل : گزارش ہے کہ صحابہ کرامؓ کے باہمی حروب وقتال اپنی اپنی جگہ پر بنا برتاویل واجتہاد تھے اگرچہ بعض ان میں اپنے تاویل واجتہاد میں حق پر تھے اور بعض اس تاویل میں خطاء پر تھے۔ اور جن کی تاویل صحیح اور فکری رائے درست ہوئی وہ دو گنے اجر کے مستحق ہیں اور دوسرے ایک اجر کے لائق ہیں۔

چنانچہ یہ قاعدہ حدیث شریف میں موجود ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا اجتہد الحاکم فاصاب فلہ اجران واذا اجتہد فاخطاء فلہ اجرٌ" [1]

یعنی جو حاکم اجتہاد کرے اور صواب کو پہنچے اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو اجتہاد کرے اور خطا پر رہے اس کے لیے ایک اجر ہے۔"

اسی مسئلہ کو حافظ ابن حجرؒ نے بعبارت ذیل تحریر کیا ہے۔

"---- والظن بالصحابة فی تلك الحروب انهم كانوا فيها متأولين وللمجتهد المخطی اجرٌ واذا ثبت هذا فی حق أحاد الناس فثبوته للصحابة بالطريق الاولیٰ" [2]

یعنی صحابہ کرامؓ کے باہمی قتال کے متعلق گمان یہی ہے کہ وہ لوگ ان حروب میں متاول

---

[1] البدایہ ص ۲۷۹ ج ۷ بحوالہ صحیح بخاری۔

[2] (۱) الاصابہ لابن حجر العسقلانی ص ۱۵۱ ج ۴ تحت ابی الغادیہ۔

(۲) نصب الرایۃ للزیلعی ص ۶۹ ج ۴ جلد رابع کتاب البیوع تحت حدیث الخامس۔

تھے اور مجتہد مخطی کے لیے ایک اجر ہوتا ہے جب یہ بات عام لوگوں کے لیے ثابت ہے تو صحابہ کرامؓ کے لیے اس کا ثبوت بطریق اولیٰ درست ہے۔

دوم : روایت مندرجہ بالا کی رو سے حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت پر بغاوت کا اطلاق پایا جاتا ہے مگر اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ اس فعل سے ان کی تکفیر لازم نہیں آتی (جیسا کہ مخالفین امیر معاویہ نے اس سے طعن تکفیر مرتب کیا ہے)

چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اس مسئلہ کو بعبارت ذیل واضح کیا ہے فرماتے ہیں کہ :

------ ولا یلزم من تسمیۃ اصحاب معاویۃؓ بغاۃ تکفیرھم کما یحاولہ جھلۃ الفرقۃ الضالۃ من الشیعۃ وغیرھم لانھم وان کانوا بغاۃ فی نفس الامر فانھم کانوا مجتھدین فیما تعاطوہ من القتال ولیس کل مجتھد مصیباً بل المصیب لہ اجران والمخطی لہ اَجرٌ لے

مطلب یہ ہے کہ اصحاب معاویہؓ کے حق میں بغاوت کے اطلاق سے ان کی تکفیر لازم نہیں آتی (جیسا کہ شیعہ کے جاہل فرقہ نے اس چیز کی کوشش کی ہے) اس لیے کہ اگرچہ یہ لوگ نفس الامر میں باغی ہوں تو بھی یہ اپنے قتال میں مجتہد ہیں۔ اور ہر مجتہد مصیب نہیں ہوتا مجتہد مصیب کے لیے دو اجر اور مخطی مجتہد کے لیے ایک اجر ہوتا ہے۔

اور علماء نے اس مقام میں یہ چیز بھی بالصراحت درج کی ہے کہ اہل سنت والجماعت اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ امام برحق تھے ان کے خلاف جس نے

لے (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۱۸ ج ۴ تحت فصل بناء مسجد الشریف (نبویؐ)

(۲) البدایہ ص ۲۷۹ ج ۷ جلد سابع تحت خروج الخوارج۔

(۳) البدایۃ لابن کثیر ص ۱۲۶ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ۔

خروج کیا ہے وہ ان کا خروج بنا بر اجتہاد ہے اور وہ ان کے حق میں معاف ہے۔

"۔۔۔۔ ان اهل السنة اجمعوا علی ان من خرج علی علی کرم الله وجهه خارج علی الامام الحق الآن هذا البغی الاجتهادی معفوعنه" [1]

سوم : اس مقام میں کبار علمائے عقائد نے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ باغی کے افعال و احکام موجب فسق نہیں ہیں۔ اور اس پر اکابر علماء نے دلائل پیش کئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ باغی کی شہادت اور گواہی بالاتفاق عند الشرع مقبول ہے۔

۲۔ باغی کی طرف سے پنجگانہ نماز اور جمعہ، امارت حج اور قضا کے لیے قاضی متعین کرنا وغیرہ وغیرہ کے تصرفات شرعاً درست اور صحیح ہیں۔ اور باغی اپنے افعال میں متأول ہے باغیوں کی خطا کبائر میں شمار نہیں کی جاتی۔ فلہذا اس پر فسق کا اطلاق نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابو الشکور السالمی نے اس مسئلہ کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے۔

(۱) "۔۔۔۔ والدليل على ان الباغی لا یفسق لان شهادته مقبولة بالاتفاق۔ والثانی ان الباغی مادّل فی دعواه، ولان حد الباغی ان یدعی الامارة مع شبهة الدعوى وكان لهم شبهة الدعوى فتأولوا فی ذالك واخطأوا فی تاويلهم وخطاهم ما كان من الكبائر فی الدین حتی يوجب الفسق والكفر۔۔۔۔ ولانه یجوز الصلوٰة والجمعة والحج وتولية القضاء وغیر ذالك من الولاية من جهة الباغی ولانه ما كان فاسقاً" [2]

---

[1] الناہیۃ عن طعن امیر المومنین معاویہؓ از مولانا عبد العزیز پرہاروی ص ۳۸ تحت جواب التاسع۔ طبع ملتان۔

[2] کتاب التمہید لابی الشکور السالمی ص ۱۶۸/۱۶۷ تحت القول السابع طبع حزب الاحناف لاہور۔

(۲) اسی طرح سعد الدین علامہ تفتازانی ؒ نے شرح مقاصد میں اہل صفین کے متعلق تصریح کر دی ہے کہ:

"۔۔۔۔ و لیسوا کفاراً و لا فسقۃ و لا ظلمۃ لما لھم من التأویل و ان کان باطلاً فغایۃ الامر انھم اخطاوا فی الاجتھاد و ذالک لا یوجب التفسیق فضلاً عن التکفیر و لھذا امنع علیؓ اصحابہ من لعن اھل الشام و قال اخواننا بغوا علینا۔"[1]

(۳) نیز ملا علی قاریؒ نے اس بحث میں صفین والوں کے حق میں اس مسئلہ کو اسی طرح ذکر کیا ہے کہ:

"۔۔۔۔ ثم کان معاویۃ مخطیاً الا انہ فعل ما فعل عن تأویل فلم یصر بہ فاسقاً۔"[2]

(۴) حضرت امام ربانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اس مسئلہ میں فسق کا قول کرنے والوں کی تردید فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"۔۔۔۔ و کتب القوم مشحونۃ بالخطاء الاجتہادی کما صرح بہ الامام الغزالی و القاضی ابوبکر و غیرھما۔ پس تفسیق و تضلیل در حق محاربان حضرت امیر (علی) جائز نباشد۔۔۔۔ الخ"

---

[1] شرح مقاصد لعلامہ سعد الدین تفتازانیؒ ص ۳۰۶ ج ۲ تحت مبحث سابع طبع استنبول۔

[2] شرح فقہ اکبر لملا علی القاری ص ۸۳ طبع مجتبائی۔ دہلی۔

[3] (۱) مکتوبات امام ربانی ص ۲۷۲-۲۷۳ ج اول دفتر اول حصہ چہارم مکتوب ۲۵۱ طبع قدیم لکھنؤ۔
طبع جدید لاہور ص ۶۷-۶۸ حصہ چہارم تا ششم نور کمپنی لاہور۔

(۲) مکتوبات امام ربانی ص ۱۲۵ تا ص ۱۳۵ جلد ثانی مکتوب ۶۷ بنام خان خاناں طبع قدیم لکھنؤ۔

۵ اسی طرح امام غزالیؒ نے اس مقام پر "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں ناصحابہ کلام فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ :

---- والظن بمعاویۃ انہ کان علی تاویل وظن فیما کان یتعاطاہ وما یحکی سوی ھذا من روایات الآحاد فالصحیح منہ مختلط بالباطل والاختلاف اکثرہ اختراعات الروافض والخوارج وارباب الفضول الخائضون فی ھٰذہ الفنون الخ

(الاقتصاد فی الاعتقاد ص۹۹ طبع مصر آخر باب الثالث فی الامامۃ۔

مختصر یہ ہے کہ اکابر علماء کی مذکورہ عبارات نے یہ واضح کر دیا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے مقابلہ میں قتال کرنے والے (یعنی حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت) اس قتال کی وجہ سے نہ کافر ہیں اور نہ فاسق ہیں اور نہ ہی گمراہ ہیں اور جو کچھ ان سے صادر ہوا ہے وہ بنا بر ظن و تاویل کے ہے فلہٰذا حضرت معاویہؓ جمہور علماء سلفاً و خلفاً کے نزدیک معذور ہیں اور قابل طعن و مذمت نہیں۔

حدیث مذکور (الفیۃ الباغیۃ والی) ان تمام اکابر علمائے امت کے سامنے ہے اور اس کی روشنی میں ان حضرات کے یہ فرمودات ہیں جو ہم نے نقل کیے ہیں

فلہٰذا مسئلہ ہٰذا کے سلسلہ میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت کو مورد طعن نہ بنایا جائے اور ان کے حق میں مثالب و مطاعن تیار نہ کیے جائیں۔ اور جن بعض مصنفین مثلاً "شارح مواقف وغیرہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے حق میں تفسیق کا قول ذکر کیا ہے وہ درست نہیں۔ اور تفسیق کا یہ قول تحقیق کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ جمہور معتزلہ کا مذہب ہے چنانچہ کتاب جامع الاصول من احادیث رسول لابن اثیر الجزری میں یہی مسئلہ بعبارت ذیل دستیاب ہے۔ انہوں نے اس کو نقل کرنے کے بعد اس کا رد بھی تحریر کیا ہے بقدر ضرورت اہل علم کے لیے عبارت نقل کی جاتی ہے۔

----- وذھب جمہور المعتزلۃ؛ الی ان عائشۃؓ و

وطلحة رض والزبیر رض و معاویۃ رض وجمیع اھل العراق والشام؛

فساق بقتالھم الامام الحق، یعنون علیاً کرم اللہ وجھہ" [1]

پھر آگے چل کر علامہ ابن اثیر الجزری نے اس قول کا بہترین رد پیش کیا ہے؛

"..... وکل ھٰذا جرأۃ علی السلف یخالف السنۃ، فان

ماجری بینھم کان مبنیاً علی الاجتھاد، وکل مجتھد

مصیبٌ والمصیب واحد مثاب والمخطی، معذور لاترد

شھادتہ" [2]

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کے مقابلہ میں قتال کرنے والے حضرات کو فاسق

قرار دینا جمہور معتزلہ کا مذہب ہے اور اہل سنت والجاعۃ کا یہ قول نہیں۔

اور ابن اثیر نے اس تفسیق کے قول کے جواب میں واضح کر دیا ہے کہ یہ بات سلف

صالحین کے خلاف جرأت کرنے کے مترادف ہے اور سنت طریقہ کے مخالف ہے۔

اس لیے کہ جو کچھ ان حضرات کے درمیان واقع ہوا وہ مبنی علی الاجتہاد تھا اور ہر مجتہد مصیب

ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن مصیب ایک ہی ہوتا ہے اور دوسرا مخطی معذور ہوتا ہے۔

اور اس کی شہادت رد نہیں کی جاتی۔

نیز حافظ ابن کثیر رح نے "الباعث الحثیث" میں یہی مسئلہ با الفاظ ذیل درج کیا ہے؛

"..... وقول المعتزلہ الصحابۃ عدول الامن قاتل

---

[1] جامع الاصول من احادیث رسول اللہ لابن اثیر الجزری ص۴۳ ج۱ تحت الفرع الثالث فی بیان طبقات المجروحین۔

[2] جامع الاصول من احادیث رسول لابن اثیر الجزری ص۴۳ ج۱ تحت الفرع الثالث فی بیان طبقات المجروحین۔

علیاًء قول' باطل' مرذول' مردود'"۔ [1]

پس اس تصریح کے بعد شرح مواقف وغیرہ کے تفسیق کے قول کا جواب مکمل ہوگیا اور مندرجہ بالا اکابرین امت کے ارشادات کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت کے حق میں فسق کا قول کرنا ہرگز درست نہیں۔

فائدہ

مسئلہ ہذا کے آخر میں یہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ پر باغی کا اطلاق (بروایت فئۃ الباغیۃ) اُس دور تک ہے جب تک کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ ان کی مصالحت علاقائی تقسیم کے اعتبار سے نہیں ہوئی تھی۔

یہ امر تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے مابین سنہ ۴۰ھ میں مصالحت ہوگئی تھی اور یہ طے ہوگیا تھا کہ عراق کا تمام ملک حضرت علی المرتضیٰ کے لیے ہے اور شام کا تمام ملک حضرت امیر معاویہؓ کے لیے ہے اور ان میں سے کوئی فریق دوسرے فریق پر حملہ اور غارت گری نہیں کرے گا اور نہ ہی ایک دوسرے کے خلاف قتال کریں گے [2] اور عنقریب "مہادنت" ہذا کا ذکر ہم اپنے مقام پر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

نیز حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد سیدنا حسنؓ نے ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ سنہ ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح اور مصالحت کر کے ان کی بیعت کر لی تھی۔ [3]

مصالحت وبیعت ہذا کے بعد حضرت امیر معاویہؓ تمام اہل اسلام کے لیے ایک صحیح اور مسلم خلیفہ

---

[1] الباعث الحثیث لابن کثیر ص ۱۸۱ تحت النوع التاسع والثلاثون طبع مصر۔

[2] (۱) تاریخ لابن جریر الطبری ص ۸۱ ج ۶ تحت سنۃ اربعین (۴۰)۔
(۲) الکامل لابن اثیر الجزری ص ۱۹۳ ج ۳ تحت سنۃ اربعین (۴۰)۔
(۳) البدایہ لابن کثیر ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنۃ اربعین (۴۰)۔

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۷ ج اول طبع اول تحت سنۃ ۴۱ھ۔

منتخب ہو گئے تھے اور اسی بنا پر اس سال کو "عام الجماعۃ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اس چیز کو صاحب "الصواعق المحرقہ" نے بعبارت ذیل نقل کیا ہے۔

۔۔۔۔ فالحق ثبوت الخلافۃ لمعاویۃ من حینئذ وانہ

بعد ذالک خلیفۃ حق وامام صدق "[1]

اور چند سطور کے بعد اس مسئلہ کو بعبارت دیگر تحریر کیا ہے کہ:

۔۔۔۔ علمنا انہ بعد نزول الحسن لہ خلیفۃ حق و

امام صدق "[2]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت سیدنا حسنؓ کے بیعت کر لینے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کی "خلافت صحیحہ" ہے اور وہ "خلیفہ برحق" ہیں۔ اور اہل اسلام کے لیے "امام صادق" ہیں۔

اندریں حالات یعنی حضرت معاویہؓ کے خلیفہ برحق اور امام صادق منتخب ہو جانے کے بعد ان کے حق میں " طاغی و باغی" ہونے کا قول کرنا حقیقت واقعہ کے برخلاف ہے اور اس دور کے تمام صحابہ کرامؓ اور تمام ہاشمی حضرات کے متفقہ فیصلہ کی تغلیط کرنا ہے نیز اس دور کے مناقشات اور تنازعات جو اکابرین امت نے ختم کر دیئے تھے اور "اتحاد بین المسلمین" کی جو صورت قائم کر دی تھی اس کو پارہ پارہ کرنے کی یہ مذموم کوشش ہے، مزید برآں یہ چیز حقیقت واقعہ کے برخلاف ہونے کے ساتھ ساتھ "اتفاق بین المسلمین" میں رخنہ اندازی کی قبیح تدبیر ہے اور صحابہ کرامؓ کے حق میں بدگوئی نشر کرنے اور ائمہ کبار کے خلاف منافرت پھیلانے کا نیا انداز ہے اللہ تعالیٰ ایسے اشخاص کو ہدایت

---

[1] الصواعق المحرقۃ معہ تطہیر الجنان ص۲۱۸ تحت الخاتمۃ فی بیان الاعتقاد اھل السنۃ فی الصحابۃ ۔۔۔۔ الخ

[2] الصواعق المحرقۃ معہ تطہیر الجنان ص۲۱۹ تحت الخاتمۃ فی بیان الاعتقاد اھل السنۃ فی الصحابۃ ۔۔۔۔ الخ

نصیب فرمائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ صلح و مصالحت کے بعد حضرت معاویہؓ نہ باغی ہیں، نہ طاغی ہیں، نہ فاسق ہیں، نہ جابر ہیں نہ ظالم ہیں، بلکہ اہلِ اسلام کے لیے برحق خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین ہیں اور امام صادق ہیں۔

تنبیہ: مندرجہ بالا امور میں سے بعض کے حوالہ جات قبل ازیں کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" میں ذکر کر دیئے تھے لیکن یہاں بعض اہم امور کا اضافہ کیا گیا ہے اس وجہ سے امید ہے کہ قارئین کرام اسے سود مند پائیں گے۔

(۶)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں کی طرف سے یہ ایک اعتراض بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جمل و صفین میں جو قتال اکابر صحابہ کرامؓ میں واقع ہوئے ہیں بظاہر یہ قرآن مجید کی آیت (جس میں صحابہ کرامؓ کی صفت "رحماء بینھم" وارد ہے) کے برخلاف ہیں اور ان کا یہ عمل آیت مذکورہ کے مفہوم کے متعارض ہے حالانکہ یہ حضرات بالیقین قرآن مجید کے عامل اور حامل تھے۔

ازالہ

اعتراض ہذا کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں چند معروضات پیش کی جاتی ہیں ان پر بنظر انصاف غور کر لینے سے مسئلہ ہذا حل ہو جائے گا۔ اور اعتراض پوری طرح زائل ہو جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

(۱)

اس مقام میں مسئلہ ہذا کی تفہیم کے لیے اہلِ علم یہ قاعدہ بیان کیا کرتے ہیں کہ جب کسی جماعت یا گروہ کی تعریف کی جاتی ہے یا ان کے اوصاف اور احوال ذکر کیے جاتے ہیں تو ان کا

بیان کرنا ایک مجموعی حیثیت سے مقصود ہوتا ہے۔ اور وہاں غالب احوال کے اعتبار سے اوصاف کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اور ان کا عمومی طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔

پھر اگر وہاں اس کا جزوی طور پر خلاف پایا جائے یا اس جماعت کے بعض افراد سے بعض اوقات کوئی اس کے متعارض چیز صادر ہو جائے تو وہ اس حکم کلّی اور قاعدہ عمومی کے خلاف متصور نہیں ہوتی۔

مختصر یہ ہے کہ کسی امر جزوی کا کسی امر کلی کے متعارض پایا جانا اہلِ فہم کے نزدیک قادح نہیں سمجھا جاتا۔

(۲)

دوسری یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ بعض اوقات ہر دو فریق میں اختلافات رونما ہوتے ہیں اور قتال تک نوبت پہنچی ہے تاہم ان سے رحمت کی صفت بالکل مفقود نہیں ہوتی اور شان شفقت بالکلیہ مسلوب نہیں ہوتی۔

یہ دونوں فریق نیک نیتی کے ساتھ اپنے فریق کو حق بجانب خیال کرتے ہوئے دوسرے فریق سے محارب ہوئے تھے لیکن ذاتی عداوتوں اور نفسانی اغراض کے لیے نبرد آزما نہیں ہوئے تھے۔ اس چیز پر یہ قرائن موجود ہیں:

(۱) کسی فریق نے دوسرے فریق کے ایمان کا انکار نہیں کیا اور ان کو بے دین قرار نہیں دیا۔ نیز ایک فریق نے دوسرے فریق کے فضائل اور دینی کارناموں کا انکار تک نہیں کیا۔

(۲) اسی طرح کوئی فریق دوسرے فریق کو ذلیل اور رسوا کرنے کے درپے نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ اپنے مقابل کو قید نہیں کیا۔ مال نہیں لوٹا ان کی خواتین کی بے حرمتی نہیں کی۔ اور ان کے کسی زخمی کو مزید زخمی نہیں کیا۔

(۳)

جمل و صفین کے واقعات میں ہر ایک فریق اپنے آپ کو حق پر خیال کرتا تھا اور یہ اجتہاداً الحق

دوسرے فریق کے ساتھ مناقشہ قائم کیے ہوئے تھا۔ دوسرے لفظوں میں ایک حق شرعی کی خاطر فریق مخالف کے ساتھ قتال پر آمادہ تھے اور یہ چیز "رحماء بینھم" کے مفہوم کے خلاف نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ایک امر دینی اور اپنے شرعی حق کو قائم رکھنے کے لیے بعض اوقات شدت اختیار کی جاتی ہے جیسے اجرائے حدود اور کفارات کے واقعات دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور صحابہ کرامؓ کے دور میں پیش آئے۔ باوجودیکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور مومنوں پر رؤف الرحیم ہیں اور صحابہ کرام میں انما المؤمنون اخوۃ کی صفت موجود ہونے کے باوجود اجرائے حدود اور کفارات کے واقعات رونما ہوئے۔ اور کبار صحابہؓ کے درمیان بعض دینی مسائل اور معاشرتی معاملات میں اختلافات پیش آتے رہے۔

پھر ان حضرات کے باہم قتال کی نوعیت اس قسم کی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کو مومنین کے بعض اعمال پر غصہ آتا ہے۔ اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کے برے اعمال پر ناراض ہوتے ہیں۔ یا ماں کو اپنی اولاد کے افعال بد پر بعض دفعہ ناراضگی ہوتی ہے۔ حالانکہ ان سب میں رحمت اور شفقت کی صفت موجود ہے۔ اور اس کے باوجود غیض و غضب بھی پایا جاتا ہے یعنی ان امور کی روشنی میں مسئلہ بالا حل کیا جا سکتا ہے۔

(۴)

اس مقام میں بعض علماء کرام مثلاً شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے موضح القرآن میں ایک عمدہ چیز تحریر کی ہے وہ یہ ہے کہ "جو تندی اور نرمی اپنی خو ہو وہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آوے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ۔"

اسی قول کی روشنی میں مناقشات اور قتال بین الصحابہؓ کا مسئلہ بہتر طریق سے سلجھایا جا سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان حضراتؓ نے سختی کی جگہ پر سختی اختیار کی ہے اور نرمی کے مقام

میں نرمی اختیار کی۔ پس اس طریقہ سے ان کے یہ افعال آیت کے خلاف نہیں ہیں۔

(۵)

علماء کرامؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جو منازعات جاری ہوئے ان کا درجہ اسی طور پر ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان ماجرا پیش آیا ایس بات کے باوجود یہ لوگ حد ولایت اور نبوت سے خارج نہیں ہوئے۔

اسی طرح جو کچھ صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافی واقعات پیش آئے وہ بھی اسی درجہ میں ہیں۔

(۱) ـــــ قال ابن فورك ومن اصحابنا من قال ان سبيل ماجرت بين الصحابة من المنازعات كسبيل ما جرى بين اخوة يوسف مع يوسف، ثم انهم لم يخرجوا بذالك عن حد الولاية والنبوة فكذالك الامر فيما جرى بين الصحابة"۔ [1]

(۲)۔ اسی نوع کا ایک دوسرا واقعہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں پایا جاتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام میں ایک مسئلہ پر اختلاف رائے ہوا۔ اور اس پر تنازع پیش آیا حتیٰ کہ سر کے بال کشید کرنے اور دست بہ گریبان ہونے تک نوبت پہنچی۔

یہ تنازعہ دشمنی کی بنا پر واقع نہیں ہوا اور اس واقعہ کو کوئی بھی عداوت پر محمول نہیں کرتا۔

(۳)۔ اسی طرح باپ کا بیٹے کو تادیب وتنبیہ کی خاطر زدوکوب کرنے کے واقعات محبت اور شفقت پدری کے خلاف نہیں سمجھے جاتے۔ نیز جراح اور ڈاکٹر (سرجن) کا نشتر لگانا حتیٰ کہ بعض اعضاء کا کاٹ دینا اور مریض کو تکلیف پہنچانا مریض کے حق میں رحمت اور شفقت کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔

---

[1] تفسیر القرطبی ص ۳۲۲ / ۱۶ تحت آیت وان طائفتان من المؤمنین ۔۔۔۔ الجزء الحجرات)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مابین منازعات کے ان واقعات کو مذکورہ تمثیلات اور تشبیہات کی روشنی میں اہل فہم حضرات خوب سمجھ سکتے ہیں اوران واقعات کے لیے آیت "رحماء بینھم" کے درمیان تطبیق پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں ہے۔

مذکورہ بالا چند چیزیں مسئلہ ہذا کو قریب الی الفہم کرنے کے لیے پیش کردی گئی ہیں ورنہ اہل علم وفکر حضرات پر یہ مسئلہ کوئی مخفی و پوشیدہ امر نہیں۔

(۷)

جمل وصفین کے مقتولین سے حسن معاملہ

ماقبل میں اپنے مقابلین کے حق میں حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے اکابر رفقاء کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ اب فریق مقابل کے مقتولین کے ساتھ جو حسن سلوک روا رکھا گیا اس کے بعض واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ مؤرخین نے یہ چیز لکھی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے جس طرح اپنی جماعت کے مقتولین پر نماز جنازہ ادا فرمائی اسی طرح اپنے مخالف فریق کے قتلیٰ پر بھی نماز جنازہ ادا کی۔ ان لوگوں میں اہل بصرہ، اہل کوفہ اور مکہ و مدینہ کے بعض قریش یعنی سبھی حضرات شامل تھے مطلب یہ ہے کہ جنازہ کے معاملہ میں کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ بلا امتیاز سب پر نماز جنازہ ادا فرمائی اور ایک عظیم قبر میں اعضاء مقطوعہ کو حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمان سے دفن کر دیا گیا۔

سیف بن عمر ضبی لکھتے ہیں کہ :

"۔۔۔ وصلی علی قتلاھم من اھل البصرۃ، وعلی قتلاھم من اھل الکوفۃ وصلی علی قریش من ھؤلاء وھؤلاء فکانوا مدنیین ومکیین ودفن علی الاطراف فی قبر عظیم" [1]

---

[1] الفتنۃ ووقعۃ الجمل ص۱۸۲ تحت "دفن القتلیٰ وتوجع علیؓ علیھم"۔

نیز اسی طرح جب امیر معاویہؓ کی جماعت کے کچھ (زخمی) افراد کو سیدنا س
احباب نے اسیر بنالیا اور ان میں سے بعض کا جب انتقال ہوا تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی بر
سے ان کو غسل اور کفن دیا گیا۔ اور ان پر نماز (جنازہ) پڑھی گئی۔
چنانچہ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ:

"۔۔۔۔ قال عقبة بن علقمة اليشكري شهدت مع عليؓ
يوم صفين فاتي بخمسة عشر اسيراً من اصحاب معاوية
فكان من مات منهم غسله وكفنه وصلى عليه"[1]

(۸)

صفین کے قتلیٰ جنتی ہیں

نعیم ابن ابی ہند ایک بزرگ ہیں جو اپنے چچا سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل کرتے ہیں۔ وہ
اس طرح ہے کہ ان کے چچا کہتے ہیں کہ میں صفین میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ تھا نماز کا
وقت ہو گیا تو ہم نے نماز کے لیے اذان کہی اور فریق مقابل نے بھی اپنی جگہ پر نماز کے لیے
اذان دی۔ ہم نے بھی (جماعت کے لیے) اقامت کہی انہوں نے نماز ادا کی ہم نے بھی نماز
پڑھی۔ نماز کے بعد ہم لوگوں کے سامنے یہ منظر تھا کہ ہمارے اور ان کے درمیان مقتولین
صفین پڑے تھے اس منظر کو دیکھ کر میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں عرض کیا۔

"ما تقول في قتلانا وقتلاهم؟ فقال من قتل منا ومنهم
يريد وجه الله والدار الآخرة دخل الجنة"[2]

---

[1] تلخیص تاریخ لابن عساکر لابن بدران ص ۷۴ ج اول باب ما ورد من اقوال المنصفین
فیمن قتل من اهل الشام بصفین۔

[2] السنن سعید بن منصور ص ۳۴۷ القسم الثانی من المجلد الثالث روایت ۲۹۶۸ طبع مجلس علمی کراچی۔

کے مقتولین کے حق میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ تو جناب

اور فکر آخرت کے ارادہ پر ہم دونوں فریق میں سے مقتول

بنا پر قتل ہونے والے فریق ہیں سے شہید ہیں اور جنت میں

جائیں گے یوں ... جنگ نہیں صرف اختلاف رائے پر جنگ ہوئی ہے اور اس میں

غرض فاسد نہیں ہے۔

اسی نوع کی ایک دیگر روایت کبار علماء نے با سند نقل کی ہے اس میں بھی یہی مسئلہ درج ہے کہ جناب علی المرتضیٰؓ سے صفین کے قتلیٰ کے متعلق حکم دریافت کیا گیا تو آنجنابؓ نے واشگاف الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ "قتلانا وقتلاهم فی الجنة" [1]

یعنی ہمارے مقتولین اور ان کے قتلیٰ دونوں فریق جنت میں جائیں گے۔

مندرجات بالا کے ذریعہ واضح ہو گیا کہ ان حضرات کے درمیان نہ حسد و تعاند کی بنا پر واقعات نہیں پیش آئے جہاں حسد و عناد دونوں جماعتوں میں پایا جاتا ہے۔ وہاں اس نوع کے عمدہ مکالمات اور حسن معاملات مفقود ہوتے ہیں۔

اسی طرح اس مضمون کو علامہ الشعبیؒ نے اپنی عبارت میں بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

قال الشعبی: هم اهل الجنة لقی بعضهم بعضاً فلم یفر احد من احد [2]

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۱۰۳۶ ج ۴ قلمی پیر جھنڈا باب ما ذکر فی الصفین۔

(۲) مجمع الزوائد للہیثمی ص ۳۵۷ ج ۹ باب ما جاء فی معاویہ بن ابی سفیانؓ بحوالہ طبرانی

(۳) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۹۵ ج ۳ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیانؓ۔

(۴) کنز العمال لعلی متقی ہندی ص ۸۷ ج ۶ تحت وقعۃ الصفین۔ طبع اول۔

[2] البدایہ لابن کثیر ص ۲۷۷ ج ۷ تحت آخر قصہ تحکیم۔ طبع اول

یعنی اہل صفین اہل جنت میں سے ہیں ان کے بعض کا بعض کے ساتھ قتال ہوا ہے۔ لیکن کسی ایک نے بھی دوسرے سے فرار نہیں کیا۔ اور چونکہ ان کا قتال اخلاص کی بنا پر تھا اور دل میں عناد نہیں رکھتے تھے) اس وجہ سے یہ لوگ جنت کے مستحق ہیں۔

تنبیہ: مندرجہ بالا حوالہ جات میں سے بعض حوالے "مسئلہ اقربا نوازی" کے صفحہ ۱ پر درج ہو چکے ہیں یہاں مزید اس مضمون میں اضافہ کیا گیا ہے۔

نیز یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ دونوں فریق کے قتلیٰ کی مغفرت کے متعلق چند ایک بشارات بطریق خواب ان ابحاث کے آخر میں درج ہوں گی (انشاء اللہ تعالیٰ) قلیل انتظار فرمائیں۔

(۹)

اہلِ جمل وصفین کے متعلقہ چند فقہی احکام

جمل وصفین کے واقعات سے علماء سلف نے بعض فقہی احکام مرتب کیئے ہیں۔ ان کی توضیح اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ دور نبوت میں کفار اور مشرکین کے ساتھ جنگیں ہوئیں تو ان کے متعلقہ احکام اس دور میں معلوم ہو گئے۔ چنانچہ جب بعد میں کفار کے ساتھ قتال پیش آئے تو ان کے حق میں سابقاً قواعد اور احکام موجود تھے لیکن جب اہل تاویل و اہل بغی کے ساتھ (یعنی اہل اسلام میں باہمی) حروب و قتال واقع ہوئے۔ (مثلاً جنازہ، غسل، کفن و دفن اور فراہم شدہ مال وغیرہ) کے متعلق فقہی احکام قبل ازیں معلوم نہ تھے اور نہ مدوّن تھے اور نہ ہی ان کی کوئی مثال و نظیر سامنے تھی۔

جمل وصفین پیش آنے کے بعد ان واقعات کے ذریعے احکام ہذا معلوم ہوئے اور بعد کے علماء و فقہاء کرام نے باغیوں کے احکام یہیں سے حاصل کیے۔ گویا یہ جنگیں ان مسائل کی تشریح کے لیے ایک تکوینی مصلحت و حکمت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ابن حجر مکیؒ نے تطہیر الجنان میں لکھا ہے کہ وقد مرّ عن الشافعیؒ انه قال اخذت احکام البغاة والخوارج

من مقاتلة علیؓ لاھل الجمل وصفین والخوارج"۔ اور صاحب الجامع لاحکام القرآن فاضل القرطبیؒ نے درج ذیل عبارت میں اس مسئلہ کو نقل کیا ہے کہ:

۔۔۔۔۔ان حکمۃ اللہ تعالیٰ فی حرب الصحابۃ التعریف منہم لاحکام قتال اھل التاویل۔ اذکان احکام قتال اھل الشرک قد عرفت علی لسان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وفعلہ[1]

حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس موقعہ پر متعدد فرامین جاری کیے تھے ذیل میں ان سے بعض فقہی احکام بطور استفادہ دنمونہ کے درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ جس شخص نے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کو ایذار نہ دی جائے اس پر امان ہے۔
۲۔ ہتھیار ڈالنے والے پر امان ہے۔
۳۔ مدبر (پیٹھ پھیر کر جانے والے) کا تعاقب نہ کیا جاوے۔
۴۔ اسیر یعنی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔
۵۔ زخمی کو مزید زخمی نہ کیا جائے۔
۶۔ مقتولین سے لباس و ہتھیار سلب نہ کیے جائیں۔
۷۔ مسلمان مرد کو غلام اور مسلمان عورت کو لونڈی نہ بنایا جائے۔
۸۔ کسی عورت کی پردہ دری نہ کی جائے یعنی اسے بطور لونڈی کے حلال تصور نہ کیا جائے
۹۔ شکست خوردہ لوگوں کے اموال کو مال غنیمت کا حکم نہ دیا جائے اور اس مال سے خمس نہ نکالا جائے۔

---

[1] (۱) تفسیر للقرطبیؒ ص۳۱۹ ج۱۶ سورۃ الحجرات تحت آیۃ فاصلحوا بینہما بالعدل۔

(۲) تطہیر الجنان لابن حجر مکی معہ الصواعق المحرقہ ص۳۱ (الفصل الثالث تحت تنبیہ) طبع مصر۔

۱۰۔ جس مال کا مالک متعین طریق سے معلوم ہو جائے اسے مالک کی طرف لوٹا یا جائے۔

یہ چند احکام بطور نمونہ کے درج کر دیئے ہیں۔

یہ احکام جو حضرت علی المرتضیٰؓ سے منقول ہیں ان کی اصل یہ فرمان نبویؐ ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، ابن قدامۃ نے "المغنی" میں اسے نقل کیا ہے۔

"۔۔۔ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

یا ابن ام عبد: ما حکم من بغیٰ علی امتی؟ فقلت: اللہ ورسولہ اعلم۔

فقال: لا یتبع مدبرھم ولا یجاز علی جریحھم ولا یقتل اسیرھم

ولا یقسم فیئھم" [1]

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود سے فرمایا: جو میری امت پر بغاوت کرے اس کا کیا حکم ہے؟ تو ابن مسعودؓ نے عرض کیا اسے اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ان کے (جنگ سے) پشت دے کر جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے ان کے زخمی کو مزید زخمی نہ کیا جائے اور ان کے قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور ان کے اموال کو فئی کا حکم دے کر تقسیم نہ کیا جائے۔

مندرجہ بالا فقہی احکامات کو محدثین و فقہاء و مؤرخین واکابر علماء نے اپنی تصانیف میں بصراحت نقل کیا ہے۔ یہ مسئلہ کوئی پوشیدہ امر نہیں ہے اہل علم حضرات کو معلوم ہے۔ البتہ جن حضرات کو ان مسائل کی طرف توجہ نہیں ان کے اطمینان کے لیے مصنفین کی اصل عبارات میں سے چند ایک چیزیں پیش خدمت ہیں اور باقی حوالہ جات کو حواشی میں ذکر کر دیا ہے۔ تمام عبارات بلفظہٖ نقل کرنے میں بے حد تطویل ہے۔

(۱) عن جعفر عن ابیہ ان علیاً امر منادیہ فنادیٰ یوم البصرۃ:

الا لا یتبع مدبر ولا یذفف علی جریح ولا یقتل اسیر

---

[1] المغنی لابن قدامۃ ص ۵۲۳ ج ۸ تحت کتاب قتال اہل البغی۔

ومن اغلق بابه فهو آمن ومن القی السلاح فهو آمن ولا نأخذ من متاعهم شیئاً"[1]

(۲) "عن الضحاک ان علیاً لما هزم طلحة واصحابه امر منادیه ان لا یقتل مقبل ولا مدبر ولا یفتح باب ولا یستحل فرج ولا مال"[2]

(۳) "ثم قال یا قنبر من عرف شیأ فلیأخذه قال زید فرد ما کان فی العسکر وغیره"[3]

(۴) "عن شقیق ابن سلمة ان علیاً لم یسب یوم الجمل ولم یقتل جریحاً"[4]

نیز اسی طرح واقعہ صفین کے متعلق بھی احکام علماء نے باسند ذکر کیے ہیں مثلاً ابن ابی شیبہؒ نے اور ابن سعد نے بعبارت ذیل یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔

"...... عن ابی امامة قال : شهدت صفین فکانوا لا یجهزون علی جریح ولا یطلبون مولیاً ولا یسلبون قتیلاً"[5]

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبة ص۴۲۴ ج۱۲ طبع کراچی۔ کتاب الجهاد روایت ۱۵۱۲۴۔
(۲) کتاب السنن لسعید بن منصور ص۳۴۶ ج۳ قسم ثانی تحت باب جامع الشهادة۔

[2] (۱) المصنف لابن ابی شیبة ص۲۶۶-۲۶۷ ج۱۵ طبع کراچی۔ کتاب الجمل روایت ۱۹۶۲۵۔
(۲) کنز العمال ص۸۴ ج۶ کتاب الفتن من قسم الافعال (جمل) روایت ۱۳۰۷۔

[3] المصنف لابن ابی شیبة ص۲۸۰ ج۱۵ طبع کراچی۔ کتاب الجمل روایت ۱۹۶۷۹۔

[4] المصنف لابن ابی شیبة ص۲۵۰ ج۱۵ طبع کراچی۔ کتاب الجمل۔

[5] (۱) المصنف لابن ابی شیبة ص۴۲۴ ج۱۲ طبع کراچی۔ کتاب الجهاد۔ روایت ۱۵۱۲۵۔

یعنی ابن ابی شیبہ اور ابن سعد نے اپنی اپنی سند کے ساتھ ابوامامۃ الباھلیؓ سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے فرماتے ہیں۔ کہ میں واقعہ صفین میں حاضر تھا اس موقعہ پر زخمی کو مجروح نہیں کرتے تھے اور پشت دے کر جانے والے کا تعاقب نہیں کرتے تھے اور کسی مقتول کا لباس و ہتھیار نہیں سلب کرتے تھے۔

اس کے بعد مسئلہ ہذا کے متعلق فقہاء کرام اور دیگر مؤیدین علماء کے صرف حوالہ جات ذیل میں تحریر کیے جاتے ہیں۔ ارباب تحقیق رجوع فرما کر تسلی حاصل کر سکیں گے۔

۱۔ المبسوط للسرخسی ص۱۲۶ ج۱۰ (باب الخوارج)

۲۔ المبسوط للسرخسی ص۱۲۶ ج۱۰ باب الخوارج)

۳۔ نصب الرایۃ للزیلعی ص۴۶۳ ج۳ کتاب السیر باب البغاۃ

۴۔ فتح القدیر ص۴۱۲ ج۴ باب البغاۃ طبع مصر قدیم

۵۔ فتح الباری ص۴۷ ج۱۳ (باب قصہ جمل)

۶۔ فتح الباری ص۴۸ ج۱۳ (باب واقعہ جمل)

۷۔ کنز العمال ص۸۴ ج۶ کتاب الفتن من قسم الافعال (جمل) روایت ۱۳۰۲ طبع اول دکن

۸۔ الفتنۃ و وقعۃ الجمل ص۱۸۱ باب سیرۃ علی فیمن قاتل یوم الجمل

۹۔ تاریخ لابن جریر الطبری ص۶ ج۶ تحت ۳۷ھ

مذکورہ بالا احکامات جو جمل وصفین کے متعلق ذکر کیے گئے ہیں ان احکامات کو شیعہ کے کبار علماء نے بھی اسی نوعیت کے ساتھ درج کیا ہے ہم صرف ان کے حوالہ جات درج کرتے ہیں عبارت درج کرنے میں طوالت ہوتی ہے ناظرین کرام تسلی فرمادیں حوالہ جات پیش کردہ صحیح ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کا

(۲) کتاب الطبقات۔ لابن سعد ص۱۳۲ ج۷ ق۲ تحت ابی امامۃ الباھلیؓ۔ طبع اول لیڈن۔

(۱) وقعۃ الصفین لنصر بن مزاحم المنقری الشیعی ص۲۳۰ (المتوفی ۲۱۲ھ) تحت خطبہ علیؓ فی التحریض علی القتال۔ طبع مصر۔

(۲) الاخبار الطوال لابی حنیفہ احمد بن داؤد دینوری الشیعی ص۱۵۱ طبع مصر۔ (المتوفی ۲۸۲ھ) تحت وقعۃ الجمل۔

(۳) علل الشرائع لابن بابویہ القمی الشیعی ص۲۰۳ (المتوفی ۳۸۱ھ) باب ۳۸۵ (نوادر العلل)

وغیرہ وغیرہ۔

مختصر یہ ہے کہ حسب فرمان علماء ان جنگوں سے قبل بعض احکام پوشیدہ تھے اور ان کے تکوینی مصالح مستتر تھے جو ان کے وقوع کے بعد لوگوں کے سامنے آگئے۔ ان چیزوں کو مالک کریم ہی بہتر جانتا ہے کہ اس طرح کیوں ہوا؟ ہم لوگوں کے فہم کی رسائی سے بلند تر ہیں۔

جمل وصفین کے واقعات

اکابرین امت کی نظروں میں

سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے مابین جس دور میں باہمی محاربات ومشاجرات وقتی طور پر پیش آئے ہیں اس دور کا نام "دورِ فتن" ہے اور اسے "ابتلاء" کے ایام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

ان نئے پیش آمدہ حالات کے احکام دیگر پرامن دور کے ایام سے کچھ مختلف ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ان مشاجرات میں دونوں فریق سے الگ اور غیر جانبدار رہی اور کسی فریق کے ساتھ حمایت نہیں کی۔ ان حضرات کو "قاعدین" اور "معتزلین" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

"۔۔۔۔ وکان من الصحابۃ فریق لم یدخلوا فی شیئی من القتال" [1]

یعنی صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو قتال اور جنگ وجدال کے ان واقعات میں کسی فریق کے ساتھ شامل نہیں ہوئی وہ الگ رہی ہے۔

قاعدین حضرات کا موقف: قاعدین حضرات کا موقف یہ تھا کہ بعض نصوص صریحہ میں وارد ہے کہ:

۱۔ مسلمانوں کے درمیان فتنہ قتال کے ایام میں علیحدہ رہنا بہتر ہے۔

---

[1] الاصابۃ لابن حجر العسقلانیؒ ص ۵۰۱ ج ۲ / ص ۵۰۲ ج ۲ تحت ترجمہ علی بن ابی طالبؓ۔

۲ - نیز اہلِ اسلام پر ہتھیار اٹھانے کے حق میں وعیدات وارد ہیں ۔ یہ بات بھی ان کے پیشِ نظر تھی
۳ - دیگر یہ چیز بھی ان کی نظر بصیرت کے سامنے تھی کہ اس فتنہ کے مفاسد اس کے مصالح پر غالب آتے جا رہے ہیں (اور ان کی اصلاح کی کوئی صورت سامنے نہیں آ رہی) ۔ اس وجہ سے بھی ان امور سے اجتناب کرنا لازم ہے ۔

چنانچہ جناب ابو مسعود کا نظریہ فتح الباری شرح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ :

① ''۔۔۔۔ وکان ابو مسعودؓ علی رأی ابی موسیٰؓ فی الکف فی القتال تمسکا بالاحادیث الواردۃ فی ذالک وما فی حمل السلاح علی المسلم من الوعید'' [1]

یعنی کف عن القتال کے معاملہ میں اور مسلمانوں کا مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے مسئلہ میں وعید کی وجہ سے ابو مسعودؓ کا خیال وہی تھا جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا خیال تھا یعنی وہ ان امور میں عملاً حصہ نہیں لیتے تھے ۔

اور شرح الطحاویہ میں مسئلہ ہذا اس طرح منقول ہے کہ :

② ۔۔۔۔ ''وقعد عن القتال اکثر الاکابر لما سمعوہ من النصوص فی الامر بالقعود فی الفتنۃ ۔'' [2]

③ ۔۔۔۔ ولما رأوہ من الفتنۃ التی تربو مفسدتھا علی مصلحتھا ۔'' [3]

قاعدین کے بعض اسماء

قاعدین حضرات کے اسماء علماء نے بہت سے ذکر کئے ہیں جنہوں نے ان قتال و مشاجرات میں عملی طور پر حصہ نہیں لیا اور کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا تھا ۔ ان میں سے چند ایک حضرات کے

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ص۵۰ ج۳ تحت باب قصۃ الجمل ۔
[2] و [3] شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ ص۴۲۱ تحت بحث ہذا طبع مکتبۃ الریاض ۔

اسماء یہاں ذکر کیئے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ سعد بن ابی وقاصؓ (سعد بن مالکؓ)

۴۔ ابو موسیٰ الاشعری (عبداللہ بن قیسؓ)

۵۔ محمد بن مسلمۃ الانصاریؓ

۶۔ بریدۃ بن الحصیب الاسلمیؓ

۷۔ ابو مسعود انصاریؓ

۸۔ ولید بن عقبہ بن ابی معیطؓ

۹۔ جریر بن عبداللہ البجلیؓ

۱۰۔ سعید بن زیدؓ

۱۱۔ زید بن ثابت الانصاریؓ

۱۲۔ ابو درداءؓ

۱۳۔ سلمۃ بن اکوعؓ

۱۴۔ صہیب رومیؓ

۱۵۔ ابو امامۃ الباھلیؓ

۱۶۔ ابو ثعلبۃ الخشنی ——— وغیرہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مذکورہ بالا صحابہ کرامؓ کے علاوہ بھی ایک خاصی تعداد تلاش کرنے سے دستیاب ہوسکتی ہے جو ان تمام مشاجرات سے الگ رہی اور مندرجہ حضرات کے حوالہ کی ضرورت محسوس ہو تو حواشی میں بعض مآخذ کے نام ذکر کر دیئے گئے ہیں[1] رجوع فرما کر تسلی کر سکتے ہیں۔

---

[1] (۱) طبقات ابن سعدؒ ج ۴، ج ۷۔ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

افادہ مقصد یہ ہے کہ ایک کثیر جماعت صحابہ کرامؓ کا مشاجرات ہذا سے اجتناب کرنا اور غیر جانب دار رہنا یہ اہل اسلام کے لیے عملی سبق ہے اور خاموش نصیحت ہے کہ ان تنازعات میں حصہ نہ لیا جائے اور اس میں ان کے جواز و عدم جواز پر بحثیں نہ کی جائیں۔ ایک فریق کی طرف داری کر کے دوسرے فریق پر نہ الزامات عائد کیے جائیں نہ ان کے حق میں بدگمانی پھیلائی جائے اور تنقیدات کا باب ابھی مفتوح نہ کیا جائے۔

ان مسائل میں بحث و مباحثہ سے کف لسان کیا جائے اور زبان طعن دراز نہ کی جائے اور دشنام طرازی سے زبان کو بچایا جائے۔

اسی میں ایمان کی خیر اور دین کی سلامتی ہے اور یہی طریق کبار علمائے اسلام کے نزدیک اسلم ہے اور یہی شیوہ دیانت داروں کے ہاں مستحسن ہے۔

چنانچہ اس مسئلہ پر بڑے اکابر صحابہ و تابعین و دیگر علمائے امت کے بطور نصیحت کے بے شمار فرمودات کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے بقدر ضرورت چند ایک ناظرین کرام کی خدمت میں تحریر کیے جاتے ہیں ایک منصف مزاج و دین دار شخصیت کے لیے بہت کافی ہیں۔

مسئلہ مشاجرات میں سلف صالحین کی ہدایات

(۱)

اس سلسلہ میں پہلے ایک مشہور صحابی حضرت ابو سعید الخدریؓ کا فرمان ان کے ایک ثقہ تلمیذ کے ذریعہ تحریر کیا جاتا ہے چنانچہ ایک دفعہ جناب ابو سعید الخدریؓ کی خدمت میں بعض

(بقیہ حاشیہ) (۲) الاصابہ لابن حجرؒ ج ۲، ج ۳-۴۔

(۳) دول الاسلام للذہبی ج اول

(۴) فتح الباری شرح بخاری شریف۔ ج ۱۳ (کتاب الفتن) وغیرہ وغیرہ

لوگوں نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تنازعات واختلافات کا ذکر کیا تو حضرت ابو سعیدؓ نے بڑا عمدہ نصیحت آمیز جواب فرمایا اور توقف کی تلقین کی۔

—— عن سعید بن یزید عن ابی نضرۃ قال ذکروا علیاً وعثمان وطلحۃؓ والزبیر عند ابی سعید فقال اقوام سبقت لھم سوابق واصابتھم فتنہ وردوا امرھم الی اللہ [1]

یعنی فرمایا کہ یہ وہ جماعت ہیں کہ ان کے بہت نیک اعمال سابقاً ان سے صادر ہو چکے ہیں اب ان پر فتنہ اور ابتلا کا دور آیا ہے ان کا معاملہ خداوند کریم کے سپرد کر دیا جائے

(۲)

اسی طرح جلیل القدر تابعی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (جو اپنے عدل وانصاف میں ممتاز ومشہور ہیں) کی خدمت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ کے اختلافات و نزاعات کا ذکر اس دور کے بعض افراد نے کیا (جیسا کہ لوگ اپنی مجالس میں گزشتہ واقعات کو تجزیہ وتبصرہ کی خاطر دہرایا کرتے ہیں) تو ایسی صورت حالات کو دیکھ کر سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ نے ناصحانہ انداز میں ارشاد فرمایا کہ:

...... قال (محمد بن النضر) ذکروا اختلاف اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم عند عمر بن عبد العزیز فقال امرٌ اخرج اللہ ایدیکم منہ ما تُعْمِلُوْنَ السنتکم فیہ؟" [2]

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۷۵ ج ۱۵ طبع جدید کراچی روایت ۱۹۶۴۷

[2] طبقات لابن سعد ص ۲۸۲ ج ۵ تحت عمر بن عبد العزیزؒ۔

یعنی یہ وہ معاملات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں کو دور رکھا ہے تو پھر تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں ملوث کرتے ہو؟

یعنی ان چیزوں میں تمہیں زبان استعمال کر کے حصہ نہیں لینا چاہیے اور آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔

(۳)

نیز اسی نوعیت کی ایک دوسری روایت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی صاحب طبقات نے نقل کی ہے اس میں مذکور ہے کہ:

حضرت سیدنا علیؓ، حضرت سیدنا عثمانؓ اور اہل جمل وصفین کے درمیان جو واقعات پیش آئے ان کے متعلق عمر و بن عبدالعزیزؒ سے سوال کیا گیا تو خلیفہ عادل نے معقول انداز میں بہترین جواب دیا۔

"..... سئل عمر بن عبد العزیز عن علی وعثمانؓ والجمل وصفین ما کان بینهم فقال تلک دماء کف الله یدی عنها وانا اکره ان اغمس لسانی فیها"[1]

فرمایا کہ یہ وہ خون ریزی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو روک رکھا ہے تو میں نہیں پسند کرتا کہ اپنی زبان کو اس میں ڈبو دوں (اور استعمال کروں)

ان مشاجرات کے حق میں خلیفہ منصف کے یہ نصائح اور عملی فرامین ہیں کہ ان واقعات میں کلمہ خیر کے بغیر زبان استعمال نہ کی جائے اور صحابہ کرامؓ کے معاملات میں حرف شکایت زبان پر نہ لایا جائے۔

مقصد یہ ہے کہ ان کے اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اس میں بڑے زنی کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

---

[1] طبقات لابن سعد ص ۲۹۱ ج ۵ تحت عمر بن عبدالعزیزؒ۔

(۴)

علامہ القرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں مسئلہ "مشاجرات بین الصحابۃ" کے متعلق اکابرین امت کے آراء اور ان کی ہدایات نہایت عمدہ پیرائے میں درج کی ہیں ایک بزرگ "المحاسبی" نے امام حسن بصریؒ سے ارشادات نقل کیے ہیں۔ فاضل القرطبی لکھتے ہیں کہ:

۔۔۔ وقد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال: قتال شهده اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم وغبنا وعلموا وجهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا، قال المحاسبی فنحن نقول کما قال الحسن ونعلم ان القوم کانوا اعلم بما دخلوا فیه منا، ونتبع ما اجتمعوا علیه، ونقف عند ما اختلفوا فیه ولا نبتدع رأیا منا۔ ونعلم انهم اجتهدوا واراد واللہ عزوجل، اذ کانوا غیر متهمین فی الدین ونسأل اللہ التوفیق "[1]

یعنی صحابہ کرامؓ کے باہمی قتال و مشاجرات کے حق میں حضرت حسن بصریؒ سے سوال کیا گیا (یہ کیسے پیش آئے تھے؟ ان کا کیا حکم ہے؟ ہمیں ان امور میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ وغیرہ) تو حضرت حسن بصریؒ نے ارشاد فرمایا کہ:

(۱) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ کرامؓ ان معاملات میں موجود اور حاضر تھے۔ ہم لوگ موجود نہ تھے بلکہ غائب تھے۔

(۲) (شرکائے واقعہ) صحابہ کرامؓ ان امور کو ہم سے بہتر جانتے تھے ہم نہیں جانتے (کہ یہ واقعات کیسے اور کس طرح پیش آئے)؟

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۳۲۲/۱۶ تحت آیت "وان طائفتان من المومنین ۔۔۔ الخ (الحجرات)

(۳) صحابہ کرام جن کاموں پر مجتمع اور متفق ہوئے ہم نے ان کی اتباع کی۔

(۴) اور جن چیزوں میں ان کا اختلاف واقع ہوا تو ہم نے اس میں توقف اختیار کیا۔

حضرت حسن بصریؒ کے ان زریں فرمودات کے بعد امام محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ:

ہم بھی حضرت شیخ حسن بصریؒ کے فرمان کے موافق قول کرتے ہیں جس طرح انہوں نے ہدایت فرمائی ہے ہمارا یقین ہے کہ صحابہ کرامؓ ہم سے زیادہ عالم تھے۔ جن امور میں وہ داخل ہوئے پھر جن چیزوں پر ان کا اجماع ہو گیا اس میں ہم ان کے پیروکار ہیں۔ اور جن چیزوں میں ان کا اختلاف ہو گیا ان میں ہم نہیں داخل ہوتے بلکہ توقف اور اجتناب کرتے ہیں۔ اور ہم اپنی طرف سے کوئی جدید رائے نہیں قائم کرتے۔

اور ہمیں یقین ہے کہ انہوں نے اخلاص کی بنا پر مجتہدانہ رائے قائم کی (پھر اس پر گامزن ہوئے) یہ لوگ دین کے معاملہ میں غیر متہم تھے اللہ تعالیٰ سے ہم خیر کی توفیق طلب کرتے ہیں (ان کے ساتھ ہم حسن ظن اور نیک گمان رکھتے ہیں)

(۵)

سابقہ نصائح کی طرح امام (محمد بن ادریس) الشافعیؒ کی بھی یہی نصیحت ہے فرماتے ہیں:

"۔۔۔۔ قال الشافعیؒ وغیرہ من السلف تلك دماء طهر الله عنها ایدینا فلنطهر عنها السنتنا"۔ [1]

یعنی امام شافعیؒ اور دیگر سلف صالحین کا فرمان ہے کہ یہ وہ خون ریزیاں ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا پس ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں اور بچائے رکھیں۔

یہ ان حضرات کی بڑی قیمتی ہدایات ہیں جنہیں اس مسئلہ میں پیش نظر رکھنا ہمارا فرض ہے۔

---

[1] (۱) شرح مواقف ص۳۷۴ ج۳ طبع مصر تحت المقصد السابع انہ یجب تعظیم الصحابۃ کلہم الخ

(۲) الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ص۳۲۱-۳۲۲ الجزء سادس عشر تحت وان طائفتان من المؤمنین ۔۔۔۔ الخ

(۶)

نیز علامہ قرطبیؒ نے صحابہ کے قتال کے حق میں یہ نصیحت کی ہے اور ساتھ دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ان حضرات میں سے کسی ایک صحابی کے حق میں خطاء کو متعین طور پہ نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے افعال میں مجتہد کی حیثیت میں تھے اور اخلاص کی بنا پر ان سے یہ افعال صادر ہوئے یہ تمام حضرات ہمارے لیے پیش رو اور مقتدر امام ہیں ہمیں ان کے باہمی اختلاف کے متعلق رکھنے کے لیے حکم ہے اور ہمیں حکم ہے کہ ہم ان کا ذکر خیر کے ساتھ کریں برائی کے ساتھ نہ کریں۔

۱۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہیں صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل ہے۔[1] اور اس کا بہت بڑا احترام ہے۔

۲۔ دوسرا یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق سب کرنے سے ہمیں منع فرمایا۔

۳۔ تیسری یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائیں معاف فرما دی ہیں۔

۴۔ چوتھی یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے حق میں رضا مندی کی خبر دے رکھی ہے۔

لا یجوز ان ینسب الی احد من الصحابۃ خطأ مقطوع بہ اذ کانوا کلھم اجتھدوا فیما فعلوہ وارادوا اللہ عزوجل وھم کلھم لنا ائمۃ وقد تعبدنا بالکف عما شجر بینھم — والّا نذکرھم الا باحسن الذکر لحرمۃ[1] الصحبۃ ولنھی[2] النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن سبھم وان اللہ غفر[3] لھم واخبر بالرضا[4] عنھم"[1]

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۳۲۱ ج ۱۶ طبع مصر تحت آیۃ وان طائفتان الخ

(۷)

مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سلسلہ میں اکابرین امت کے فرامین ہم نے ایک تسلسل کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔ ہم اس کے مطابق حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فرمان نقل کرتے ہیں اس میں حضرت شیخؒ نے اس مسئلہ پر نہایت عمدہ روشنی ڈالی ہے۔

حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے مشاجرات کے حق میں کف لسان کرنے اور ان کے عیوب بیان کرنے سے رکنے پر، اور ان کے فضائل و محاسن کے اظہار پر اہلِ سنت متفق ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے جس طریقے پر واقع ہوا حضرت علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عائشہؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان جو اختلاف جاری ہوا ہے ان تمام چیزوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ نیز ہر فضیلت والے کو اس کے موافق فضیلت دینا چاہیے۔

"۔۔۔۔ واتفق اهل السنة على وجوب الكف عما شجر بينهم والامساك عن مساويهم واظهار فضائلهم ومحاسنهم وتسليم امرهم الى الله عزّ وجلّ على ما كان وجرى من اختلاف علي وطلحه والزبير وعائشة و معاوية رضى الله تعالىٰ عنهم على ماقد منا بيانهٗ واعطاء كل ذى فضلٍ فضلهٗ الخ"[1]

(۸)

منازعات و مشاجرات بین الصحابہؓ کے متعلق جس طرح ہم نے سابقاً اکابرین امت کے اقوال ذکر کئے ہیں اسی طرح اب اس مسئلہ کے اختتام پر حافظ ابن حجرؒ کا قول کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے فتح الباری شرح بخاری شریف میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۴۰ مترجم للشیخ عبدالقادر جیلانیؒ فصل و نعتقد اہلِ السنت۔ طبع نولکشور لاہور۔

ابن حجر العسقلانیؒ تحریر کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں جو تنازعات پیش آئے ان کی وجہ سے کسی ایک پر بھی طعن کرنے اور عیب لگانے سے اہل سنت والجماعت نے منع کیا ہے اور اس منع پر اہل سنت کا اتفاق ہے اگرچہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں سے کون حق پر تھے اور کون حق پر نہیں تھے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ حروب باہمی اجتہاد کی بنا پر تھے (عناد کی بنا پر نہ تھے) اور اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں خطا کرنے والے کو معاف فرما دیا ہے بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مجتہد مصیب کو دو اجر دیئے جاتے ہیں اور مجتہد مخطی کو ایک اجر دیا جاتا ہے۔

"۔۔۔۔ واتفق اهل السنة على وجوب منع الطعن على احد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذالك ولو عرف المحق منهم لانهم لم يقاتلوا فى تلك الحروب الا عن اجتهاد وقد عفا الله تعالى عن المخطى فى الاجتهاد - بل ثبت انه يوجر اجراً واحداً وان المصيب يوجر اجرين كما سيأتى بيانه فى كتاب الاحكام" [1]

یہ تمام فرمودات اپنے مفہوم میں واضح ہیں ان میں مزید کسی تشریح کی حاجت نہیں ہے

- حاصل یہ ہے کہ تنازعات صحابہ کرامؓ میں بطور نقد و تنقید حصہ لینے سے اکابرین امت نے منع فرمایا ہے اور کف لسان کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اور ان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے سپرد کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔
- اور ان کے ان معاملات میں حسن ظن رکھنے کا فرمان دیا ہے۔
- اسی چیز میں دنیا و عقبیٰ کی سلامتی مضمر ہے اور حفاظت دین و ایمان کے لیے اسلم طریق یہی ہے۔
- اسی طویل سمع خراشی سے مقصد یہ ہے کہ جمل و صفین والوں کے حق میں ہمارے نظریات سلف صالحین کے فرمودات کے موافق ہونے چاہییں اور ہمارے تاثرات ان کے

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ج ۱۳ ص ۲۸ کتاب الفتن (باب اذا التقى المسلمان بسيفيهما)

خلاف نہیں ہونے چاہییں۔

اب ہم اہلِ صفین کے حق میں دو بشارتیں بطریق خواب ذکر کرتے ہیں جو مسئلہ ہذا کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ اُمید ہے کہ ناظرینِ کرام انہیں بنظرِ استحسان دیکھیں گے۔

اہلِ صفین کے حق میں رؤیا صالحہ

(۱)

بشارت اولیٰ

گزشتہ صفحات میں اکابرین امت کی چند ہدایات پیش خدمت کی ہیں اب ان کے آخر میں اہلِ صفین کے متعلق ہم رؤیاء صالحہ یعنی عمدہ خواب ذکر کرنا چاہتے ہیں جس کو اکابر محدثین ومؤرخین نے اپنی معتمد تصانیف میں ذکر کیا ہے اور یہ اہل صفین کے حق میں بشارت عظمیٰ ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ دلائل شرعیہ اور تاریخی شواہد کی موجودگی میں اگرچہ اس کی چنداں حاجت نہیں ہے تاہم فطری طور پر رؤیائے صالحہ اور مبشرات صادقہ سے ایک قسم کا اطمینان اور سکون طبائع میں پیدا ہو جاتا ہے بنابریں ذیل میں اس واقعہ کے متعلقہ چند مبشرات صحیحہ درج کیے جاتے ہیں جنہیں کبار علماء نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اس کو رد نہیں کیا یہ چیز عند العلماء قبولیت کی علامت ہے۔

ابو میسرہؒ کا خواب

تابعین میں ایک بزرگ عمرو بن شرجیل ہیں جن کی کنیت ابو میسرہ ہے یہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مشہور تلمیذ اور ثقہ راوی ہیں۔ آپ بڑے راست گو اور معتمد شخصیت ہیں۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو میسرہ صفین میں حضرت علی کی حمایت میں

شریک جنگ تھے۔

ابومیسرہؒ فرماتے ہیں کہ اہل صفین کے معاملہ کے متعلق میں پریشانی میں تھا اور میں ان دونوں فریق کے درمیان کوئی فیصلہ کن بات معلوم نہیں کر سکا تھا۔

پس اس حالت میں مجھے ایک خواب میں دکھایا گیا کہ میں جنت میں داخل ہو کر اہل صفین کے پاس پہنچا ہوں۔ وہ ایک سرسبز باغ میں ہیں اور وہاں نہریں چل رہی ہیں۔ وہاں میں نے جنتیوں کے خیمے لگے ہوئے دیکھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کن لوگوں کے خیمے ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ یہ خیمے ذوالکلاع اور حوشبؓ کے لیے ہیں (یہ دونوں بزرگ حضرت معاویہؓ کی حمایت میں جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے)

اس کے بعد میں نے پوچھا کہ عمار بن یاسرؓ اور ان کے ساتھی کہاں ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ ان کا مقام اور قیام آگے ہے میں نے کہا یہ کیسے ہوا حالانکہ ان کے بعض نے بعض کو قتل کیا تھا؟ تو جواب دیا گیا کہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو واسع المغفرت پایا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کی مغفرت فرمادی ہے۔

پھر میں نے پوچھا کہ اہل نہروان کا کیا ہوا تو اس کے متعلق جواب ملا کہ وہ شدت اور سختی میں ڈال دیئے گئے۔

ابن ابی شیبہؒ نے اس واقعہ کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے۔

۱۔ ـــ۔ عن ابی وائل قال رأی فی المنام ابو میسرۃ عمرو بن شرحبیل وکان افضل اصحاب عبد اللہ ابن مسعودؓ قال رأیت کانی ادخلت الجنۃ فرأیت قباباً مضروبۃ فقلت لمن ھذہ؟ فقیل ھذہ لذی الکلاع وحوشب وکانا ممن قتل مع معاویۃؓ یوم صفین قال قلت وابن عمار واصحابہ؟ قال امامک قلت وکیف وقد قتل بعضھم بعضاً؟

قال فقیل انھم لقوا اللہ فوجدوہ واسع المغفرۃ قال

قلت فما فعل اہل النہر ؟ قال فقیل لقوا برحًا۔" [1]

ابو بسرہؒ کے اس واقعہ خواب کو مندرجہ ذیل محدثین و مؤرخین نے اپنی اپنی عبارات کے ساتھ اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کے صرف حوالہ جات نقل کرتے ہیں تاکہ اہل تحقیق رجوع فرما کر تسلی کر سکیں۔ تمام عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ ان تمام حوالہ جات میں سب سے مفصل واقعہ سعید بن منصور نے ذکر کیا ہے۔

۲۔ طبقات لابن سعد (متوفی ۲۳۲ھ / ۲۲۵) ص ۱۸۸، ۱۸۹ ج ۳ آخر ترجمہ عمار بن یاسرؓ (طبع لیڈن)

۳۔ کتاب السنن لسعید بن منصور الخراسانی (متوفی ۲۲۷ھ) ص ۳۶۹ ج ۳ باب جامع الشہادۃ (القسم الثانی) روایت ۲۹۵۵۔

۴۔ کتاب المعرفۃ والتاریخ ص ۳۱۴ ج ۳ طبع بیروت از ابو یوسف یعقوب بن سفیان البسوی المتوفی ۲۷۷ھ)

۵۔ حلیۃ الاولیاء لابن نعیم الاصفہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) ص ۱۴۳ ج ۴ تحت عمرو بن شرجیل۔

۶۔ السنن الکبریٰ للبیہقی (المتوفی ۴۵۸ھ) ص ۱۷۴ ج ۸ تحت قتال اہل البغی طبع حیدرآباد دکن

۷۔ العبر للذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) ص ۴۰ ج اول تحت ۳۷ھ سبع وثلاثین۔

۸۔ مرآۃ الجنان للیافعی (المتوفی ۷۶۸ھ) ص ۱۰۳، ۱۰۴ جلد اول تحت ۳۷ھ۔

۹۔ الاصابہ لابن حجر العسقلانی ص ۳۸۲ ج اول تحت الحوشب ذوظلیم (المتوفی ۸۵۲ھ)

تنبیہ

مذکورہ بالا علماء کرامؒ میں سے بعض حضرات نے اس اسناد کے صحیح ہونے کی تصریح فرما دی ہے۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ (المتوفی ۲۳۵ھ) ص ۲۹۰، ۲۹۱ جلد ۱۵ تحت روایت نمبر ۱۹۶۹۰ تحت باب ما ذکر فی صفین۔ طبع کراچی۔

مثلاً حافظ ذہبی، یعقوب البسوی شیخ یافعی اور ابن حجر نے اس روایت کے اسناد کی صحت کی تصدیق کی ہے۔ مندرجہ بالا تمام حضرات نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے لیکن کسی ایک بزرگ نے بھی اس کی تردید نہیں کی جیسا کہ سابقاً ہم نے ذکر کیا ہے یہ چیز اس کے قابل تسلیم ہونے کے لیے کافی ہے۔

(۲)

بشارت ثانیہ

خلیفہ صالح حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا رویا صالحہ

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اپنے دور کے اکابر تابعین میں سے مشہور ثقہ اور معتمد شخصیت ہیں ان کا خواب محدث ابو بکر بن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے تھے کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور دیکھتا ہوں کہ جناب ابو بکر الصدیقؓ اور عمر بن الخطابؓ جناب کی خدمت میں تشریف فرمائیں ہیں نے آنجناب صلعم کی خدمت میں سلام عرض کیا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ تشریف لائے پھر ان دونوں کو ایک مکان میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا پھر جلدی ہی حضرت علی المرتضیٰؓ اس مکان سے باہر تشریف لائے اور کہنے لگے کہ رب کعبہ کی قسم! اس معاملہ کا میرے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے۔ پھر تھوڑی ہی دیر گزری کہ حضرت امیر معاویہؓ اس مکان سے باہر تشریف لائے اور یوں کہہ رہے تھے۔ رب کعبہ کی قسم! میرے لیے مغفرت فرما دی گئی ہے۔"

علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں ابو بکر بن ابی الدنیا کے حوالے سے یہ تمام واقعہ نقل کیا ہے اہل علم اصل عبارت ملاحظہ فرما کر اطمینان فرمالیں۔

۔۔۔۔۔۔عن عمرو بن عبد العزیزؒ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام وابوبکرؓ وعمرؓ جالسان عندہ فسلمت علیہ وجلست۔ فبینما انا جالس اذ اُتِیَ بعلیؓ و معاویۃؓ فادخلا بیتاً واجیف الباب وانا انظر فما کان باسرع من ان خرج علیؓ وھو یقول قُضِیَ لی ورب الکعبۃ۔ ثم ما کان باسرع ان خرج معاویۃؓ وھو یقول غُفِرَ لِی ورب الکعبۃ"[1]

مندرجہ بالا رؤیا رصالحہ کو جناب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مشہور تصنیف "کیمیائے سعادت" میں فارسی عبارت میں کلمات ذیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ اہلِ علم کی تسلی کے لیے بعینہٖ عبارت تحریر کی جاتی ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

عمرو بن عبد العزیزؒ میگوید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بخواب دیدم با ابوبکرؓ و عمرؓ نشستہ۔ چوں باایشان نشستم ناگاہ علیؓ و معاویہؓ را بیاوردند۔ و درخانہ فرستادند و در بربستند در وقت علیؓ را دیدم کہ بیرون آمد و گفت قضی لی ورب الکعبۃ یعنی حق مرا بنہادند پس بزودی معاویہؓ بیرون آمد و گفت غفر لی ورب الکعبۃ مرا نیز عفو کردند و بیامرزیدند"[2]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عبد العزیزؒ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص۱۳۰ ج ۸ طبع مصر تحت ترجمہ معاویۃ بن ابی سفیان (درما ورد فی مناقبہ وفضائلہ)

[2] کیمیائے سعادت (فارسی) للغزالیؒ ص۴۸۴ (مطبع محمدی بمبئی) تحت پیدا کردن احوال مردگاں کہ مکشوف شدہ است بطریق خواب۔

وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جب میں بھی آپؐ کی خدمت میں بیٹھ گیا تو ناگہاں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو لایا گیا اور ایک مکان میں داخل کر کے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! میرے حق میں فیصلہ ہوا ہے اور پھر جلدی ہی حضرت امیر معاویہؓ باہر تشریف لائے اور آکر کہا رب کعبہ کی قسم مجھے معاف کر دیا گیا ہے اور بخش دیا گیا ہے۔

ان بشارات کے ذریعہ مسئلہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی شان کریمی نے صفین والے حضرات کے ساتھ عفو و معافی کا معاملہ فرما دیا ہے اور ان کی باہمی آویزشوں سے درگزر فرما کر مغفرت فرما دی ہے۔

فلہذا ہمیں بھی ان لوگوں کے حق میں حسن ظن رکھنا لازم ہے اور ان کے متعلق بدگمانی سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر کیا ہے)

تنبیہ

بحث ہذا کے آخر میں رفع شبہ کے طور پر چند کلمات درج کیے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خواب محض خیال اور وہم ہوتا ہے اس بنا پر اس پر کچھ اعتماد نہیں اور نہ ہی اس سے کوئی صحیح تاثر لیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں چند معروضات تحریر کی جاتی ہیں۔

دراصل خواب کئی قسم کے ہوتے ہیں بعض رؤیا صالحہ صحیح ہوتے ہیں اور بعض محض وہم اور پریشان خیالی ہوتی ہے جس کو "اضغاث احلام" سے تعبیر کیا جاتا ہے صحیح خواب (یعنی رؤیا صالحہ) کے متعلق قرآن مجید میں متعدد واقعات مذکور ہیں مثلاً

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کے متعلق (انی اذبحک فانظر ماذا تری)

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب (انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین)

(۳) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب مبارک جیسے (لقد صدق اللہ رسوله الرؤیاء بالحق ...... الخ میں ذکر فرمایا گیا ہے ۔

اسی طرح اور بھی کئی واقعات ذکر کئے جا سکتے ہیں ۔

حدیث شریف میں صحیح رؤیاء کے متعلق متعدد روایات صحیحہ پائی جاتی ہیں ۔ مثلاً

(۱) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت باقی نہیں ہے الاّ المبشرات ۔ لوگوں نے عرض کیا بشرات کیا ہیں تو آنجناب نے فرمایا الرؤیاء صالحۃ یراھا الرجل الصالح او تری لہ" [1]

یعنی بشرات کی تشریح فرماتے ہوئے آنجناب صلعم نے فرمایا کہ وہ نیک خواب ہیں جو نیک انسان خود دیکھتا ہے یا اس کے حق میں کوئی دوسرا شخص دیکھتا ہے ۔

(۲) آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں مگر الرؤیاء صالحۃ ہے ۔

لیس یبقی بعدی من النبوۃ الاّ الرؤیا الصالحۃ [2]

ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں حدیث شریف میں بہت سے واقعات رؤیا صالحہ کے متعلق پائے جاتے ہیں مثلاً :

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خواب موطا امام مالکؒ باب ماجاء فی دفن المیت میں مذکور ہے آپؓ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند

---

[1] (۱) الموطا لامام مالکؒ صفحہ ۷۸ طبع مجتبائی دہلی (باب ماجاء فی الرؤیا)

(۲) المسند للدارمیؒ صفحہ ۲۷۲ کتاب الرؤیاء باب فی قولہ تعالیٰ لھم البشری ...... الخ

[2] الموطا لامام مالکؒ صفحہ ۳۷۸ طبع مجتبائی دہلی (باب ماجاء فی الرؤیا)

میرے حجرے میں آکر گرے ہیں پس میں نے اس خواب کو اپنے والد صدیق اکبرؓ کی خدمت میں بیان کیا پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور میرے حجرے میں ہی آنجناب کا دفن ہوا تو اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے مجھے فرمایا ھذا احد اقمارك وھو خیرھا[1] یعنی یہ ان تین ماہتابوں میں سے ایک ہیں اور یہ ان سب سے بہتر ہیں۔

(۲) دوسرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خواب ہے جو آنجناب نے جمعہ کے روز خطبہ میں ذکر فرمایا:

"ایھا الناس انی رأیت دیکاً احمر نقرنی نقرتین ولا اری ذالك الا حضور اجلی"[2]

"یعنی اے لوگو! میں نے ایک سرخ مرغے کو دیکھا ہے کہ اس نے دو چونچیں مجھ پر لگائی ہیں اور اس سے میں نے اپنے انتقال کا قریب ہونا سمجھا ہے"۔

اسی نوع کے بہت سے رؤیا صحیحہ دستیاب ہو سکتے ہیں لیکن تائید مسئلہ کے لیے مندرجہ بالا اشیاء کافی ہیں۔

مذکورہ ہر دو خواب اہلِ صفین کے حق میں جو ذکر کئے گئے ہیں ان کو حجت اقناعی کے درجہ میں رکھا جاسکتا ہے۔

اور ان کو محض وہم و خیال قرار دے کر رد نہیں کیا جاسکتا۔ پس ان کی وہی حیثیت ہے جو ایک صحیح خواب کے لیے ہوتی ہے۔ اور ایک ایمان دار شخص کے لیے قابلِ اطمینان ہے اور سکون قلبی کی خاطر مفید ہے۔

فلہذا اہلِ صفین کے حق میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ مالک کریم نے ان کی مغفرت کا سامان فرما کر ان کو نجات دے دی ہے۔

---

[1] موطا امام مالک صفحہ ۸ طبع مجتبائی دہلی باب "ما جاء فی دفن المیت"۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ صفحہ ۳۴، ۳۵ جلد ۱۱ البحث ما عبرہ عمرؓ۔ طبع کراچی۔

خروج الخوارج

واقعہ صفین سے فارغ ہونے اور "تحکیم" میں ناکامی کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک اور اہم واقعہ پیش آیا وہ یہ ہے کہ فرقہ خوارج نے خروج کیا۔

"خوارج" ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رض کی اپنی جماعت کے افراد تھے اور مسئلہ تحکیم کو قبول کر لینے پر معترض ہو کر ان الحکم الا للہ کا نعرہ لگاتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رض کی جماعت سے الگ ہو گئے۔ اس وقت ان کی تعداد بعض نے سولہ ہزار اور بعض نے بارہ ہزار لکھی ہے اور عند البعض بارہ ہزار سے بھی کم تھی [1]

ان کے سرکردہ افراد عبداللہ[1] بن وہب، حرقوص[2] بن زہیر، شریح[3] بن اوفی، عروہ[4] بن جریر، البرک[5] اور عبداللہ بن الکواء، وغیرہ وغیرہ ذکر کیے جاتے ہیں۔

کوفہ کے علاقہ میں ایک مقام حروراء تھا وہاں انہوں نے پہلے اپنا مرکز قائم کیا اور پھر جو لوگ ان کے ہم نوا تھے وہ سب افراد نہروان کے مقام میں مجتمع ہو گئے اور جدا فرقہ کی حیثیت اختیار کر لی اور یہ لوگ اپنے نظریات میں نہایت جری تھے۔

واجتمع الجميع بالنهروان وصارت لهم شوكة ومنعة وهم جند مستقلون وفيهم شجاعة الخ [2]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس رض ان کی طرف تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ ان کے پیش کردہ مسائل میں بحث و تمحیث کی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیا۔ اس فہمائش پر ان میں سے بعض لوگ اپنے خیالات سے رجوع کر کے واپس ہوئے اور بعض اپنی ضلالت و گمراہی

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص۲۷۹ ج۷ تحت احوال خوارج

[2] البدایہ ص۲۸۶ ج۷ تحت ذکر خروج الخوارج من الکوفہ۔

پر قائم رہے ہے[1]

یہ لوگ اپنے خیالات میں انتہا پسند بے باک اور سخت تشدد تھے اور حضرت علی المرتضیٰؓ سے اس بات پر سخت ناراض تھے کہ انہوں "تحکیم" کیوں قبول کی ہے؟

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ اپنی جگہ پر خطبہ دے رہے تھے کہ خارجیوں میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ:

اے علیؓ! آپ نے اللہ کے دین میں لوگوں کو شریک کر ڈالا ہے حالانکہ لاحکم الا للہ۔ اس شخص کے اور بھی ہمنوا مجلس میں موجود تھے ان سب نے یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ "اللہ" کے بغیر کسی کے لیے حکم نہیں ہے۔ تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ منظر دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ ھذہ کلمۃ حق یراد بھا باطل"۔[2]

یعنی یہ کلمہ حق ہے لیکن اس کا مفہوم غلط لیا جا رہا ہے۔

خوارج کے معاملہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں نرم رویہ اختیار فرمایا تھا تاکہ ان کی کچھ اصلاح ہو سکے اور یہ اپنے تشدد سے باز رہیں۔ اس سلسلہ میں علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک دفعہ ان کے حق میں رعایت فرماتے ہوئے ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ

"۔۔۔ ان لکم علینا ان لا نمنعکم مساجد نا ما لو تخرجوا علینا ولا نمنعکم نصیبکم من ھذا الفیٔ ما دامت ایدیکم مع ایدینا ولا نقاتلکم حتی تقاتلونا"۔[3]

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۷۹ ج ۷ تحت احوال خوارج۔

[2] البدایہ لابن کثیر ص ۲۸۱ ج ۷ تحت احوال خوارج۔

[3] (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۸۲ ج ۷ تحت ذکر خروج الخوارج من الکوفۃ الخ

(۲) کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام ص ۲۴۲، ۲۴۳ تحت الاعطیۃ والارزاق لاھل الردعن الاسلام

یعنی ہم تمھیں اپنی مساجد سے منع نہیں کرنا چاہتے جب تک کہ تم ہمارے خلاف خروج نہ کرو اور مال فئی سے بھی ہم تمہارا حصہ روکنا نہیں چاہتے جب کہ تمہارا تعاون ہمارے ساتھ رہے۔ اور ہم تمھارے خلاف قتال نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہمارے خلاف قتال نہ قائم کرو۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا یہ قول بطور ارخاء عنان کے ہے لیکن یہ لوگ اپنے تشدد اور تقشف میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور اپنے اندر غلط مقاصد رکھتے تھے جو اسلام کے برخلاف تھے چنانچہ ان کی یہ چیزیں انتہا کو پہنچ گئیں یہاں تک کہ جو ان کے نظریات کے خلاف ہو اور ان کو نہ تسلیم کرے اس کو کافر یقین کرتے تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں ان لوگوں کے شر و فساد کی رپورٹ پہنچائی گئی اس طرح پر کہ انہوں نے زمین میں فساد ڈال رکھا ہے اور خونریزی اختیار کر رکھی ہے۔ راستوں پر ڈاکہ زنی اختیار کر لی ہے اور شریعت کے محارم کو حلال کر ڈالا ہے۔

چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن خباب صحابی رسول اور دیگر حضرات کو قتل کر دیا تھا۔

"۔۔۔۔ ان الخوارج قد عاثوا فی الارض فساداً وسفکوا الدماء وقطعوا السبل واستحلوا المحارم وکان من جملة من قتلوہ عبد اللہ بن خباب صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"[1]

اس کے بعد بھی حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان کو ہدایت کرنے کے لیے بعض صحابہؓ مثلاً قیس بن سعد بن عبادہ، ابو ایوب انصاریؓ وغیرہم کو پھر روانہ فرمایا[2] تاکہ ان کو فہمائش کریں لیکن ان لوگوں پر ان رعایات اور ہدایات کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر کار ان کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۸۷ ج ۷ تحت خروج الخوارج من الکوفہ

[2] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۸۸ ج ۷ تحت مسیر امیر المؤمنین علی الی الخوارج "

کے قتال کی نوبت آئی

خوارج کیساتھ جنگ نہروان خوارج کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتال کی نوبت پیش آئی تاہم اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے خاص ہدایات تھیں مثلاً[1]

۱- ایک بات تو یہ تھی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی جماعت کی طرف سے ایک علم کھڑا کیا تھا اس کے متعلق فرمایا کہ جو شخص اس جھنڈے کی طرف آجائے (اپنی جماعت کو چھوڑ کر ہماری جماعت سے مل جائے) تو وہ امان میں ہے۔

۲- اسی طرح جو شخص اس مخالف جماعت کو چھوڑ کر کوفہ کی طرف آجائے یا مدائن کی طرف چلا جائے وہ بھی امان میں ہے۔

۳- آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جب تک کہ مخالف فریق ہم پر حملے کی ابتدار نہ کرے تب تک اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔ (ابتدا بالقتال نہ کرو)

ان حالات میں خارجی تشدد پر اتر آئے ہوئے تھے لاحکم الا للہ کا نعرہ لگاتے اور حملہ کرتے تھے اس صورت میں شدید قتال پیش آیا۔ اُن کے بہت سے لوگ مارے گئے اور مؤرخین کے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے سات آدمی قتال میں شہید ہوئے اور بقول بعض ۱۲-۱۳ آدمی شہید ہوئے اور یہ واقعہ شعبان ۳۸ھ میں پیش آیا تھا (خلیفہ بن خیاط ص ۱۸۰، ۱۸۱ جلد اول تحت ۳۸ھ)

ایک واقعہ جنگ نہروان کے اختتام پر ایک واقعہ پیش آیا کہ ابوکثیر مولی انصار کہتے ہیں کہ میں نہروان کے قتال میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ وہاں بے شمار خارجیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل کیا گیا تو اس موقعہ پر بعض لوگوں کے دل میں ان کے مقتول ہونے کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا تو حضرت علی نے

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۸۸ ج ۷ تحت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ الی الخوارج۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ بعض لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ اور پھر واپس نہیں لوٹیں گے۔ ان لوگوں میں ایک سیاہ رنگ کا شخص ہو گا جس کی پستان عورتوں کی مانند بڑھا ہوا ہو گا اور اس کے گرد ساٹھ عدد سیاہ تل ہوں گے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس شخص کو تلاش کیا جائے وہ ان مقتولین میں ہو گا۔ چنانچہ اسے قتلیٰ میں تلاش کیا گیا تو اسی حلیہ کا ایک شخص دوسرے مقتولین کے نیچے دبا ہوا پایا گیا اس کے گلے میں کمان تھا۔ اس شخص کے دستیاب ہونے پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے زور سے فرمایا اللہ اکبر۔ صدق اللہ ورسولہ" اور دوسرے لوگوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اس طرح لوگوں کے دل میں جو خیال کے جواز کے متعلق اشتباہ تھا دور ہو گیا [1]

شرپسند عناصر کی سرکوبی

حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں بہت سے فسادی عنصر موجود تھے جنہوں نے ابتدا میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی حمایت اور موافقت کی مگر آخر میں آنجنابؓ کے خلاف شورشیں کھڑی کر دیں۔ یہ وہی اشرار تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف تحریک اٹھائی اور اہل اسلام میں فساد کے باعث بنے اور شہادت عثمانؓ کے مرتکب ہوئے۔

پھر اس کے بعد جمل وصفین کے واقعات میں یہی عناصر پیش پیش تھے جو نزاع واختلاف کے داعی تھے اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنا ان کا اولین مقصد تھا جمل وصفین کے بعد بھی یہی تخریبی عناصر حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں جنگ وقتال وقتاً فوقتاً کھڑا کرتے رہے۔ اور اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔

---

[1] مسند امام احمدؒ ص ۸۸-۹۱-۹۲ جلد اول تحت مسندات علی۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنے دور میں ان کی وجہ سے خاص مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اسی لیے آپؓ نے ان کو ختم کرنا ضروری خیال کیا۔

چنانچہ قبیلہ بنی ناجیہ کے رئیس الحارث بن راشد ناجی نے علم بغاوت بلند کیا اور اس کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت نے قتال کر کے اسے ختم کر دیا۔

اسی طرح عدی بن حاتم نے آپ کے خلاف نزاع کھڑا کیا نیز اشرس بن عوف الشیبانی الاشہب بن بشر البجلی سعید بن نفذ التمیمی وغیرہ لوگ خلاف ہوئے اور قتال پر آمادہ ہوئے مگر اس قسم کے شر کھڑا کرنے والے لوگوں کا حضرت علی المرتضیٰؓ نے استیصال کر دیا۔[1]

غالیوں کا خصوصی گروہ

سیدنا علی المرتضیٰؓ کے عہد خلافت میں جس طرح خوارج ایک مستقل فتنہ تھا۔ اور حضرت موصوف کی مخالفت میں انتہا پسند گروہ تھا ان کی سرکوبی کے لیے آنموصوفؓ نے پوری جدوجہد کی۔ (جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے)

اسی طرح ان کے مقابل ایک دوسرا گروہ غالیوں کا تھا جنہوں نے "حب علیؓ اور حب اہل بیتؓ" کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا یہ لوگ اپنے آپ کو "شیعان علیؓ" کہتے تھے۔ بعد میں اس گروہ کو "روافض" کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ روافض جناب علی المرتضیٰؓ کی ذات بابرکات کے متعلق مدح و ثنا میں بے حد غلو کرتے تھے ان کے ابتدائی مراحل کے "مزعومات باطلہ" ہیں۔ سے یہ ہے کہ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نبی اقدس ﷺ کے "خاص وصی اور خاتم الاوصیا" ہیں جیسا کہ حضرت یوشع بن نون حضرت موسیٰؑ کے وصی تھے

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۳۰۸-۳۰۹ ج ۷ تحت فصل

اور ان کے بعد ان کے قائم مقام بھی ہوئے۔

فلہٰذا دراصل خلافت کا حق صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہے اور ان کی خلافت و امامت پر یقین رکھنا فرض ہے اور ان کے اعداء (یعنی اکابر صحابہؓ) سے تبری واجب ہے کیونکہ ان خلفاء نے ان کا حق غصب کر لیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

نیز یہ لوگ خصوصاً حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی عیب جوئی اور تنقیص شان کرتے تھے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل قرار دیتے تھے اور جو شخص ان کے یہ مفروضات کاذبہ تسلیم نہ کرتا اسے گمراہ کہتے تھے۔ اس گروہ کا مرکزی سرخیل عبداللہ بن سبا یہودی نژاد تھا جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا اور مندرجہ بالا نظریات فاسدہ کا بانی یہی شخص ابن سبا تھا اس نے اپنے گمراہانہ خیالات سے بہت سے ناواقف لوگوں کو متاثر کیا اور ان لوگوں نے ایک مستقل گروہ کی شکل اختیار کر لی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابتدائی حالات میں ان کے ساتھ فہمائش کی خاطر کچھ نرمی اختیار کی لیکن جب ان کا غلو شدت اختیار کر گیا اور اہل اسلام میں ان کی وجہ سے تفریق بین المسلمین کا شدید خطرہ بڑھ گیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی ان پر گرفت سخت کر دی اور آخر کار ان غالی محبین کی ٹولی کو آگ میں جلوا دیا اور ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں فرمائی۔

ناظرین کرام مطلع رہیں کہ ابن سبا اور اس کے گروہ کے متعلق ہم نے قبل ازیں متعدد مقامات پر ان کے نظریات اور حالات بقدر ضرورت ذکر کر دیئے ہیں۔ مثلاً

(۱) کتاب رحماء بینھم حصہ فاروقی ص۹۱ تا ص۹۳ تحت روایت دوازدہم ۱۲

(۲) مسئلہ اقربا نوازی ص۳۷۶ تا ص۳۸۳ تحت بحث خامس ۵

مندرجہ مقامات میں مسئلہ ہذا کے لیے سنی، شیعہ کتب سے مستند حوالہ جات درج کر دیئے ہیں نیز ان غالیوں کے متعلق کچھ کلام آئندہ سطور میں "فضائل میں غلو" کے عنوان کے تحت ذکر کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

مختصر یہ ہے کہ سابق دور میں فرقہ ہذا کے یہ خیالات فاسدہ ابتدائی تھے اس موقعہ پر حضرت موصوف رضی اللہ عنہ

نے اس غالی فرقہ کو مٹانے کی تمام تر سعی کی جیسا کہ مندرجہ حوالہ جات میں ذکر کیا گیا ہے لیکن وقتی طور پر سزا یافتہ ہونے کی وجہ سے کچھ فرو ہو گئے تاہم کئی لوگوں میں ان کے باطل نظریات کے اثرات قائم تھے۔ پھر حسب موقعہ یہ لوگ بڑھتے رہے اور ان کے "عقائد مخصوصہ" میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور دواماً مسلمانوں کے لیے ایذا رسانی کرتے رہے اور "فتور عظیم" کا باعث بنے رہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے عہد خلافت سے لے کر آج تک یہ لوگ افتراق و انتشار بین المسلمین کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں دین اسلام کے تقاضوں کے برخلاف اور آخرت میں سراسر خسران کا باعث ہیں۔

بعض انتظامی امور

حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عثمانؓ کے متعین کردہ حکامِ ولاۃ کو عموماً معزول کر دیا تھا اسی سلسلہ میں آپؓ نے عبداللہ بن ابی سرحؓ کو معزول کر کے قیس بن سعد کو مصر کا والی بنایا تھا پھر آنجنابؓ کی یہ رائے ہوئی کہ محمد بن ابی بکر کو قیس بن سعد کی جگہ پر والی بنایا جائے۔ چنانچہ آپؓ نے قیس بن سعدؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ کو والی بنا کر مصر روانہ فرما دیا۔

محمد بن ابی بکرؓ ناتجربہ کار نوخیز جوان تھے اہل مصر نے ان کی ولایت کو خفت کی نگاہ سے دیکھا اور یہ بعض امور میں جلد باز ثابت ہوئے اور صحیح طور پر اہل مصر پر اقتدار قائم کرنے میں ناکام رہے۔ خصوصاً خربتا کے علاقہ میں جو لوگ حضرت عثمانؓ کے طرفدار تھے اور ان کی مظلومانہ شہادت سے خاصے متاثر تھے ان لوگوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ ان حالات کی اطلاع جب حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں پہنچی تو آپؓ نے الاشتر النخعی کو محمد بن ابی بکر کی معاونت کے لیے روانہ فرمایا۔ اشتر النخعی ابھی مصر میں نہیں پہنچے تھے کہ

راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ جب حضرت علی المرتضیٰؓ کو اشتر النخعی کے انتقال کی خبر موصول ہوئی تو آپؓ مغموم اور متاسف ہوئے۔

ادھر ان حالات کی خبر جب حضرت امیر معاویہ کو ہوئی تو انہوں نے عمرو بن العاصؓ کو ایک جماعت کے ساتھ مصر کی طرف روانہ فرمایا اور مندرجہ ذیل ہدایات کیں۔

۔۔۔۔۔ واوصاہ بتقوی اللہ والرفق والمهل والتؤدۃ و ان یقتل من قاتل ویعفوا عن من ادبر وان یدعوا الناس الی الصلح والجماعۃ [1]

"یعنی حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اللہ کے خوف، نرمی اور حوصلہ مندی کی ہدایت فرمائی۔ مقاتلہ کرنے والے کے خلاف قتال کرنے اور پیٹھ پھیرنے والے کو معاف کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کو صلح اور جماعت کے ساتھ رہنے کی دعوت دیں۔"

جب عمرو بن العاصؓ اپنی جماعت کے ساتھ علاقہ مصر میں پہنچے تو "خربتا" کے لوگ بھی آپ کے ساتھ شامل ہو گئے ان حضرات کا محمد بن ابی بکرؓ سے معارضہ ہوا اور محمد بن ابی بکرؓ مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور آخر معاویہ بن خدیج کے ہاتھوں مقتول ہوئے اور علی المرتضیٰؓ ان کی بروقت کوئی امداد نہ کر سکے اور انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور عمرو بن العاصؓ نے مصر کے انتظامات اپنی تحویل میں کر لیے۔

یاد رہے کہ محمد بن ابی بکرؓ اور الاشتر النخعی دونوں نے حضرت عثمان پر حملہ آوری اور ان کے خلاف شورش میں بیشتر حصہ لیا تھا۔

تنبیہ

یہاں مؤرخین (طبری وغیرہم) نے الاشتر النخعی کے انتقال کے اسباب بیان کرتے

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۳۱۲ ج ۷ تحت ۳۸ھ۔

ہوئے تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے ان کی موت کی خاطر حیلہ گری کی تھی اور الاشتر کو شہد کا شربت پلانے والے شخص کو انعامات کے وعدے دے کر زہر دینے پر مامور کیا تھا۔ پھر اس نے الاشتر کو مسموم شربت پلا کر ہلاک کر دیا۔

اس واقعہ کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ :

"۔۔۔ فی ھذا نظر" [1] یعنی یہ واقعہ قابل تامل ہے اور اس کی صحت میں شک وشبہ ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کے قول کی تائید طبقات ابن سعد میں مندرجہ قول سے ہوتی ہے۔

۔۔۔ وولاہ علی علیہ السلام مصر، فخرج الیھا فلما کان بالعریش شرب شربۃ عسل فمات [2]

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ نے الاشتر کو مصر کا والی بنا کر روانہ کیا۔ جب وہ العریش کے مقام پر پہنچا تو اس نے شہد کا شربت پیا اور فوت ہو گیا۔

اور خلیفہ ابن خیاط نے تحریر کیا ہے کہ :

۔۔۔ "وفیھا (سنہ ۳۸ھ) ولی علیؓ الاشتر المصر فمات بالقلزم من قبل ان یصل الیھا" [3]

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ نے الاشتر کو مصر کا والی بنایا مگر وہ قلزم کے مقام پر مصر پہنچنے سے قبل ہی فوت ہو گیا۔

ابن سعد اور خلیفہ ابن خیاط یہ دونوں مورخین طبری سے باعتبار سن وسال کے مقدم ہیں۔ انہوں نے الاشتر کی موت جس طرح نقل کی ہے وہ قرین قیاس ہے۔

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۳۱۲ ج ۷ تحت سنہ ۳۸ھ طبع اول مصر۔

[2] طبقات ابن سعد ص ۱۴۵ ج ۶ تحت الاشتر (مالک بن الحارث) النخعی

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۶۷ ج ۱ تحت سنہ ۳۸ھ

نیز یہ بات نہایت عجیب ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو الاشتر کا اس شخص کے پاس پہنچنا اور وہاں سے پیاس بجھانے کا معاملہ آپؓ کو قبل از وقت کیسے معلوم تھا؟ کہ انہوں نے اس شخص کو الاشتر کی ہلاکت پر مامور کر دیا؟

اسی طرح محمد بن ابی بکرؓ جو معاویہ بن خدیج کے ساتھ معارضہ میں مقتول ہوئے تھے ان کی میت کو گدھے کی کھال تلاش کر کے پھر اس میں آپ کو لپیٹ کر جلانے کی تجویزیں کرنا یہ سب حضرت امیر معاویہؓ پر الزام تراشی ہے اور داستان کو ہولناک بنانے کی مساعی ہیں اور ان کے حق میں تنفر اور نفرت نشر کرنے کی تدبیریں ہیں۔

محمد بن ابی بکرؓ کے قتل کے متعلق مؤرخین نے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں جو اپنے مقام میں درج ہیں ان میں سے جو چیز قرین قیاس ہے اس کو ہم نے یہاں نقل کر دیا ہے۔

۲- زیاد پر اعتماد

اسی طرح ان ایام میں کئی اور واقعات مؤرخین نے تحریر کیے ہیں ان میں سے ایک واقعہ علاقہ فارس اور کرمان سے متعلق ہے۔

وہاں کے لوگ حضرت علی المرتضیٰؓ کی اطاعت میں شامل نہیں رہے تھے اور خراج وغیرہ کے حقوق میں انہوں نے سرکشی اور خود رائی اختیار کر لی تھی۔ تو اس وقت حضرت علی المرتضیٰؓ نے انتظامات کو درست کرنے اور ان لوگوں کو اطاعت میں ماتحت رکھنے کے لیے اپنے ساتھیوں ابن عباسؓ اور جاریہ بن قدامہ سے مشورہ کیا چنانچہ زیاد بن ابیہ کو اس مہم کے لیے موزوں خیال کیا گیا کیونکہ زیاد مذکور صائب الرای شمار ہوتا تھا اور سیاست دان تھا۔ لہٰذا اس پر پورے اعتماد کی بنا پر مذکورہ علاقوں میں اس کو والی بنا کر ارسال کیا۔

زیاد بن ابیہ نے فارس اور کرمان کے علاقوں میں پہنچ کر ان لوگوں کی شورشوں کو فرو کیا اور ان کو مرکز کے ماتحت کر دیا اس طرح وہ مطیع ہو گئے اور خراجات کی مالی آمدن پھر بحال ہو گئی۔ زیاد بن ابیہ نے یہ مہم عدل گستری اور امانت کے ساتھ سرانجام دی۔[1]

[1] البدایہ لابن کثیر ص۳۲ ج۷ تحت سنہ ۳۹ھ

۳۔ زیاد کو نائب بنانا

اس موقعہ پر مورخین نے یہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے بصرہ پر والی تھے۔ انہیں حضرت علیؓ کی خدمت میں کوفہ جانے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے زیاد بن ابیہ کو بصرہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اور خود کوفہ تشریف لے گئے۔ اس دوران حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو الحضرمی کی وساطت سے اہل بصرہ کی طرف ایک مکتوب پہنچا۔ اس میں انہوں نے اہل بصرہ کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دی تھی۔ عبداللہ بن عمرو الحضرمی قبیلہ بنی تمیم کے پاس ٹھہرے۔ بنی تمیم حضرت علی المرتضیٰؓ کی اطاعت سے برگشتہ ہو کر عبداللہ کے حامی بن گئے۔ جب یہ خبر بصرہ پہنچی تو زیاد بن ابیہ نے ایک دستہ سپاہ حالات کی درستی کے لیے روانہ کیا جس کا وہاں قبیلہ تمیم سے مقابلہ ہوا اور امیر دستہ قتل ہو گیا۔

حضرت علیؓ کے عہد میں زیاد نہایت معتمد شخص تھا اور اس کی کارکردگی اور اہم امور کی سرانجام دہی بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی۔

(۱) واقعہ احراق

جب اس واقعہ کی خبر علی المرتضیٰؓ کی خدمت پہنچائی گئی تو انہوں نے اس شورش کو ختم کرنے کے لیے جاریہ بن قدامہ تمیمی کو فوجی دستہ کے ساتھ روانہ فرمایا۔ اور جاریہ نے موقع پر پہنچ کر ان لوگوں کا محاصرہ کر لیا جن کا امیر عبداللہ بن عمرو الحضرمی تھا۔ بعدہ جاریہ بن قدامہ نے ان کو رجوع کی دعوت دی مگر وہ اپنی رائے پر قائم رہے قتال کی نوبت آئی۔ جاریہ بن قدامہ نے انہیں شکست دی اور ان کو جلا ڈالا[۱]

۲۔ واقعہ احراق

ایک واقعہ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یمن کے علاقہ میں بسر بن ارطاۃ حضرت امیر معاویہ کی طرف سے پہنچا۔ اس وقت حضرت علی المرتضیٰ کی طرف سے یمن کے حاکم عبیداللہ بن عباس تھے۔ آپؓ بسر بن ارطاۃ

---

[۱] البدایہ ص ۳۱۶ ج ۷ تحت ۳۸ھ۔

کا معاوضہ نہ کر سکے اور کوفہ چلے گئے۔ وہاں حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حالات بیان کیے تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے بسر کی سرکوبی کے لیے جاریہ بن قدامہ کو ایک جمعیت کے ساتھ روانہ فرمایا جب جاریہ بن قدامہ نجران (یمن) پہنچے تو بسر بن ارطاۃ بھاگ گیا مگر اس کے حمایتی شیعان عثمان کو جاریہ بن قدامہ نے قتل کر دیا اور آگ میں جلا دیا۔

"۔۔۔۔ فسار جاریۃ (بن قدامہ) حتی بلغ نجران فحرق بھا وقتل ناسا من شیعۃ عثمان وھرب بسر واصحابہ"[1]

جاریہ بن قدامہ کے اقدامات میں یہ احراق کے واقعات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

عبید اللہؓ بن عباس کے فرزندوں پر ظلم کا واقعہ اور اس پر نقد

اس مقام میں بقول بعض مؤرخین (طبری وغیرہم) یہ چیز ذکر کی گئی ہے کہ بسر بن ارطاۃ نے عبید اللہ بن عباسؓ کے دو صغیر السن لڑکوں کو قتل کر دیا تھا جن میں ایک کا نام عبد الرحمان اور دوسرے کا نام قثم تھا۔

اس کے متعلق قابل ذکر یہ بات ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس کی صحت میں کلام کیا ہے اور لکھا ہے کہ "وفی صحتہ عندی نظر"[2] یعنی اس واقعہ کی صحت میرے نزدیک مشکوک اور مشتبہ ہے۔

اور بسر بن ارطاۃ کے اسی واقعہ کو قدیم مؤرخ خلیفہ ابن خیاط نے اپنی تاریخ کے جلد اول میں سنہ ۴۰ھ کے تحت درج کیا ہے۔[3]

---

[1] و [2] البدایہ ابن کثیرؒ ج ۷ ص ۳۲۲ تحت سنہ ۴۰ھ

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ج ۱ ص ۱۸۲ تحت سنہ ۴۰ھ

لیکن اس میں عبیداللہ بن عباس کے فرزندوں کے قتل کا ذکر تک موجود نہیں حالانکہ یہ چیز واقعہ ہذا میں بہت اہم تھی۔

یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ بعض مؤرخین نے اس واقعہ کو المناک بنانے کے لیے اس میں اضافہ کر دیا ہے اور حضرت امیر معاویہؓ کے مطاعن میں اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اور حضرت معاویہ کے مطاعن کے جوابات مرتب کرنے کی صورت پیدا ہوئی تو اس وقت عبیداللہ مذکور کے فرزندوں کے قتل کے مسئلہ کو ضروری تشریحات کے ساتھ درج کیا جائے گا تاکہ اس واقعہ کی اصل حقیقت واضح ہو سکے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اہم مصالحت

جنگ صفین کے بعد تحکیم میں ناکامی کی صورت میں اہل شام نے حضرت امیر معاویہؓ کو اپنا امیر بنا لیا۔

اس چیز کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کے ماتحت بعض علاقوں میں بعض اوقات شورشیں ہوتی رہی ہیں (جن میں سے چند ایک کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کر دیا ہے) ان کو فرو کرنے میں حضرت علی المرتضیٰؓ مصروف کار رہے۔

آخر کار (دونوں حضرات سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ) میں باہمی صلح کے لیے مراسلت اور مکاتبت کا سلسلہ جاری ہوا جسے مؤرخین نے اپنے اپنے انداز میں ذکر کیا ہے۔

انجام کار سنہ ۴۰ھ میں ان دونوں حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان درج ذیل نکات پر صلح ہو گئی جس کو معاہدہ جنگ بندی کہا جا سکتا ہے۔

۱۔ ملک عراق اور اس کے ملحقات حضرت علی المرتضیٰؓ کے تحت الحکم ہوں گے۔

۲۔ ملک شام اور اس کے ملحقات حضرت امیر معاویہؓ کے ماتحت ہوں گے۔

۳۔ کوئی فریق دوسرے فریق کے علاقہ پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کرے گا۔

۴۔ ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال کرنے سے گریز کریں گے

فریقین کے درمیان اس معاملہ پر پختہ عہد ہو گیا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس مصالحت کے شاہد تھے۔

جیساکہ ابن جریر الطبری نے مصالحت ہذا کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے :

"..... وفی ھٰذہ السنة (سنہ ۴۰ھ) جرت بین علیؓ ومعاویةؓ المهادنة بعد مکاتبات یطول ذکرها علی وضع الحرب بینهما ان یکون ملك العراق لعلیؓ ولمعاویة الشام۔ ولا یدخل احدهما علی صاحبه فی عمله بجیش ولا غارة ولا غزوة ..... وامسك کل واحد منهما عن قتال الآخر۔ وبعث الجیوش الی بلادہ واستقر الامر علی ذالك" [1]

اور ابن کثیرؒ نے مزید لکھا ہے کہ :

وانه (ابن عباسؓ) کان شاهداً للصلح "[2]

مختصر یہ ہے کہ واقعۂ تحکیم کے بعد چند واقعات حضرت علی المرتضیٰؓ کے عہد خلافت میں پائے جاتے ہیں جن میں فریقین کے درمیان منافشات اور معارضات پیش آتے رہے اور بعض اوقات شدت معارضہ میں باہمی قتال تک نوبت پہنچتی رہی۔

لیکن انجام کار ان کشیدہ حالات کی اصلاح کے لیے فریقین کی باہمی مصالحت ومہادنت

---

[1] و [2] (۱) تاریخ لابن جریر الطبریؒ ص ۸۱ ج ۶ تحت سنہ ۴۰ھ

(۲) البدایہ لابن کثیرؒ ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ بحوالہ ابن جریرؒ۔

(۳) الکامل لابن اثیر الجزری ص ۱۹۳ ج ۳ طبع مصر تحت سنہ ۴۰ھ

(۴) المنتظم لابن الجوزی ص ۲۹ جلد ۳۔

ہوگئی۔ یہ مصالحت سنہ ۴۰ھ میں ہوئی تھی۔

پھر اس کے بعد اسی سال (رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ) میں خوارج کے ہاتھوں حضرت علی المرتضیٰؓ کی المناک شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ جس کا ذکر عنقریب اپنے موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ کیا جائے گا۔

فضائل و مناقب

آیاتِ قرآنی

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ قرآن مجید کی وہ آیات جن میں فضائل صحابہ کرامؓ ذکر کئے گئے ہیں ان آیات کے مصداق جس طرح دیگر صحابہ کرام ہیں اسی طرح حضرت علی المرتضیٰؓ بھی ہیں۔ خصوصاً وہ آیات جن میں مہاجرین کرامؓ کی مدح و ثنا کے ساتھ ان کا استحقاقِ خلافت بیان فرمایا گیا ہے ان آیات کے مفہوم اور استحقاق خلافت میں آنجنابؓ شامل ہیں اور صحیح مصداق ہیں۔ اس نوع کی آیات قرآنی کا کافی ذخیرہ ہے۔

اوّل: وہ آیت جس میں اعلیٰ فضائل و درجات مذکور ہیں۔

۔۔۔۔ والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار
والذين اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه
واعد لهم جنّات تجری تحتها الانهار خالدين فيها
ابدا ذالك الفوز العظيم (سورة توبه۔ پ۱۱)

ترجمہ: "اور جو لوگ قدیم الاسلام ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیروکار ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں۔ رہا کریں ان میں ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی۔"

آیت ہذا کے مدلول کی روشنی میں درج ذیل فضائل و کمالات بصراحت مذکور ہیں۔

۱۔ السابقون الاولون : دین اسلام میں داخل ہونے کے شرف میں سبقت کرنے والے اور قدیم الاسلام ہیں۔

۲۔ المہاجرین : فضیلت ہجرت کے ساتھ موصوف ہیں جو اسلام میں ایک اعلیٰ اور امتیازی منصب ہے۔

۳۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ : اللہ تعالیٰ کا ان پر راضی ہونا اور ان کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا ان کے حق میں بشارت عظمیٰ ہے۔

۴۔ اعد لھم جنّٰت : دخول جنت کی نعمت ان کے لیے دائمی ہے۔

الفوز العظیم : مذکورہ چیزیں ان کے حق میں عظیم کامیابی کی سند ہیں۔

دیگر صحابہ کرام کے ساتھ ان سب امور کے مصداق سیدنا علیؓ بن ابی طالب بھی ہیں اور مذکورہ اوصاف و فضائل کے ساتھ متصف ہیں۔

دوم : ذیل آیت وعدۂ خلافت کے متعلق ہے جو موجودہ مؤمنین صالحین کے ساتھ کیا گیا ہے۔

۔۔۔۔۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکننّ لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امنا۔ یعبدوننی لایشرکون بی شیئا۔ ومن کفر بعد ذالک فاولٰئک ھم الفٰسقون۔

(سورۃ نور پ۱۸)

ترجمہ : وعدہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کیے ہیں البتہ حاکم کر دے گا ان کو ملک میں

جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے پہلے لوگوں کو۔ اور جما دے گا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کیا ان کے لیے۔ اور ان کو امن دے گا ان کے خوف کے بدلہ میں۔ میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرے ساتھ کسی چیز کو اور جو ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔"

مندرجہ بالا آیت کریمہ کے مفہوم سے صحابہ کرامؓ کے حق میں درج ذیل فضائل ومناقب مستخرج ومستنبط ہیں۔

۱۔ استخلاف : اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ خلافت کا وعدہ فرمایا ہے جس طرح کہ سابقہ امم کو خلافت کے شرف سے نوازا گیا تھا۔

۲۔ تمکین : جو دین ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے ان کو اس دین کے قیام کی خاطر تمکین فی الارض یعنی قدرت نصیب ہوگی۔

۳۔ امن : اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو امن میں تبدیل فرما دے گا (یعنی دین اسلام غالب آجائے گا اور مخالفین سے خطرات ختم ہوجائیں گے)۔

۴۔ توحید : یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

۵۔ کفران نعمت پر وعید : جو ان حالات کے بعد کفران نعمت کرے گا وہ فساق میں شمار کیا جائے گا اور بے دینی کی راہ پر ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ آیات قرآنی کا ایک ذخیرہ موجود ہے جن میں سابقین مہاجرین کے لیے فضل وکمال، رضائے خداوندی کی سند اور خلافت کا حصول نیز جنت کی بشارتیں وغیرہ اشیاء مذکور ہیں۔ ان سب میں دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰؓ بطریق احسن شامل وشریک ہیں۔

فلہذا جناب سیدنا علی المرتضیٰؓ کے فضل وکمال اور علو مرتبت میں کوئی شک وشبہ تک نہیں جس جماعت کی اللہ تعالیٰ خود مدح وثنا فرمائیں ان کی فضیلت سے انکار کرنا دین سے برگشتگی اور اسلام سے روگردانی کے مترادف ہے۔

احادیث نبویؐ

اسی طرح امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کے بہت سے فضائل احادیث نبویؐ میں صحیح اسانید کے ساتھ موجود ہیں۔

ان میں سے چند ایک روایات اختصاراً ذیل میں پیش کی جاتی ہیں اگرچہ قبل ازیں ان کا ذکر اپنے اپنے موقعہ پر ہو چکا ہے۔

اوّل : غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے جہاد میں شرکت سے متخلف ہونے کی پریشانی کا ازالہ فرماتے ہوئے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تسلی کے ارشاد فرمایا:

"۔۔۔۔ اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی"۔[1]

یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس موقعہ پر) حضرت علی المرتضیٰؓ سے فرمایا کہ آپ کیا پسند نہیں کرتے کہ میری جانب سے اس مقام پر ہوں جس مقام پر ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تھے مگر بات یہ ہے کہ کوئی نبی میرے بعد نہیں ہوگا۔

اس فرمان نبوت میں جناب علی المرتضیٰؓ کے لیے ایک عظیم منصب کا ذکر فرمایا گیا ہے

---

[1] (۱) بخاری شریف جلد اول ص ۵۲۶ تحت مناقب علی بن ابی طالبؓ۔ طبع دہلی۔

(۲) مسلم شریف ص ۲۷۸ جلد ثانی باب فضائل علیؓ۔ طبع دہلی۔

کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی نسبت سے جناب علیؓ کی وقتی نیابت کی فضیلت بیان فرمائی۔

لیکن دائمی نیابت و خلافت مراد نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں اس کی وضاحت بیان کردی گئی ہے۔

دوم : حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں غدیر خم کے مقام پر بعض شکایات کے ازالہ کے لیے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

----- من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

"یعنی جس شخص کے لیے میں محبوب اور دوست ہوں پس علی بن ابی طالب اس کے محبوب اور دوست ہیں"

اس مقام پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے معترضین کے اعتراضات کا ازالہ فرمایا گیا۔ اور حضرت موصوف کے ساتھ دوستی اور محبت کی ترغیب دلائی گئی یہ چیز جناب علیؓ کے لیے شرف بالائے شرف ہے۔ اور قبل ازیں اس روایت کی تشریح بقدر کفایت حجۃ الوداع کے بعد درج کی جا چکی ہے وہاں رجوع فرمالیں۔

حضرت عمرؓ کا ایک قول

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آخری اوقات میں ایک اہم ارشاد فرمایا تھا وہ ناظرین کرام کے پیش خدمت ہے۔

----- عن عمرؓ قال : ما احد احق بھذا الامر من ھؤلاء النفر الذین توفی رسول صلی اللہ علیہ وسلم وھو راض فسمّٰی علیاً و عثمانؓ والزبیرؓ

وطلحۃؓ وسعدؓ وعبدالرحمٰنؓ" (رواہ البخاری) [1]

یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ یعنی (مسئلہ خلافت) میں ان افراد حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ (بن عوام) حضرت طلحہؓ (بن عبیداللہ) حضرت سعدؓ (بن ابی وقاص) اور حضرت عبدالرحمٰنؓ (بن عوف) (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے بہتر کوئی شخص زیادہ حق دار نہیں (کیونکہ) یہ وہ افراد ہیں جن سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رضا مند ہو کر اس عالم سے رخصت ہوئے۔

مختصر یہ ہے کہ اپنی قابلیت وصلاحیت کے علاوہ ان حضرات کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کی سند فضیلت بھی حاصل ہے اور ان حضرات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر نمایاں طور پر موجود ہے اور یہ آپؓ کے مقام رفعت کا بیّن ثبوت ہے۔

فضائل علوی کا اجمالی خاکہ

اسی طرح سیدنا علی المرتضیٰؓ کے فضائل وکمالات احادیث نبویؐ میں صحیح اسانید کے ساتھ بہت مواقع میں مذکور ہیں ان کا احصاء اور شمار کر لینا ایک مشکل امر ہے تاہم ذیل میں چند ایک فضائل ایک نظر میں اجمالاً پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام صحابہ کرامؓ کا اپنی اپنی نوعیت کی صورت میں جس طرح تعلق قائم ہے اور رابطہ عقیدت مستحکم ہے۔ اسی طرح سیدنا علی المرتضیٰؓ کا نسبی تعلق اور خاندانی انتساب قائم ہے۔

(۲) جناب علی المرتضیٰؓ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ مقدس کی سربرآوردہ شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ آپؓ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے۔

---

[1] بخاری شریف ص۵۲۴ ج اول باب قصۃ البیعۃ

(۳) امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ شفقت میں ابتدا ہی سے تربیت پانے کا شرف حاصل ہے۔

(۴) ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقعہ پر سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر آنجناب صلعم کے حکم کی تعمیل میں استراحت کرنے کی فضیلت ان کو نصیب ہوئی اور نبی اقدس علیہ وسلم کے ودائع اور امانات کو متعلقہ لوگوں تک پہنچانے کی سعادت ان کو حاصل ہوئی۔

(۵) اسلام میں ہجرت مدینہ کی عظیم فضیلت سے آپ کا مشرف ہونا مسلمات میں سے ہے۔ آنجناب مہاجرین کاملین سے ہیں۔

(۶) مشہور مشہور غزوات (غزوہ بدر، احد، احزاب وغیرہ) میں آپؓ کے شجاعانہ کارنامے مشہور ہیں۔ خصوصاً جنگ خیبر میں آپؓ کے ہاتھوں آخری قلعہ (قموص) کے فتح ہونے کی بشارت ان کے لیے اسلام میں مشہور و معروف ہے۔ اسی بنا پر فاتح خیبر ہونے کا لقب عوام و خواص کی زبانوں پر پایا جاتا ہے۔

(۷) آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے مختلف مواقع (بیعت رضوان وغیرہ) میں آپؓ کا شامل ہو کر مستفیض ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

(۸) امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کا سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی ہونا اور دیگر کئی مکاتیب و وثائق کا محرر ہونا امر مسلم ہے۔

(۹) اسلام میں "عشرہ مبشرہ" حضرات کا مقام دیگر افراد امت سے بہت رفیع ہے ان میں جناب علی المرتضیٰؓ شریک و شامل ہیں اور زبان نبوت کے ذریعہ انہیں جنت کی بشارت حاصل ہے۔

(۱۰) سنہ ۹ھ میں جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سورۃ براۃ (توبہ) کی بعض آیات

کی تبلیغ کے منصب پر فائز فرمایا اور آپ نے مکہ مکرمہ جاکر اس فریضہ کا حق ادا کیا۔

(۱۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری اوقات میں تیمار داری کے فرائض سرانجام دینے کا شرف حاصل ہوا۔

(۱۲) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دیگر اکابر صحابہ کرام کی معیت میں غسل نبوی کی متعلقہ خدمات تکمیل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

(۱۳) سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت وخلافت راشدہ کے اعلیٰ مناصب میں آپ کو راشد خلیفہ رابع ہونے کا ارفع منصب نصیب ہے اور آنے والے تمام خلفاء امت پر فوقیت قائم ہے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ قلیل سے فضائل اختصاراً ذکر کیے ہیں اب ان کا اختتام ان کلمات پر ہم کرنا چاہتے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے آنجناب کی فضیلت میں اجمالاً بیان کیے ہیں۔

شاہ صاحب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں فرماتے ہیں کہ:

"۔۔۔۔۔ باید دانست کہ شبہ نیست کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ از افاضل امت است و خدا تعالیٰ در وی وجوہ فضیلت بے حساب جمع کردہ است از ورع وشجاعت وحضور مشاہد خیر وقرب نسب ومحبت کاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وشدت در امر خدا تعالیٰ وتابع امر الحق شدن وزہد در دنیا کردن وغیر آن"[1]

یعنی اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ امت کے اولین کاملین میں سے ہیں خدا تعالیٰ نے ان میں بے حساب شرف وفضیلت کی اقسام جمع فرمادی ہیں مثلاً

---

[1] (۱) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص۲۸۴ تحت بحث فضائل علوی۔ طبع مجتبائی دہلی۔

(۲) ازالۃ الخفا کامل ص۲۶۵ مقصد دوم تحت فضائل علوی۔ طبع اول بریلی۔

پرہیزگاری، تقویٰ اور بہادری اور مشاہد خیر میں حاضر رہنا اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی قرابت اور محبت کاملہ اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں شدید ہونا اور حق بات کے تابع رہنا اور دنیا کا تارک اور زاہد ہونا وغیرہ وغیرہ۔

نیز اکابر صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک، یہ بات مشہور ہے کہ بزرگان دین کے بیشتر سلاسل کا مرکز فیض اور مصدر سند جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے اور یہاں سے فیوض و برکات نبوی جاری ہیں۔

تنبیہ

اہل تحقیق کی خاطر یہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" جلد سابع (طبع اول) کے آخر میں ص۲۲۲ سے ص۳۶۱ تک حضرت علی المرتضیٰؓ کے واقعہ شہادت اور آپؓ کی اولاد شریف کا ذکر کرنے کے بعد آپ کے فضائل کے لیے ایک مستقل باب باندھا ہے۔ اس باب میں فضائل کی بہت سی چیزیں ذکر کی ہیں اور ساتھ ساتھ قابل نقد چیزیں بھی بیان کر دی ہیں۔ گویا اہل علم کے لیے بہت سی مفید چیزیں نقد و تحقیق کے بعد یکجا سامنے آگئی ہیں۔

گزشتہ سطور میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے چند ایک مسلّم فضائل و کمالات اجمالاً و اختصاراً ذکر کیے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے فضائل و کمالات کتابوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں جیسا کہ امام احمدؒ اور دیگر علماء کبار سے منقول ہے۔

حافظ ابن حجرؒ عسقلانی فتح الباری میں اس کو نقل کرتے ہیں کہ

"..... لم یرد فی حق احد من الصحابة بالاسانید الجیاد اکثر ما جاء فی علیؓ"[1]

---

[1] فتح الباری ص۵۷ ج۷، باب مناقب علیؓ بن ابی طالب۔

یعنی صحابہ کرامؓ میں سے کسی صحابیؓ کے حق میں اتنی کثیر عمدہ روایات وارد نہیں ہوئیں جتنی حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں پائی گئی ہیں۔

کثرت فضائل کا سبب

آپ کے فضائل و مناقب میں روایات کی کثرت کی وجہ بیان فرماتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ آپؓ کے مخالفین کی کثرت تھی۔ بعض مخالفین آپ کے فضائل و مناقب کے منکر تو نہ تھے مگر ان کا اختلاف سیاسی نوعیت کا تھا۔ اور بعض مخالفین آپ کی مخالفت میں انتہا درجہ کے متشدد تھے اور سیاسی و مذہبی اختلاف میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ شدید عناد اور بغض رکھتے تھے ان لوگوں کو خوارج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اس مخالفت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور دیگر اکابر حضرات نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے فضائل و کمالات کی روایات کو خوب واضح کیا اور ان روایات کا بار بار اعادہ کیا تاکہ مخالفین حضرت علیؓ کے اعتراضات کا مکمل جواب ہو سکے۔ اس طرح بہ طریق کار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں کثرت روایات کا موجب ہوا۔ اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے فضائل میں افراط اور غلو کی راہ اختیار کی اور اس معاملہ میں حد سے متجاوز ہو گئے۔ ان لوگوں کو روافض کہا جاتا ہے۔

فضائل میں غلو

علماء نے لکھا ہے کہ جتنا قدر اس امت میں حضرت علی المرتضیٰؓ پر جھوٹ لگایا گیا ہے اس قدر کسی شخصیت پر جھوٹ نہیں باندھا گیا۔ اس سلسلہ میں حافظ ذہبیؒ نے عامر الشعبی کا قول بالفاظ ذیل نقل کیا ہے۔

---"ما کذب علی احد من ھذہ الامۃ ما کذب علی علیؓ"۔[1]

---

[1] (۱) تذکرۃ الحفاظ للذہبیؒ ص ۸۲ ج ۱ تحت ذکر ابو عمرو عامر الشعبی۔

(۲) میزان الاعتدال للذہبیؒ ص ۲۰۲ ج ۱ تحت تذکرہ الحارث بن عبداللہ الاعور طبع قدیم مصر۔

اسی طرح حافظ ابن قیمؒ نے کتاب "المنار المنیف" میں ابو یعلیٰ الخلیلی کا قول "کتاب الارشاد" سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"..... قال الحافظ ابو یعلی الخلیلی فی "کتاب الارشاد" وضعت الرافضة فی فضائل علیؓ واهل البیت نحو ثلاث مائة الف حدیث"

یعنی حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کے فضائل میں رافضیوں نے تین لاکھ کے قریب روایات وضع کر کے چلا دی ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ اس قول کی تائید میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"..... ولا تستبعد هذا فانك لو تتبعت ما عندهم من ذالك لوجدت الامر کما قال"

یعنی اس (بات کو) بعید نہ جاننا چاہیے کیونکہ اگر تم اس مواد کا تتبع اور جستجو کرو جو ان لوگوں کے پاس موجود ہے تو تم اس معاملے کو اسی طرح پاؤ گے جیسا کہ (ابو یعلی الخلیلی) نے کہا ہے۔

شیعہ کی طرف سے تائید مسئلہ ہٰذا کے متعلق بعض شیعہ علماء نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں کثرت سے دروغ تصنیف کیا گیا ہے اور جماعتی عصبیت نے ایسی روایات کو جنم دیا ہے جن کی کوئی اصل نہیں اور وہ بالکل بے سروپا ہیں۔

چنانچہ شارح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید الشیعی معتزلی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس مضمون کی تصریح کر دی۔

"..... ولکن الشان فی تصحیح ما یروی عنه علیه السلام فقد اکثر الکذب علیه وولدت العصبیة

احادیث لا اصل لہا"۔[1]

حضرت علیؓ کے ارشادات

زیر بحث مسئلہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے اپنے بیانات شیعہ سنی (دونوں فریق) کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کو بہ نظر غائر ملاحظہ فرمائیں۔

اہل سنت کے نزدیک

حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ میرے متعلق لوگ (محبت میں) افراط اور (حقوق) میں تفریط کریں گے۔ اور یہ دونوں قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔

① ......عن ابی مریم قال سمعت علیاً یقول یہلک فی رجلان مفرط فی حبی و مفرط فی بغضی"۔[2]

۲۔ اور یہی مسئلہ جناب مرتضیٰؓ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دوسرے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: اس روایت میں اس طرح ہے کہ:

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں ارشاد فرمایا کہ: تمہاری مثال ایسی ہے جیسی عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے نہایت مبغوض سمجھا حتیٰ کہ اس کی والدہ پر بہتان لگا دیا اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی حد سے زیادہ محبت کی حتیٰ کہ انہوں نے اس مقام اور منزلت میں اتار اجو ان کے شان کے شایاں نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میرے حق میں بھی دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے ایک وہ لوگ جو محبت میں افراط اور زیادتی کرنے والے ہیں اور وہ مدح سرائی کرتے ہیں جس کا میں اہل نہیں ہوں۔

اور دوسرے وہ لوگ ہلاک ہوں گے جنہیں میرے ساتھ عداوت اور بغض ہے اس

---

[1] شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید ص ۴۳۲ ج ۴ تحت فی ترجمہ عمار و فی مدح القناعۃ والعقل طبع بیروت قدیم

[2] کتاب السنۃ لامام احمدؒ ص ۲۰۴ طبع اول۔ مکہ مکرمہ۔

بنا پر انہوں نے مجھ پر بہتان باندھ رکھا ہے۔

(۲) ۔۔۔۔۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیك مثل من عیسیٰ ابغضته الیھود حتی بھتوا امه واحبته النصاریٰ حتی انزلوہ بالمنزلة التی لیست له۔

ثم قال (علیؓ) یھلك فی رجلان محب مفرط یقرظنی بما لیس فی۔ و مبغض یحمله شنأنی علی ان یبھتنی۔ رواہ احمد [۱]

شیعہ کے نزدیک مسئلہ مذکورہ کے متعلق حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرامین شیعہ کی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بقدر ضرورت چند ایک حوالے پیش خدمت ہیں۔

نہج البلاغة میں علی المرتضیٰؓ کا فرمان موجود ہے جس میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں مدح سرائی میں مبالغہ کرنے کے متعلق وعید موجود ہے نیز حضرت علیؓ کے حق میں ان کے حقوق کی کوتاہی کرنے اور تنقیص کرنے کے متعلق حضرت علیؓ کی زبان سے زجر و توبیخ منقول ہے۔

۔۔۔۔۔" قال علیہ السلام یھلك فی رجلان محب مفرط و باھت مفتر (وھذا مثل قوله علیہ السلام) ھلك فیّ رجلان محب غال و مبغض قال" [۲]

یعنی حضرت علیؓ فرماتے ہیں میرے حق میں دو شخص ہلاک ہوں گے ایک جو محبت

---

[۱] مشکوٰۃ شریف ص۵۶۵ باب مناقب علی۔ الفصل الثالث۔ بحوالہ احمدؒ

[۲] (۱) نہج البلاغة ص۲۴۳ ج۲ تحت اقوال علی المرتضیٰؓ۔ طبع مصر۔

(۲) امالی شیخ صدوق ص۳۷۴ تحت مجلس ۸۹ طبع قدیم۔

میں افراط اور زیادتی کرنے والا ہے اور دوسرا جو مجھ پر بہتان اور افتراء باندھنے والا ہے۔
مختصر یہ ہے کہ محب غالی اور بغض و عداوت رکھنے والا دونوں ہلاک ہوں گے۔

الحاصل

مندرجات بالا میں حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰؓ کے فرامین کی روشنی میں یہ مسئلہ واضح کردیا گیا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل و حقوق میں لوگوں کی طرف سے بہت افراط اور تفریط کی گئی ہے۔ اور یہ امر شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے فضائل میں غلو کرنے والے طبقے سے خود حضرت علی المرتضیٰؓ نے براءۃ کا ذکر کیا ہے اور تفریط کرنے والے طبقے سے بھی اظہار نفرت فرمایا ہے۔

ان طبقات کے درمیان "اہل السنت والجماعت" کا طریقہ نہایت بہتر اور متوسط ہے۔ وہ نہ اس مسئلہ میں غلو کے قائل ہیں اور نہ ہی شان مرتضوی میں تقصیر و تفریط کو جائز سمجھتے ہیں "خیر الامور اوسطھا" کے قاعدہ کے مطابق ان کا طریقہ صحیح ہے۔ اور بین الافراط والتفریط ہے۔

چنانچہ اہل السنۃ کے مسلک اعتدال کی تائید میں اس موقعہ پر ہم حضرت علی بن الحسین (سیدنا زین العابدینؒ) کا فرمان ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

...... عن یحیٰی بن سعید قال کنا عند علی بن الحسین فجاء قوم من الکوفیین فقال علی یا اھل العراق احبونا حب الاسلام سمعت ابی یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ایھا الناس لا ترفعونی فوق قدری فان اللہ اتخذنی عبداً قبل ان یتخذنی نبیاً۔ [1]

---

[1] المستدرک للحاکم مع التلخیص للذھبی ص ۱۷۹ ج ۳ تحت کتاب معرفۃ الصحابۃؓ

یعنی یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضرت زین العابدین کی خدمت میں موجود تھے اس اثناء میں کوفیوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی (امام زین العابدینؒ ان لوگوں کی غلو عقیدت سے واقف تھے) تو حضرت زین العابدین نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اہل عراق تم لوگ اسلام کے قاعدے کے مطابق ہمارے ساتھ محبت رکھا کرو۔ (غلو سے کام نہ لیا کرو) اور فرمایا کہ میں نے اپنے والد گرامی (سیدنا امام حسینؓ) سے سنا ہوا ہے کہ وہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! ہمارے مرتبے سے ہم کو بلند نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا ہے"۔

فلہذا "فرمودات نبوی" اور "آئمہ کرام کے بیانات" کی روشنی میں مسئلہ ہذا میں کمی بیشی اور افراط و تفریط کی راہ نہیں اختیار کرنی چاہیے۔ اور روافض اور خوارج و نواصب کے طریقے کو متروک کر کے جادہ اعتدال پر قائم رہنا چاہیے۔

افتاء و قضاء

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقام صحابہ کرامؓ میں بہت بلند ہے اور آنجناب ؓ مختلف اوصاف جمیلہ کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سرشت میں بے شمار کمالات ودیعت فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک افتاء و قضاء کی اعلیٰ صلاحیت ہے۔

چنانچہ ہم آئندہ سطور میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی اس صفت کاملہ کے متعلق چند چیزیں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اصل مسئلہ سے قبل تمہیدی چیزوں میں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ علی المرتضیٰؓ کی اس فن میں مہارت کا اصل باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مبارک ہے جو ان کے حق میں اکسیر

ثابت ہوئی اور اس کی تاثیر کی وجہ سے امت مسلمہ کو فوائد حاصل ہوئے۔

دعائے نبوی صلعم

احادیث اور روایات کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک بار نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو یمن کی طرف روانہ کرنے کا قصد فرمایا تاکہ آپؓ وہاں جاکر لوگوں میں تنازعات کے فیصلہ کرنے کا کام سرانجام دیں۔

تو اس موقعہ پر جناب علی المرتضیٰؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ میں اس میدان میں نو وارد شخص ہوں۔ مجھے قضاء کے معاملہ میں معلومات نہیں ہیں میں ان لوگوں کے درمیان کس طرح فیصلہ کر سکوں گا؟ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے سینہ پر اپنا دست مبارک لگایا اور ان کے حق میں شرح صدر کی دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کے دل کو ہدایت دینا اور ان کی زبان کو درست رکھنا اور ساتھ ہی اس مسئلہ کے بنیادی ضوابط تعلیم فرمائے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب بھی مجھے دو شخصوں کے درمیان قضاء اور فیصلہ کا موقع ملا ہے تو مجھے کبھی تردد نہیں ہوا اور معاملہ فہمی میں کبھی کوئی اشکال نہیں رہا۔

"۔۔۔۔ عن علیؓ قال بعثنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اهل الیمن لاقضی بینهم : قلت یارسول اللہ! انی لا علم لی بالقضاء فضرب بیده علی صدری وقال اللهم اهد قلبه وسدد لسانه۔ قال فما شککت فی قضاء بین اثنین حتی جلست مجلسی هذا۔" [1]

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۱۷۶ ج ۱۰ تحت کتاب اقضیۃ رسول اللہ صلعم۔ طبع کراچی

(۲) المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۵۸ ج ۱۲ تحت کتاب الفضائل۔ طبع کراچی۔

(۳) طبقات لابن سعد ص ۱۰۱ ج ۲ القسم الثانی تحت ذکر علی بن ابی طالب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قضاۃ کے لیے ضوابط

(۱) دعاء کے بعد اسی موقعہ پر سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو قضاء کے متعلق بعض بنیادی ضابطے تعلیم فرمائے تھے وہ یہ ہیں کہ : "جب آپؐ کے پاس دو فریق کوئی تنازعہ لے کر پیش ہوں تو تم کسی ایک فریق کا کلام سن کر فیصلہ نہ کرنا جب تک کہ تم دوسرے فریق کا بیان نہ سن لیں" تو حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ : قضا کے معاملہ میں اس ضابطہ پر میں ہمیشہ کاربند رہا ہوں۔ اور میرے لیے قضا کا مسئلہ خوب سہل رہا ہے کبھی اشکال نہیں پیش آیا۔

(۱) ...... عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

اذا تقاضی الیک رجلان فلا تقض للاول حتی تسمع ما یقول الآخر۔ فانک سوف تری (کیف تقضی) قال علی:

فما زلت بعدھا قاضیاً" لہ

قضاء کے باب میں اسلامی آئین میں ضابطہ بالا کے تحت ہمیشہ فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اور فقہاء اور ائمہ کرامؒ کی تعلیمات میں ضابطہ ہذا کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلام کے ہر دور میں اس کی روشنی میں اسلام کے قاضی فیصلے کرتے چلے آئے ہیں۔

اسی طرح دیگر روایت میں ہے کہ :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کا) (۴) المستدرک للحاکم ص ۱۳۵ ج ۳ تحت کتاب معرفۃ الصحابۃ۔

(۵) مسند لامام احمدؒ ص ۱۵۶، ۱۳۶ جلد اول تحت مسندات علی بن ابی طالب۔

لہ (۱) المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۱۷۶ ج ۱۰ کتاب اقضیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ طبع کراچی۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۲۹۱ ج ۶ تحت کتاب البیوع والاقضیۃ۔ طبع کراچی۔

(۳) مسند لامام احمدؒ ص ۹۰ ج ۱ تحت مسندات علی بن ابی طالب

(۴) طبقات لابن سعد ص ۱۰۱ ج ۲ القسم الثانی۔ تحت علی بن ابی طالب۔

(۲) ۔۔۔۔۔۔ عن عبد اللہ بن عبد العزیز العمری قال استعمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب علی الیمن قال علی رضی اللہ عنہ : دعانی فاوصانی وقال لی قدم الوضیع قبل الشریف وقدم الضعیف قبل القوی وقدم الرجال علی النساء" [1]

یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یمن کے علاقہ پر حضرت علی المرتضیٰ کو عامل و حاکم بنا کر روانہ فرمانے لگے تو علی المرتضیٰؓ کو بلوا کر متعلقہ ہدایات ارشاد فرمائیں ۔

فرمایا کہ (معاملات) میں شریف آدمی سے معمولی آدمی کو اور قوی آدمی سے ضعیف آدمی کو مقدم رکھنا اور مردوں کو خواتین پر مقدم قرار دینا ۔

ان نصائح کے ذریعے معاشرتی زندگی کے آئین اور قضاء کے ضوابط معلوم ہوئے ۔ اور کمزور و ضعفاء افراد کے حقوق کی مراعات کو ملحوظ رکھا گیا ۔

عہد نبوت میں قضاء و افتاء کا مسئلہ

صحابہ کرام کی جماعت میں اکابر حضرات بڑی بڑی صلاحیتوں کے حامل تھے ۔

اور اسی بنا پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کو مختلف مناصب پر حسب حیثیت فائز فرماتے تھے ۔ چنانچہ محدثین اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ عہد نبوت میں افتاء کا کام حضرت صدیق اکبر حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سپرد تھا اور یہ چاروں حضرات عہد نبوی صلعم میں مفتی تصور کیے جاتے تھے اور مسلمان ان حضرات کی طرف اپنے مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے تھے ۔

چنانچہ قاسم بن محمد ذکر کرتے ہیں:

---

[1] المراسیل لابی داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی ص ۴۲ (طبع مصر) تحت (ما جاء فی القضاء)

..... قال: كان ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ یفتون علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" [1]

ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین کی ابتداء میں ذکر کیا ہے کہ اس عہد میں افتاء کے منصب پر صحابہ کرامؓ میں سے سات حضرات فائز تھے اور فتوی کے باب میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ان حضرات میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی نمایاں حیثیت تھی۔

..... "وکان المکثرون منهم سبعة عمر بن الخطابؓ وعلیؓ بن ابی طالب وعبداللہ بن مسعودؓ وعائشة ام المؤمنین زید بن ثابتؓ عبداللہ بن عمرؓ وعبداللہ بن عباسؓ" [2]

خلافت راشدہ میں فقہی و علمی مذاکرات

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعد صحابہ کرامؓ کے دور میں ان حضرات نے علمی و فقہی مسائل میں مذاکرات کے لیے مختلف حلقے قائم کئے ہوئے تھے۔ ان حلقوں میں چند اکابر حضرات مجتمع ہوتے تھے اور آپس میں مسائل پر گفت و شنید کرتے اور علمی بحث و تمحیص کی اگر ضرورت ہوتی تو وہ بھی کی جاتی تھی۔

بعض مصنفین کی روایت کے مطابق ان میں دو حلقے زیادہ مشہور تھے ایک حلقہ اس طرح قائم تھا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابتؓ یہ حضرات باہم فقہی مذاکرات کرتے تھے۔ اور دوسرا حلقہ اس طرح قائم تھا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ابوموسیٰ الاشعریؓ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم یہ حضرات ایک دوسرے کے سامنے علمی و فقہی مسائل پیش کرتے تھے۔

---

[1] طبقات لابن سعد ص 49 ج 2 القسم الثانی تحت ذکر من کان یفتی بالمدینة ویقتدی به۔

[2] اعلام الموقعین لابن قیمؒ ص 5 ج 1 طبع قدیم دہلی۔

اس طریقہ کے ذریعے پیش آمدہ مسائل منقح ہو جاتے تھے اور اس کی روشنی میں مسائل بیان کئے جاتے تھے۔

(۱) ..... "عن عامر انہ قال: تفقہ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستۃ رھط۔ ثلاثۃ منھم یلقی بعضھم علی بعض وثلاثۃ منھم یلقی بعضھم علی بعض۔ فکان ابن مسعود وعمر بن خطاب وزید بن ثابت یلقی بعضھم علی بعض وکان علی بن ابی طالب وابو موسیٰ الاشعری وابی بن کعب یلقی بعضھم علی بعض" ؎۱

(۲) ..... "اخبرنا ابو حنیفۃ عن الھیثم عن الشعبی قال کان ستۃ من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم تیذاکرون الفقہ منھم علی بن ابی طالب وابی وابو موسیٰ علی حدۃ وعمر وزید وابن مسعود" ؎۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ صحابہؓ میں سے باہم فقہی مذاکرات کیا کرتے تھے حضرت علی المرتضیٰؓ اور ابی بن کعبؓ ابو موسیٰ اشعریؓ کا ایک حلقہ تھا۔
اور حضرت عمرؓ زید بن ثابتؓ عبداللہ بن مسعود کا دوسرا حلقہ تھا اور ان حضرات کے درمیان مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات ہوتا تھا۔

؎۱ کتاب الآثار لامام ابی یوسف الانصاری ص۲۱۲ تحت باب۳۴ الغزو والجیش۔ طبع بیروت

؎۲ کتاب الآثار لامام محمد الشیبانی ص۱۴۵ طبع قدیم انوار محمدی لکھنو (تحت باب فضائل الصحابۃ ومن اصحاب النبی صلعم من کان تیذاکر الفقہ)
کتاب الآثار لامام محمد ص۱۹۰ باب فضائل الصحابہ۔ طبع کراچی۔

خلافت راشدہ میں اہم مناصب

خلافت راشدہ کے عہد میں اکابر صحابہ کرامؓ کو ان کی اہلیت و صلاحیت کی بنا پر خلیفہ راشد کی طرف سے اہم مناصب تفویض کیے جاتے تھے اور ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی فراست کاملہ سے لوگوں کو تلقین اور ترغیب دلاتے تھے۔

اس سلسلہ میں محدثین نے حضرت عمر فاروقؓ کا ایک خطبہ نقل کیا ہے۔ جو آپؓ نے "جابیۃ" کے مقام پر اپنے کارکنوں اور دیگر اہل اسلام کے اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا۔ وہ اس طرح ہے کہ:

---- ان عمر بن الخطاب خطب الناس بالجابیۃ فقال فی خطبتہ من جاء یسأل عن القرآن فلیأت ابیّ بن کعب ومن جاء یسأل عن الحلال والحرام فلیأت معاذ بن جبل ومن جاء یسأل عن الفرائض فلیأت زید بن ثابت ومن جاء یسأل عن المال فلیأتنی فان اللہ جعلنی خازنا وقاسما الا وانی بادئی بازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمعطیھن ثم بالمھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم ثم انا واصحابی ثم بالانصار الذین تبوؤا الدار والایمان من قبلھم ثم من اسرع الی الھجرۃ اسرع الیہ العطاء ومن ابطاء عن الھجرۃ ابطاء عنہ العطاء"۔ [1]

---

[1] (۱) کتاب السنن لسعید بن منصور ص۱۳۲ ج۳ القسم الثانی۔ تحت باب ما جاء فی فضل المجاہدین علی القاعدین (طبع مجلس علمی)

(۲) کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام ص۲۲۳ تحت باب فرض الاعطیہ من الفئ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی حضرت عمر فاروق نے شام میں جابیہ کے مقام پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

- کہ جو شخص قرآن مجید سے متعلق چیزوں کا سوال کرنا چاہے وہ ابی بن کعبؓ کے پاس آئے۔
- اور جو شخص حلال وحرام کے متعلق مسائل کا حل دریافت کرنا چاہیے وہ معاذ بن جبلؓ کے پاس آئے۔
- اور جو شخص مسئلہ وراثت اور فرائض کے متعلق معلوم کرنا چاہے وہ زید بن ثابت کے پاس آئے۔
- اور جس شخص کو مال کی طلب ہو وہ میرے پاس آئے اللہ تعالیٰ نے مجھے بیت المال کا خازن بنایا ہے۔ میں تقسیم اموال میں امہات المومنینؓ کو ترجیح دوں گا پھر اس کے بعد مہاجرین کو دوں گا۔ (اور مہاجرین میں میں اور میرے ساتھی شامل ہیں) اس کے بعد میں انصار کو دوں گا۔ پھر جو شخص ہجرت میں جلدی کر کے پہنچا ہے اس کو اموال دیئے جائیں گے اور جو شخص ہجرت میں مؤخر ہو گیا ہے اس کو عطائے اموال میں بھی مؤخر رکھا جائے گا۔

مذکورہ بالا بیان میں دینی مسائل میں ایک گونہ طریق کار ذکر ہوا ہے اور تقسیم اموال میں اسلامی خدمات اور دینی تفوق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ فراست فاروقی کا کمال ہے۔ فاروقی عہد خلافت میں اس طرح شخصیت کی صلاحیتوں کے اعتبار سے دینی اور انتظامی امور تفویض کئے جاتے تھے۔

اسی سلسلہ کے موافق سیدنا علی المرتضیٰؓ عہد نبوت سے ہی منصب قضاء پر فائز چلے آرہے تھے۔ ان کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ فرمایا کرتے تھے کہ:

"علی بن ابی طالبؓ مدینہ میں سب سے زیادہ قضاء کے مناسب ہیں"

یہ مضمون صحابہ کے ذیل اقوال میں مذکور ہے نیز محدثین و مؤرخین نے بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کے مسئلہ قضاء کو کئی عبارات کی شکل میں درج کیا ہے:

(بقیہ حاشیہ) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۲۱۰ ج ۶ تحت کتاب الفرائض۔

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالب ہمارے "اعلیٰ قاضی" ہیں اور ابی بن کعبؓ ہمارے "اعلیٰ قاری" ہیں:

(۱) "۔۔۔۔۔ عن ابن عباس خطبنا عمرؓ فقال علی اقضانا وابی (بن کعب) اقرؤنا"[1]

(۲) "۔۔۔۔۔ عن علقمة عن عبد اللہ (بن مسعود) قال کنا نتحدث ان من اقضیٰ اھل المدینة ابن ابی طالب"[2]

(۳) ۔۔۔۔۔ "واقرأھم ابی بن کعب وکان یقال اعلمھم بالقضاء علی"[3]

(۴) اور ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہو گئے تو انہوں نے مدینہ طیبہ پر حضرت علیؓ کو قاضی متعین فرمایا:

"وفیھا ولی عمر بن الخطاب یوم الثلثاء لثمان بقین من جمادی الاخریٰ منھا فولی قضاء المدینة علی بن ابی طالب"۔۔۔ الخ[4]

---

[1] (۱) بخاری شریف ص ۶۴۴ ج ۲ تحت کتاب التفسیر آیت ما ننسخ من آیة۔
(۲) طبقات ابن سعد ص ۱۰۲ ج ۲ القسم الثانی تحت علی المرتضیٰؓ
(۳) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۱۸-۵۱۹ ج ۱۰ کتاب فضائل القرآن
(۴) امالی شیخ الطوسی الشیعی ص ۲۵۶ جلد اول طبع نجف

[2] طبقات لابن سعد ص ۱۰۲ ج ۲ القسم الثانی تحت باب اصول الفرائض۔

[3] کتاب السنن سعید بن منصور ص ۲ ج ۳ القسم الاول تحت باب اصول الفرائض۔

[4] البدایہ لابن کثیر ص ۱۸ جلد سابع تحت ۱۳ھ۔

(۵) اور کبار تابعین میں سے سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول نقل کیا ہے۔
اس میں مذکور ہے کہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب ایک چیز موثق طریقہ سے حضرت علیؓ سے پہنچ جائے تو پھر ہم اس (قول علیؓ) کے برابر کسی چیز کو قرار نہیں دیتے اور ان کے فیصلہ کو قضاء کے باب میں اولیت دیتے ہیں۔

"۔۔۔ وقال سعید بن جبیر کان ابن عباسؓ یقول اذا اتانا الثبت عن علیؓ لم نعدل بہ"۔ [1]

مندرجات بالا کی روشنی میں واضح ہوا کہ منصب قضا خلفاء حضرات کے دور میں جناب مرتضیٰؓ کے لیے متعین تھا اور آپ اس دور کے چیف قاضی شمار کئے جاتے تھے۔ اور ان کے فیصلہ جات میں معیاری حیثیت کے حامل تھے۔

اجرائے حدود اور حضرت علی المرتضیٰؓ

اس کے بعد چند ایک واقعات سیدنا علی المرتضیٰؓ کے قضاء کے متعلق پیش خدمت ہیں۔ اگرچہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے قضاء کے بے شمار واقعات علماء نے روایات اور فقہ کی کتابوں میں ذکر کئے ہیں جن کا ضبط تحریر میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم چند ایک واقعات کا ذکر کر دینا مفید خیال کیا گیا ہے۔

زنا پر سزا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بعض دفعہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو شرعی حد لگانے کے لیے مقرر فرمایا جاتا تھا۔

چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک عورت (جاریۃ) پر شرعی حد جاری کرنے کا حکم فرمایا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ عورت ایام

[1] الاصابۃ لابن حجر العسقلانی ص ۵۰۲ ج ۲ تحت (رقم ۵۶۹۰) علی بن ابی طالبؓ

نفاس میں ہے اور مجھے خوف ہوا کہ اگر اس پر حد لگائی تو برداشت نہ کر سکے گی بلکہ مر جائے گی۔ اس چیز کو میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گزارش کی تحسین فرمائی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب میں نے اس کے ایام نفاس میں ہونے کی اطلاع عرض کی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایام نفاس کے ختم ہونے تک اجرائے حد کو ملتوی کرنے کا حکم فرمایا۔

---- فامرنی اجلدھا فاذاھی حدیث عھد بنفاس۔
فخشیت ان انا جلدتھا ان اقتلھا۔ فذکرت ذالک للنبی
صلی اللہ علیہ وسلم فقال احسنت۔ رواہ مسلم
وفی روایۃ ابی داؤد قال دعھا حتی ینقطع دمھا
ثم اقم علیھا ---- الخ[1]

دوسرا واقعہ اسی طرح اجرائے حد کا ایک اور واقعہ محدثین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا جس نے زنا کا اقرار کیا تھا۔ آپؓ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تو شادی شدہ ہے تو اس نے کہا "جی ہاں"۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ اسے رجم کیا جائے گا اور اسے محبوس رکھا۔ جب شام کو حد جاری کرنے کے لیے اسے پیش کیا گیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے لوگوں کو اس کے جرم سے مطلع فرمایا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اس کا نکاح تو ہو چکا ہے لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔

تو حضرت علی المرتضیٰؓ یہ چیز معلوم کر کے بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کو سنگسار

لہ (۱) مشکوٰۃ شریف ص۳۱۱ کتاب الحدود۔ آخر فصل اول طبع نور محمدی۔ دہلی۔ بحوالہ مسلم و ابی داؤد۔
(۲) مسند امام احمد ص۱۵۶ جلد اول طبع اول مصری تحت مسندات علیؓ
(۳) مسند امام احمد ص۱۳۵ جلد اول طبع اول مصری تحت مسندات علیؓ

(رجم) نہ کیا جائے بلکہ اس پر زنا کی شرعی حد (اسیؔ تازیانے) جاری کی جائے۔

(۸۵۶) ۔۔۔۔۔عن حنش بن المعتمر قال: اتی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ برجل قد اقرّ علی نفسہ بالزنا فقال لہ: احصنت؟ قال: نعم قال: اذا ترجم۔ فرفعہ الی الحبس فلما کان بالعشی دعابہ وقصّ امرہ علی الناس فقال لہ رجل: انہ قد تزوج امرأۃ ولم یدخل بھا۔ ففرح علیؓ بذالک۔ فضربہ الحد۔" [۱]

سرقہ پر سزا اسی طرح جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سرقہ پر شرعی حد جاری کرنے کے واقعات محدثین نے درج کیے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ درج ذیل ہے۔

ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے حکم سے ایک سارق (چور) کا ہاتھ قطع کیا گیا پھر آپؓ نے اس مقطوعہ ہاتھ کو عبرت اور تنبیہ کے طور پر سارق کے گلے میں لٹکانے کا حکم فرمایا واقعہ ہذا کے ناقل قاسم بن عبدالرحمان کہتے ہیں کہ میں نے خود سارق کے گلے میں اس کا مقطوعہ ہاتھ لٹکا ہوا دیکھا۔

(۹۰۲۳) ۔۔۔۔۔عن الاعمش عن القاسم عن ابیہ (عبدالرحمان) ان علیا قطع ید سارق فرأیتھا معلقۃ یعنی فی عنقہ۔" [۲]

---

[۱] کتاب السنن لسعید بن منصور ص۲۱۱ ج۳ القسم الاول تحت باب ما جاء فی الرجل یزنی۔۔۔۔ الخ

[۲] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص۱۳۴ ج۱۰ کتاب الحدود۔ طبع کراچی۔

(۲) المصنف لعبدالرزاق ص۱۹۱ ج۱۰ جلد عاشر باب اعتراف السارق۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی ص۲۷۵ ج۸ تحت تعلیق الید فی عنق السارق۔

(۹۰۲۴) ــــــ عن القاسم بن عبد الرحمان عن ابيه ان

علیاً قطع ید رجل ثم علقها فی عنقه۔"

شراب نوشی پر سزا

شراب نوشی معاشرہ میں ایک نہایت قبیح عادت ہے اس کے سدباب کے لیے اسلام نے سخت احکام جاری کیے ہیں۔

چنانچہ محدثین نے خلافت مرتضوی میں شراب خور کو حد لگانے کا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رمضان المبارک میں ایک شخص کو جو شراب سے مخمور تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے نشہ اتر جانے تک روکے رکھو۔ جب اس کا نشہ اتر گیا تو آپ نے اس شخص کو اسّی درّے لگوائے اور حکم دیا کہ ابھی اسے قید خانہ میں رکھو۔ پھر دوسرے دن آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو بیس درّے اور لگائے جائیں اور ساتھ ہی یہ تشریح فرمائی کہ اسّی درّے تو ہم نے اسے شراب نوشی کی سزا کے طور پر لگوائے تھے اور بیس ۲۰ درّے ہم نے رمضان شریف کی بے حرمتی کرنے پر لگوائے ہیں۔

(۸۶۷۳) ــــــ عن ابی مصعب عطاء بن ابی مروان عن ابیه

ان علیا اتی بالنجاشی سکران من الخمر فی رمضان فترکه حتی صحا، ثم ضربه ثمانین ثم امر به الی السجن ثم اخرجه من الغد فضربه عشرین فقال، ثمانین للخمر و عشرین لجرأتك علی الله فی رمضان"[1]

(۸۷۴) ــــــ عن عطاء بن ابی مروان عن ابیه قال: اوتی برجل شرب خمراً فی رمضان فجلده ثمانین وعزره عشرین"[2]

---

[1] المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۳۶ ج ۱۰ تحت کتاب الحدود۔ طبع کراچی۔

[2] المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۵۳ ج ۱۰ تحت کتاب الحدود۔ طبع کراچی۔

علماء فرماتے ہیں کہ اسی نوعیت کا ایک واقعہ قبل ازیں حضرت عمر فاروق رض کے دور خلافت میں پیش آیا تھا اور حضرت عمر رض نے شراب خور کو شراب نوشی کی سزا کے طور پر اسی ۸۰ درّے اور رمضان شریف کی بے حرمتی پر بیس ۲۰ درّے مزید لگوائے تھے۔

(۱۴۸۷) ـــــ حدثنا ابو خالد عن حجاج عن ابی سنان البکری قال : اتی عمر رض برجل شرب خمراً فی رمضان فضربه ثمانین وعزره عشرین" لہ

گزشتہ واقعہ میں جو جناب مرتضیٰ رض نے بیس ۲۰ درّے لگوائے تھے گویا اس کی نظیر پہلے عہد فاروقی میں پیش آچکی تھی کہ رمضان المبارک کے احترام کے خلاف کرنے والے کے لیے بیس ۲۰ درّے لگانا صحابہ کرام کے دور کا فیصلہ ہے اور اہل اسلام کے لیے قابل استناد اور لائق حجت ہے۔

اجرائے حد میں انصاف کا تقاضا

نیز حضرت علی المرتضیٰ رض کے دور میں حد لگانے کا ایک واقعہ پیش آیا۔

آنجناب رض نے اپنے غلام قنبر کو ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو باہر لے جا کر درّے لگاؤ جب وہ تازیانے لگا چکا تو مضروب نے حضرت علی رض کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ قنبر نے مجھے تین تازیانے مقررہ مقدار سے زیادہ لگائے ہیں تو آنجناب نے قنبر سے اس بارے میں دریافت فرمایا۔ قنبر نے عرض کیا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ اس پر سیدنا علی رض نے مضروب کو فرمایا کہ تو قنبر کو تین تازیانے لگا دے۔

اس کے بعد حضرت علی رض نے قنبر کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم کسی کو تازیانے لگاؤ تو شرعی حدود سے تجاوز مت کیا کرو۔

یہ چیز علوی دور کے عدل گستری کی بہترین مثال ہے۔

لہ المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۴۳ ج ۱۰ تحت کتاب الحدود۔ طبع کراچی۔

(۸۰۶۳) ------ فقال علی! یا قنبر، فقال الناس یا قنبر، قال: اخرج هذا فاجلده، ثم جاء المجلود فقال: انه قد زاد علی ثلاثة اسواط فقال علیؓ، ما تقول؟ قال صدق یا امیرالمومنین! قال: خذ السوط فاجلده ثلاثة اسواط، ثم قال: یا قنبر! اذا جلدت فلا تعد الحدود"۔ [1]

تنبیہ :

قضا اور افتاء کے بعض مسائل سابقاً "رحماء بینھم" حصہ فاروقی باب دوم کی فصل اول و دوم میں بقدرت ضرورت ذکر ہو چکے ہیں۔

عہد علوی کا عملی نظم سابق خلفاء کے مطابق تھا

گزشتہ سطور میں رمضان شریف کی بے حرمتی کے سلسلہ میں واقع ذکر کیا ہے اور اس میں حضرت عمر فاروقؓ کے فیصلہ کے مطابق حضرت علی کا عمل درآمد ذکر ہوا ہے۔ اس نوع کے بے شمار واقعات حضرت علیؓ کے عہد میں پیش آئے تھے اور سیدنا علیؓ خلفاء ثلاثہؓ کے فیصلوں کے مطابق عمل درآمد کرتے تھے۔ اور ان کا طریق عمل ایک طرح کا ہوتا تھا۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۴۴۷ ج ۹ تحت کتاب الدیات۔ طبع کراچی۔

۱۔ فاروقی فیصلہ کو تبدیل نہ کرنا

مثلاً "کتاب الخراج لامام ابی یوسفؒ" میں مذکور ہے کہ نصاریٰ نجران ایک فیصلہ کے لیے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ جو ان کے حق میں ہوا تھا اس میں حضرت علیؓ سے ترمیم و تنسیخ کرائیں۔ تو اس وقت حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے حق میں فرمایا کہ: "کان رشید الامر"

یعنی حضرت عمرؓ کا تمہارے حق میں فیصلہ درست ہے اور وہ معاملہ فہم اور درست فیصلہ فرمانے والے شخص تھے۔[1]

اس مقام میں علماء نے درج کیا ہے۔

..... "لو کان (علی) مخالفاً لسیرۃ عمر لردّھم"

یعنی مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی سیرت کی مخالفت کرتے تو اس موقعہ پر کر سکتے تھے (کیونکہ ان کی اپنی خلافت کا دور تھا اور اس سے کوئی مانع چیز نہیں تھی) لیکن انہوں نے فاروقی فیصلوں کا خلاف نہیں کیا بلکہ ان کا احترام ملحوظ رکھا اور عملاً نظم ایک دوسرے کے مطابق رکھا اور ان کی موافقت اختیار کی۔

۲۔ جزیہ کا مسئلہ

اس مقام میں شیعہ کے اکابر مؤرخین نے یہ چیز درج کی ہے کہ اس دور کے صنعت

---

[1] (۱) کتاب الخراج لامام ابی یوسف ص۷۲ "فصل فی قصہ نجران واھلہا"

(۲) کتاب السنۃ لامام احمدؒ ص۱۹۸-۱۹۹ طبع اول مکہ مکرمہ۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۲۰ ج۱۰ تحت اداب القاضی۔

(۴) المصنف لابن ابی شیبہ ص۳۲ ج۱۲ کتاب الفضائل۔ طبع کراچی۔

کاروں اور اہل حرفت پر جزیہ لگایا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صنعت کاروں سے ان کی حیثیت کے مطابق جزیہ وصول کرتے تھے۔

اسی طریق کار کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنے دور خلافت میں صنعتکاروں پر جزیہ (ٹیکس) لگا کر وصول کرتے تھے اور ان دونوں خلفاء کا طریق کار ایک تھا۔

"۔۔۔۔ وکان عمرؓ یاخذ الجزیۃ من اهل کل صناعة من صناعتهم بقیمۃ ما یجب علیهم وکذالک فعل علیؓ"[1]

۳۔ سابق قضاۃ کے ساتھ موافقت کی ہدایت

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک اور فرمان محمد بن سیرین نے نقل کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے دور خلافت میں اپنے قاضیوں کو حکم دیتے تھے کہ جس طرح تم سابق خلفاء کے عہد میں فیصلے کیا کرتے تھے اسی کے مطابق اب بھی فیصلے کیا کرو تاکہ جماعتی نظم قائم رہے۔ میں باہمی اختلاف سے خائف ہوں (یعنی سابق احباب واصحاب کے ساتھ اختلاف کرنے کو ناپسند کرتا ہوں)

آنجناب کے اس فرمان سے بالکل واضح ہے کہ آپؓ جماعتی رائے کو پسند کرتے تھے اور اختلاف وانتشار سے اجتناب کرتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ جس طرح میرے احباب واصحاب اختلاف کے بغیر اس عالم سے رخصت ہوئے ہیں۔ اسی طرح میں بھی اختلاف کے بغیر انتقال کر دوں۔

"۔۔۔۔ عن ابن سیرین ان علیاً قال: اقضوا کما کنتم

---

[1] تاریخ الیعقوبی از احمد بن ابی یعقوب الشیعی ص ۱۵۲ ج ۲ تحت اجتماع الدھاقین من المصر ایام عمر بن الخطاب۔ طبع بیروت۔

تقضون حتی تکونوا جماعۃ، فانی اخشی الاختلاف" [1]

اور بخاری شریف کے الفاظ میں یوں مذکور ہے۔

ابن سیرین عن عبیدۃ السلمانی عن علیؓ قال اقضوا کما کنتم تقضون فانی اکرہ الاختلاف حتی یکون الناس جماعۃ او اموت کما مات اصحابی" [2]

۴۔ اولادِ مقاتلہ کے وظائف کا مسئلہ

اسی سلسلہ میں ایک اور مسئلہ بھی ذکر کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مقاتلہ کی اولاد کے لیے کچھ وظائف مقرر کیے جاتے تھے جو ان کی ضروریاتِ زندگی کے لیے کفیل ہوتے تھے۔

مقاتلہ ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو اس دور کی جنگی ضرورتوں کے لیے اپنے آپ کو مختص کیے ہوتے تھے۔

اس مقام میں یہ وضاحت کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے:

مقاتلہ کی اولاد کے وظیفے کے متعلق اس دور کے اکابر میں اختلافِ رائے ہوا بعض اکابر کا یہ خیال تھا کہ مقاتلہ کی اولاد کے لیے وظیفہ کا تقرر اس وقت ہونا چاہیے جس وقت بچے کا فطام ہو یعنی دودھ چھڑا یا جائے۔

اور بعض دیگر حضرات کی یہ رائے تھی کہ بچے کی ولادت سے ہی بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہونا چاہیے۔ (یہ وظائف اموالِ فئی سے ادا کیے جاتے تھے)

قاسم بن سلام ابو عبید اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ:

---

[1] المصنف لعبد الرزاق ص ۳۲۹ ج ۱۱ تحت باب القضاۃ۔

[2] بخاری شریف ص ۵۲۶ ج اول باب مناقب علی بن ابی طالب۔ طبع نور محمدی دہلی۔

"۔۔۔ ان عمر بن الخطابؓ فرض لعيال المقاتلة ولذريتهم العشرات[ع] قال (سليمان بن حبيب) فامضیٰ عثمانؓ ومن بعده من الولاة ذالك"[1]

یعنی حضرت عمر بن الخطابؓ نے مقاتلہ کے عیال اور اولاد کے لیے عشرات مقرر فرمائے تھے۔ سلیمان بن حبیب کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد کے والیوں نے بھی ان وظائف کو اسی طرح قائم رکھا۔

اسی کتاب الاموال کے صفحہ ۲۳۰ پر درج ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ بھی مولود کے لیے اور فطام والوں دونوں کے لیے وظائف مقرر کرتے تھے اور بیت المال سے ادا کرتے تھے۔

اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے دور خلافت میں سابق حضرات کے عمل کے مطابق ان وظائف کا نظم اسی طرح قائم کئے ہوئے تھے اور مقاتلہ کے مولود کے لیے وظیفہ جاری فرماتے تھے۔

(۱۲۹۳۷) ۔۔۔۔ عن ابی الجحاف داؤد بن ابی عوف عن رجل من خثعم قال: ولد لی من اللیل مولود" فاتیت علیا حین اصبح فالحقہ فی مائة"[2]

ابو جحاف کہتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کے ایک شخص (جو مقاتلہ میں سے تھا) نے کہا کہ رات

---

[1] کتاب الاموال لابی عبید ص۲۳۱ طبع قدیم مصری۔

[ع] قولہ عشرات الخ اس دور میں وظائف کی یہ ایک مقدار مقررہ تھی ۱۲

[2] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص۳۱۲ ج۱۲ تحت کتاب الجہاد۔ طبع کراچی۔

(۲) کتاب الاموال لابی عبید ص۲۳۸۔ تحت العرض للذریة من الفیٔ واجراء الارزاق علیهم"

کو میرا بچہ پیدا ہوا اور صبح کو میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بچہ کی ولادت کا ذکر کیا) تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے مائتہ (یکصد) کی فہرست میں اس مولود کو شامل کرا دیا۔"

حاصل یہ ہے کہ:

سابق خلفاء اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں عملی نظم متحد تھا۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ خلفاء ثلاثہؓ کے خلاف نہ تھے اور ان کے اقدامات سابق خلفاءؓ کے موافق تھے اسی ضمن میں فقہی مسائل اس دور کے بھی شمار کئے جاتے ہیں کہ ان مسائل میں سابق خلفاء کے مطابق حضرت علیؓ عمل درآمد رکھتے تھے مثلاً بیس۲۰ تراویح کا جماعت سے ادا کرنا جنازہ میں چار تکبیر کہنا وغیرہ وغیرہ

یہ تمام چیزیں ان حضرات کے درمیان اتحاد و یگانت کی علامات ہیں۔ اور ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کے نمایاں نشانات ہیں جن کو تاریخی ملغوبات کے ذریعہ جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

تنبیہ

فقہی مسائل کے لیے عنقریب ہم ایک مستقل عنوان ان شاء اللہ ذکر کریں گے ان میں حضرت سیدنا علیؓ کا طرز عمل اور طریق کار خوب طرح واضح ہو جائے گا۔

۵۔ ابن حزم اندلسی کا بیان

اسی مسئلہ کو ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب "الفصل فی الملل" میں بڑے عمدہ انداز سے درج کیا ہے گویا یہ عہد علوی کے لیے ایک اجمالی تجزیہ ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

--- ثم ولی علی رضی اللہ عنہ فما غیر حکماً من احکام ابی بکر و عمر و عثمان ولا ابطل عھداً من عھودھم ولو کان ذالک عندہ باطلاً۔ لما کان فی سعۃ من ان یمضی الباطل و ینفذہ وقد ارتفعت

التقیۃ عنہ"۔[1]

یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب والی خلافت ہوئے تو انہوں نے خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان) کے کسی حکم کو تبدیل نہیں فرمایا (یعنی ان کے احکام کو برحال رکھا) اور ان حضرات کے معاہدہ جات میں سے کسی معاہدہ کو باطل قرار نہیں دیا۔ اگر حضرت علیؓ کے نزدیک یہ چیز باطل ہوتی تو حضرت علیؓ ایک باطل چیز کے اجراء اور نفاذ کے حق میں نہیں تھے اور صورت حالات یہ تھی کہ "تقیہ" مرتفع ہو چکا تھا اور آپؓ تقیہ کے حیلہ کے محتاج نہیں تھے۔

---

[1] الفصل فی الملل والاھواء والنحل لابن حزم الاندلسی صفحہ ۹۷ ج ۴ طبع بغداد۔

معاملات میں عدل و انصاف

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختلف اوصاف و کمالات کے ساتھ متصف تھے۔ ان میں سے عدل و انصاف کا وصف ان میں نہایت نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔

انسانی زندگی کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کے متعلق اسلام کی تعلیمات کتاب و سنت کی روشنی میں واضح طور پر موجود ہیں۔ یہاں صرف ایک فرمان نبوی صلعم تمہیداً پیش کیا جاتا ہے اس کے بعد اصل مضمون ذکر کیا جائے گا۔

انصاف و غم خواری پر فرمان نبویؐ

عدل و انصاف کے متعلق نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان حضرت علی المرتضیٰؓ خود نقل فرماتے ہیں کہ :-

"۔۔۔۔ عن علی قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اشد الاعمال ثلاثۃ، ذکر اللہ علی کل حال وانصاف الناس بعضھم من بعض ومواساۃ الاخوان" [1]

یعنی حضرت علیؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا : کہ انسان کے لیے اعمال میں سے تین چیزیں مشکل ترین ہیں۔

- ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری و ساری رکھنا (اور اس سے غافل نہ ہونا)
- تمام لوگوں میں باہمی عدل و انصاف قائم کرنا۔
- مسلمان بھائیوں کی ہر حال میں خیر خواہی اور غم خواری کرنا۔

---

[1] (۱) اخبار اصبہان ص ۱۷۹ ج ۱ (لابی نعیم الاصبہانی)

(۲) الامالی للشیخ الطوسی الشیعی ص ۱۹۰ ج ۲، ص ۲۹۲ جلد ثانی۔ طبع نجف اشرف۔

اس فرمان نبوی صلعم میں معاشرتی زندگی کے بنیادی اور معیاری اصول بیان فرمائے گئے ہیں ۔ان کی وجہ سے لوگوں میں مواسات اور باہمی خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۔

حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے اپنی عملی زندگی میں ان اصولوں پر عمل کر کے امت کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ قائم کیا ۔چنانچہ ذیل میں علوی ؓ عدل و انصاف کے چند ایک واقعات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں ۔

(۱)

آزاد خاتون اور خادمہ کے درمیان مساوات

محدثین نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے عدل و انصاف کے سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کی خدمت میں دو عورتیں کچھ مالی اعانت کے لیے حاضر ہوئیں ان میں سے ایک خاتون عرب تھی اور دوسری اس کی لونڈی (اولاد اسحاق ؑ میں سے) تھی ۔اس موقعہ پر جناب علی المرتضیٰ ؓ نے دونوں خواتین کو مساوی طور پر غلہ کی ایک خاص مقدار (کُر) اور چالیس چالیس درہم نقد عنایت فرمائے ۔خادمہ کو جو کچھ ملا تھا وہ لے کر چلی گئی مگر عربی خاتون نے کہا یا امیر المؤمنین میں عربی خاتون ہوں آپ نے مجھے بھی اتنی ہی مقدار میں غلہ اور نقدی عنایت فرمائی ہے جتنی میری خادمہ کو ۔تو جواب میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نظر و فکر کی ہے اس مسئلہ میں اولاد اسمٰعیل ؑ کو اولاد اسحاق ؑ پر کوئی فوقیت نہیں معلوم ہوئی ۔

"۔۔۔۔قال لها علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انی نظرت فی کتاب اللہ عزوجل فلم ارفیہ فضلا لولد اسمٰعیل علی ولد اسحاق" [۱]

---

[۱] السنن الکبریٰ للبیہقی ص۳۴۹ ج۶ تحت باب "التسویۃ بین الناس فی القسمۃ ۔"

۲

قاضی شریح کا منصفانہ فیصلہ

عدل وانصاف کے سلسلہ میں محدثین یہ واقعہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک نصرانی یا یہودی کو ایک زرہ فروخت کرتے ہوئے دیکھا۔ آپؓ نے اپنی گمشدہ زرہ کو پہچانتے ہوئے اسے کہا کہ یہ زرہ میری ہے مسلمانوں کے قاضی کے پاس چل کر اس چیز کا فیصلہ طلب کر لیجئے چنانچہ یہ نزاع اس وقت کے مشہور قاضی شریح کی مجلس میں پیش ہوا تو قاضی نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنی نشست پر بٹھایا اور خود اس نصرانی یا یہودی کے پاس بیٹھ گیا۔ اس وقت حضرت علیؓ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میرا فریق ثانی مسلمان ہوتا تو میں مجلس قضا میں اس کے ساتھ بیٹھتا لیکن میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ ...... ان لوگوں کو حقیر اور ذلیل قرار دو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حقیر قرار دیا ہے اور پھر قاضی شریح سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ اے شریح! میرے اور اس غیر مسلم کے درمیان زرہ کے مسئلہ میں فیصلہ کیجئے۔ اس پر قاضی نے غیر مسلم سے کہا کہ تو اس مسئلہ میں کیا کہتا ہے تو اس نے کہا کہ میں امیرالمؤمنین کو جھٹلاتا تو نہیں لیکن یہ زرہ میری ہے (اور میرے قبضہ میں ہے) اس کے بعد قاضی شریح نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے شہادت طلب کی تو آپؓ نے اپنے فرزند اور غلام قنبر کی شہادت پیش کی۔ قاضی نے والد کے حق میں بیٹے کی شہادت کو رد کرتے ہوئے نصرانی یا یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس پر غیر مسلم نے قاضی کے خلیفہ وقت کے خلاف فیصلہ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اور پھر تسلیم کیا کہ زرہ واقعی حضرت علی المرتضیٰؓ کے اونٹ سے گر پڑی تھی جسے میں نے اٹھا لیا تھا لیکن اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ اپنی زرہ اسے عنایت فرما دی۔

---- امیرالمؤمنین یجیئ الی قاضیہ وقاضیہ یقضی علیہ ھی واللہ یا امیرالمؤمنین درعك اتبعتك من الجیش

وقد زالت عن جملك الاورق فاخذ تها۔ فانی اشهد ان لا الٰه الا الله وان محمدا رسول الله قال فقال علی رضی الله عنه اما اذا اسلمت فهی لك "۔[1]

واقعہ ہذا کو ابن کثیرؒ نے بھی البدایہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی سیرت عادلہ کے تحت اپنے الفاظ میں ذکر کیا ہے [2]

تنبیہ :

اس مقام میں یہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ قاضی شریح بن الحارث الکندی تابعین میں سے ہیں اور اس دور کی بڑی پایہ کی شخصیت ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو قضاء اور فیصلہ کی قوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ ان کے فیصلے نہایت منصفانہ اور عادلانہ ہوتے تھے۔

اسی بناء پر خلفاء راشدین کے دور میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی خصوصاً امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ نے ان کی اہلیت کی بناء پر ان کا معقول وظیفہ قائم کیا ہوا تھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ ان کو بیت المال سے پانچ صد درہم (سالانہ) بطور وظیفہ عنایت فرمایا کرتے تھے۔

"۔۔۔۔ عن ابی لیلی قال : بلغنی ان علیاً رزق شریحاً خمسمائة "[3]

---

[1] (۱) السنن الکبریٰ مع جواہر النقی للبیہقی ص ۱۳۶ ج ۱۰ کتاب اداب القاضی تحت باب انصاف الخصمین فی المدخل علیہ والاستماع منہما۔

(۲) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی ص ۱۳۹-۱۴۰ ج ۴ تحت شریح بن الحارث الکندی۔

[2] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۵ ج ۸ تحت فی ذکر شیئ من سیرتہ العادلہ الخ۔

[3] طبقات لابن سعد ص ۹۵ جلد سادس، تحت تذکرہ شریح القاضی۔

(۴)

قرنفل کی تقسیم میں حضرت علیؓ کا انصاف

معاشرتی زندگی میں جناب علی المرتضیٰؓ نے ہمیشہ انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ خصوصاً بیت المال کے معاملہ میں آنجنابؓ کے واقعات عدل وانصاف کے باب میں مشہور و معروف ہیں۔

چنانچہ محدث ابن ابی شیبہؒ نے اس سلسلہ میں کئی واقعات ذکر کیے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خادمہ (ام ولد) آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت آپ کے سامنے قرنفل (لونگ) سے تیار شدہ ایک ہار موجود تھا خادمہ نے اسے اپنی دختر کے لیے طلب کیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ دراہم لاؤ تاکہ تجھے قرنفل دیئے جائیں یہ مسلمانوں کا مال ہے (مفت نہیں دیا جا سکتا) اگر دراہم پاس نہیں ہیں تو کچھ مدت کے لیے صبر کرو تاکہ ہمیں ہمارا حصہ اس میں سے مل جائے تو ہم تجھے تیری دختر کے ہار کے لیے اس میں سے دے دیں گے۔"

یہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا بیت المال کے معاملہ میں کمال تقویٰ اور دیانت ہے کہ اپنے خدام اور کنیزوں کے لیے بھی بغیر استحقاق کے چند قرنفل دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

"۔۔۔ فقالت یا امیر المومنین! ھب لابنتی من ھذا القرنفل قلادۃ فقال ھکذا، ونقر بیدیہ: ارنی درھما جیدا فانما ھذا مال المسلمین والا فاصبری حتی یاتینا حظنا (منہ) نتھب لابنتک منہ قلادۃ۔"[1]

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص۲۸۵-۲۸۶ ج۱۲ کتاب الزہد۔ طبع کراچی۔

(۴)

بیت المال سے لیموں کی منصفانہ تقسیم

حضرت علی المرتضیٰؓ کے انصاف کا ایک اور واقعہ محدث ابن ابی شیبہؒ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ آنجناب کی صاحبزادی ام کلثومؓ بنت علی کا غلام ابوصالح تھا۔ وہ ام کلثومؓ کی خدمت کرتا تھا وہ ذکر کرتا ہے کہ میں ایک دفعہ ام کلثوم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے دونوں برادران حضرت حسنؓ وحسینؓ بھی تشریف لائے۔ تو اس دوران انہوں نے فرمایا کہ اپنے غلام ابوصالح کو کھانے کے لیے کوئی چیز دی ہے؟ تو ام کلثوم نے کہا کہ اب دیتے ہیں۔ پس انہوں نے سالن کا ایک پیالہ بھیجا۔ اس میں ایک قسم کے غلہ کا شوربہ تیار شدہ تھا۔ ابوصالح کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ تم وقت کے امراء ہو اور مجھے یہ معمولی کھانا دیتے ہو تو اس کے جواب میں ام کلثوم نے فرمایا کہ اے ابوصالح! تو اگر امیر المومنین علی المرتضیٰؓ کو دیکھتا تو اور تعجب کرتا۔ پھر انہوں نے حضرت علیؓ کے انصاف کا ایک واقعہ سنایا فرمانے لگیں کہ ایک دفعہ کچھ لیموں حضرت علیؓ کی خدمت میں لائے گئے اور وہ بیت المال کی ملک تھے تو حضرات حسنینؓ اس میں سے اپنی ضرورت کے لیے لینے لگے تو حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھ سے لیموں لے لیے اور حکم دیا کہ ان کو مستحقین پر تقسیم کیا جائے۔

"۔۔۔ فقالت ام کلثوم بنت علیؓ یا ابا صالح فکیف لو رأیت امیر المومنین واتی باترنج فذهب حسن او حسین یتناول منه اترنجة فنزعها من یده ثم امر به فقسم"[1]

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۲-۲۸۳ ج ۱۲ تحت کتاب الزہد طبع کراچی۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۲۰ ج ۱۲ تحت کتاب الجہاد۔ طبع کراچی۔

۵

شہد کے معاملہ میں انصاف

اسی طرح حضرت علیؓ کے انصاف کا ایک دیگر واقعہ علماء ذکر کیا کرتے ہیں کہ اس دور میں اصفہان وغیرہ کے علاقے پر عمرو بن سلمہ کو عامل بنایا تھا۔ وہاں سے وہ شہد اور دیگر اشیاء لائے تھے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں جب حاضر ہوئے تو وہ شہد اور دیگر چیزیں حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کیں۔ آنجناب نے اس کو رحبہ کے مقام میں ان چیزوں کو رکھوا دیا اور مسلمانوں میں تقسیم ہونے تک اس پر محافظ اور امین مقرر کر دیئے۔

اس دوران میں جناب کی صاحبزادی ام کلثوم بنت علیؓ کو اس مال کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے مال کے امین کے پاس آدمی بھیجا کہ شہد اور گھی کے مشکیزوں میں سے ایک ایک مشکیزہ ہمیں دے دیا جائے (ہمیں ضرورت ہے)

حضرت علیؓ نماز کی طرف جب تشریف لے گئے تھے تو اس مال کو شمار کر کے گئے تھے جب واپس تشریف لائے اور مال کو ملاحظہ فرمایا تو اس مال میں سے دو مشکیزے ایک عسل کا اور ایک گھی کا کم پائے گئے پس آپؓ نے امین کو بلا کر اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے پہلے تو کچھ پس و پیش کیا پھر بعد میں حضرت علی کے زور ڈالنے پر اس نے اصل معاملہ عرض کر دیا آپ کی صاحبزادی ام کلثوم نے اس طرح آدمی بھیجا ہے اور میں نے انہیں یہ دونوں مشکیزے بھجوا دیئے ہیں۔

اس حقیقت حال معلوم ہونے پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کی طرف قاصد بھیجا کہ یہ دونوں مشکیزے شہد اور گھی کا واپس کر دیں جب وہ دونوں مشکیزے واپس لائے گئے تو ان پر دونوں میں سے کچھ مقدار کم پائی گئی پھر آپ نے تجار سے اس کم شدہ مال کی قیمت لگوائی تو اس کی قیمت تقریباً تین درہم سے کچھ زیادہ تھی اس کے بعد آنجناب

نے ام کلثوم کی طرف آدمی بھیجا کہ یہ قیمت ہماری طرف بھیج دیں (چنانچہ وہ دراہم حاصل کر لیے گئے) پھر اس کے بعد حضرت علیؓ نے باقی مشکیزوں کے متعلق حکم دیا اور وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے۔

"۔۔۔۔ ثم بعث الی ام کلثوم ان ردی الزقین فاتی بھما مع ما نقص منھما فبعث الی التجار فقوموھما مملوئین وناقصین فوجدوا فیھما نقصان ثلاثۃ دراھم وشیئ فارسل الیھا ان ارسلی الینا بالدراھم ثم امر بالزقاق فقسمت بین المسلمین"۔[1]

(۶)

ایک روٹی کی سات حصوں میں تقسیم

ماقبل میں چند ایک چیزیں معاشرتی زندگی میں انصاف اور عدل کے متعلق ذکر کی گئی ہیں انصاف کے واقعات میں ایک واقعہ یہ بھی علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے پاس ایک دفعہ اصبہان کے علاقہ سے کچھ مال آیا۔ اس کو آنجناب ؓ نے حسب موقع سات حصوں پر تقسیم فرمایا اس کے بعد ایک روٹی قابل تقسیم باقی رہ گئی حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے اس کے سات ٹکڑے بنوا کر مال کے ساتوں حصوں پہ رکھوا دیئے اور پھر اس کے بعد لوگوں میں قرعہ اندازی کے موافق اسے تقسیم کر دیا گیا۔

۔۔۔۔ ان علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتاہ مال من اصبھان فقسمہ بسبعۃ اسباع ففضل رغیف فکسرہ

---

[1] کتاب ذکر اخبار اصبہان لابی نعیم الاصبہانی ص ۴۷ ج ۱ تحت عنوان واما الوافد مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفات۔ طبع لیڈن۔

يسبع كسر فوضع على كل جزء كسرة ثم اقرع بين الناس ايهم يأخذ اول"[1]

بازار والوں پر سلام کہنا

اہلِ تراجم حضرات لکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ بازار میں جب تشریف لے جایا کرتے تھے تو پہلے اہلِ بازار پر سلام کہتے تھے سلام کہنا اسلام کا اہم معاشرتی اصول ہے بنا بریں سیّدنا علی المرتضیٰؓ بازار والوں کے ساتھ ابتداء بالسّلام کرتے تھے۔ اس طریقہ سے سنّت نبوی کی اتباع ہوئی اور اہلِ اسلام کے لیے عملاً اس مسئلہ کی تبلیغ اور ترویج بھی ہے۔

۔۔۔۔ قال حدثنی ابوسعید بیّاع الکرابیس ان علیاً کان یاتی بالسوق فی الایام فیسلم علیهم"[2]

خرید اشیاء اور کمال تقویٰ

بعض خصال حسنہ علی المرتضیٰؓ کی ایسی پائی جاتی ہیں جو دیگر حضرات میں بہت کم ملیں گی۔ ان خصوصی خصال کی بنا پر آنجنابؓ کا کمال تقویٰ انتہائی مدارج پر پہنچا ہوا تھا۔

تراجم نویس حضرات نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ لباس خریدنے کے لیے بازار میں تشریف لے گئے آپؓ نے صاحب دکان سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ تو اس دکاندار نے کہا کہ ہاں امیر المؤمنین میں آپؓ کو پہچانتا ہوں۔ تو آنجنابؓ اس دکان سے آگے بڑھ گئے

---

[1] (۱) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۴۸-۳۴۹ جلد سادس تحت باب التسویۃ بین الناس فی القسمۃ۔

(۲) الاستیعاب مع الاصابہ ص ۴۹ ج ۳ تحت حرف العین تذکرہ علی بن ابی طالبؓ۔

[2] طبقات لابن سعد ص ۱۷ ج ۳ تحت ذکر صفۃ علی بن ابی طالبؓ۔

اور دوسرے دکاندار کے پاس پہنچ کر ارشاد فرمایا کہ آپ مجھ سے متعارف ہیں تو اس نے عرض کیا کہ میں آپؓ کو نہیں پہچانتا تو آنجنابؓ نے اس سے قمیص کے لیے کپڑا خریدا اور اس کپڑے کا قمیص تیار کروایا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ذکر فرمائی ۔

اس نوعیت کے واقعہ سے آنجنابؓ کا مقصد ظاہر طور پر یہی ہے کہ جان پہچان والے شخص سے اگر اشیاء کی خرید کریں گے تو وہ بے چارہ از راہ لحاظ کم قیمت لگا کر رعایتاً فروخت کرے گا اور اس صورت میں اسے خسارہ برداشت کرنا پڑے گا جب کہ غیر متعارف شخص سے یہ بات صادر نہ ہوگی بلکہ وہ خرید شدہ اشیاء کی پوری قیمت وصول کرے گا اور اس طرح وہ کسی خسارہ میں نہیں رہے گا۔

یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کمال تقویٰ اور دیانت داری ہے جس کی نظیر کا پایا جانا دشوار ہے۔ یہ اہلِ تقویٰ کا اعلیٰ کردار ہے جو عام لوگوں میں بہت کم پایا جاتا ہے ۔

"۔۔۔۔ سمعت فرّوخ مولیٰ لبنی الاشتر قال رأیت علیاً فی بنی دیوار وانا غلام فقال اتعرفنی فقلت نعم انت امیر المؤمنین ثم اتی اخر فقال اتعرفنی فقال لا فاشتری منه قمیصا زابیا فلبسه"[1]

حلیمانہ طرزِ عمل

محدثین نے بازار سے متعلق حضرت علی المرتضیٰ کا ایک اور عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ بازار میں تشریف لے گئے ۔ اتفاقاً بارش ہونے لگی تو اس حالت میں آنجنابؓ ایک دکاندار کے خیمہ کے نیچے بارش سے بچنے کے لیے کھڑے ہونے لگے وہ صاحب خیمہ جو آپؓ کو پہچانتا نہیں تھا آپؓ کو خیمے سے باہر نکالنے لگا۔ تو حضرت علی المرتضیٰؓ

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۸ ج ۳ قسم اول تحت علی بن ابی طالبؓ ۔ طبع لیڈن

فرمار ہے تھے کہ میں بارش سے بچنے کے لیے خیمے میں پناہ لے رہا ہوں۔

صاحب خیمہ فارسی تھا اسے بعد میں جب بتلایا گیا کہ یہ تو امیرالمومنین علی المرتضیٰ ؓ تھے تو وہ اپنے فعل پر نہایت پریشان اور پشیمان ہوا اور اپنے اضطراب کا اظہار کرنے لگا۔

(۲۲/۲۷) ..... "عن درهم ابی عبید المحاربی قال: رأیت علیاً ؓ اصابته السماء وهو فی السوق، فاستظل بخیمة الفارسی، فجعل الفارسی یدفعه عن خیمته وجعل علی ؓ یقول انما استظل من المطر، فاخبر الفارسی بعد انه علی ؓ فجعل یضرب صدره" [1]

کار خویش بدست خویش

محدثین ؒ نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے اخلاق حسنہ اور متواضعانہ کردار کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے ایک دفعہ ایک درہم کے خرما خرید فرمائے اور ان کو اپنے کپڑے میں لپیٹ کر اپنے دوش پر اٹھا کر لے جانے لگے تو ایک شخص نے عرض کیا یا امیرالمؤمنین! یہ کھجور میں اٹھا کر پہنچاتا ہوں۔ تو سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا جائے صاحب عیال اس چیز کے اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔"

گویا یہ عملی تعلیم ہے کہ انسان اپنا کام خود کرے تو بہتر ہے اور ساتھ ہی اتباع سنت نبوی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

..... حدثنا صالح بیاع الاکسیة عن جدته قالت رأیت علیا رضی الله تعالیٰ عنه اشتری تمراً بدرهم فحمله فی ملحفته فقلت له او قال له رجل احمل

---

[1] المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۱۵۴ ج ۶ تحت کتاب البیوع والاقضیۃ ۔ طبع کراچی۔

عنك یا امیر المومنین! قال لا ابو العیال احق ان یحمل"۔ لہ

اہلِ السوق کیلئے مرتضوی ؓ ہدایات

اسلام میں معاشرتی اصولوں کے تحت ہر ایک طبقہ کے لیے ہدایات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ تجار اور اہلِ بازار کے لیے بھی اسلام کی طرف سے ضوابط موجود ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی سلسلہ میں بعض اوقات بازار میں خود تشریف لے جاتے تھے اور اہلِ بازار کو مندرجہ ذیل ہدایات دیتے۔ اور ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرماتے واقعہ ہذا کے ناقل نے بعض دفعہ کی ہیئت کذائی اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار بازار کی طرف تشریف لائے ہیں آپؓ دو موٹی چادریں زیب تن کیئے ہوئے تھے اور آپ کا تہمد نصف ساق کے قریب اونچا تھا۔ اور آپ کے دست مبارک میں دُرّہ تھا اور بازار میں گشت کر رہے تھے اور اہل بازار کو حکم فرماتے تھے کہ اللہ سے خوف کرو، تقویٰ اختیار کرو، خرید و فروخت کے معاملہ میں راست بازی سے کام لو، اور ماپ تول کے سلسلہ میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور گوشت کو پھلاؤ نہیں"

کاروباری امور کے لیے یہ بنیادی اصول ہیں ان کے ملحوظ رکھنے سے خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان تجارتی معاملات درست رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق کا ضیاع نہیں ہوتا۔

------ قال رأیت علیاً وھو یخرج من القصر وعلیہ قبطیتان ازار الی نصف الساق ورداء مشمر قریب منہ، ومعہ درۃ لہ یمشی بھا فی الاسواق ویامر الناس بتقوی اللّٰہ وحسن البیع ویقول:

لہ الادب المفرد للبخاریؒ ص۸۱ باب الکبر طبع مصر۔

اوفوا الکیل والمیزان، ویقول لا تنفخوا اللحم" [1]

عمّال کیلئے منصفانہ طریق عمل کی تلقین

امیرالمؤمنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منصفانہ طریق کار کے چند ایک واقعات سابقاً ذکر ہوئے ہیں اسی سلسلہ میں اب ان کے عمال و حکام کے متعلق آنجناب ؓ کا جو طرزِ عمل تھا اور جو خصوصی ہدایات دی جاتی تھیں اس کے متعلق بعض چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

(1) —— اکابر علماء نے اس نوعیت کا ایک واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ بنی ثقیف کے ایک شخص کو آنجناب ؓ نے ایک علاقہ (عکبرا) کی طرف خراج کی وصولی کے لیے روانہ کرنے کا قصد فرمایا تو اس موقعہ پر اس معاملہ کے لیے خصوصی ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

- ایک تو تم نے ان لوگوں سے خراج (شرعی ٹیکس) وصول کرنا ہوگا۔ اور اس معاملہ میں اپنی طرف سے کوئی رعایت یا معافی نہ کرنا ہوگی۔
- اور دوسرا یہ کہ وہ لوگ وصولی کے سلسلہ میں تجھ میں کمزوری نہ پائیں۔
- اس کے بعد ایک دوسرے وقت میں اسے بلا کر ہدایت فرمائی کہ جب تم ان لوگوں میں پہنچو تو خراج کی وصولی کے سلسلہ میں ان لوگوں کے گرمی یا سردی کے لباس انکی خوراک اور وہ جانور جن سے وہ بار برداری کا کام لیتے ہیں ان کو ہرگز نہ بیچنا۔
- فراہمی کے سلسلہ میں کسی شخص کو درّے نہ لگانا۔
- طلب درہم کے سلسلہ میں کسی دیگر شخص کو مسلط نہ کرنا۔
- اور خراج کی وصولی کے لیے ان کے کسی شخص کے سامان کو فروخت نہ کرنا۔

---

[1] (1) البدایہ لابن کثیرؒ ص۳ ج۸ تحت ذکر شیٔ من سیرتہ العادلہ ۔۔۔۔ الخ

(2) الاستیعاب ص۴۸، ۴۹ جلد ثالث تحت حرف العین تذکرہ حضرت علیؓ۔

(3) طبقات لابن سعد ص۱۸ ج۳ تحت ذکر لباس علیؓ۔

- وصولی کے معاملہ میں ہمیں یہ حکم ہے کہ ان کی زائد چیزیں سے حاصل کیا جائے۔

پھر آنجناب نے فرمایا کہ میں نے تمہیں جو احکام دیئے ہیں اگر تم نے اس کا خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں گے اور میں تجھے معزول کر دوں گا۔

یہ ہدایات سن کر وہ کہنے لگا کہ میں تو پھر جیسے جا رہا ہوں ویسے ہی لوٹ آؤں گا (یعنی مجھے کچھ وصول نہ ہوگا) اس پر حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا اگرچہ تو خالی ہاتھ ہی واپس لوٹے ان احکامات پر عمل درآمد کرنا ہوگا۔

وہ عامل کہتا ہے کہ میں چلا گیا اور آنجناب کی ہدایات پر عمل کیا اور پورا پورا خراج وصول کر کے واپس ہوا۔

یعنی ان اصولوں پر عمل کرنے کی یہ برکات تھیں کہ خراج کی وصولی صحیح طریقہ پر ہوئی اور بیت المال کی آمدنی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ کتاب الخراج میں یہ واقعہ اس طرح مندرج ہے کہ:

۔۔۔۔۔۔ عن عبد الملک بن عمیر قال: حدثنی رجل من ثقیف قال: استعملنی علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی عکبراء فقال لی: واھل الارض معی یسمعون۔ انظر ان تستوفی ما علیھم من الخراج۔ وایاک ان ترخص لھم فی شیئی وایاک ان یروا منک ضعفاً۔ ثم قال: رح الی عند الظھر، فرحت الیہ عند الظھر فقال لی: انما اوصیتک بالذی اوصیتک بہ قدام اھل عملک لانھم قوم خدع، انظر اذا قدمت علیھم فلا تبیعن لھم کسوۃ شتاء ولا صیفا ولا رزقاً یاکلونہ، ولا دابۃ یعملون علیھا، ولا تضربن احداً منھم سوطاً

واحداً فی درهم، ولا تقمه علی رجله فی طلب درهم، ولا تبع لاحد منهم عرضاً فی شیئ من الخراج فانا انما امرنا ان ناخذ منهم العفو۔ فان انت خالفت ما امرتك به یاخذك الله به دونی وان بلغنی عنك خلاف ذالك عزلتك۔ قال قلت اذن ارجع الیك کما خرجت من عندك قال: وان رجعت کما خرجت۔ قال فانطلقت فعملت بالذی امرلی به، فرجعت ولم انتقص من الخراج شیئاً۔" ؎۱

(۲) اسی طرح ایک اور دوسرا واقعہ عمال کی نصیحت اور اصلاح کے متعلق اکابر علماء نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ بنی اسد کے ایک شخص کو حضرت علی المرتضیٰؓ نے عامل بنا کر بعض علاقوں میں روانہ فرمایا جب وہ اپنے فرائض کی سرانجام دہی کے بعد واپس ہوا تو حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں حاضری دی۔ اور عرض کرنے لگا کہ اس سفر کے دوران چند اشیاء ہدیہ مجھے پیش کی گئی ہیں۔ اور وہ میں نے آنجناب کی خدمت میں حاضر کر دی ہیں اگر یہ صورت میرے لیے جائز اور حلال ہو تو میں ان کو استعمال کروں اور اگر میرے لیے یہ حلال نہ ہوں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہیں (اب آپؓ جس طرح ارشاد فرمائیں)

تو اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان ہدایا کو قبضہ میں لے لیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم ان چیزوں کو روک رکھتے (اور بیت المال میں نہ دیتے) تو یہ چیزیں غلول کے حکم میں ہوتیں (یعنی اموال غنیمت سے جو چیز پوشیدہ طور پر حاکم وقت کی اجازت کے بغیر لے لی جائے اس کو اسلام میں غلول کہتے ہیں۔ اور وہ مال مسروقہ میں شمار کی جاتی ہے)

؎۱ (۱) کتاب الخراج للامام ابی یوسفؒ ص۱۵، ۱۶ تحت احادیث ترغیب تخفیض۔

(۲) کتاب الخراج لیحیی بن آدم القرشی ص۸۱ باب ما الجزیة والخراج۔

(۲۰۰۶) ----"عن علی بن ربیعة (ان علیاً) استعمل رجلاً من بنی اسد یقال له ضبیعة بن زهیر او زهیر بن ضبیعة۔ فلما جاء قال: یا امیر المؤمنین! انی اهدی الیّ فی عملی اشیاء وقد اتیتک بها فان کانت حلالاً اکلتها، والاّ فقد اتیتک بها فقبضها علیؓ وقال: لو حبستها کان غلولاً" [۱]

یہاں سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ بیت المال کے اموال کی وصولی کے لیے جو لوگ اطراف میں بھیجے جاتے ہیں ان کو اس دوران جو ہدایا اور تحائف پیش کیے جائیں وہ بیت المال کا حق ہوتا ہے اور ان ہدایا کا ذاتی استعمال جائز نہیں۔

معاشرتی احوال

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰؓ کے معاشرتی احوال کے متعلق بعض چیزیں سابقاً ذکر ہوئی ہیں۔ اسی سلسلہ میں کچھ مزید چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔

جذبہ خیر خواہی

اسلام میں ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کے حق میں خیر خواہی کرنے کا حکم ہے اور دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی عند اللہ نہایت پسندیدہ عمل ہے۔ نصیحت اور خیر خواہی کے واقعات اکابرین امت میں بہت پائے جاتے ہیں قدم قدم پر ان کے اس کردار کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا محدثین نے ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ عہد نبوی صلعم میں پیش آیا تھا۔

کہ ایک دفعہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے شخص کا جنازہ

---

[۱] المصنف لابن ابی شیبة ص ۵۴۹ ج ۶۔ کتاب البیوع والاقضیة۔ طبع کراچی۔

لایا گیا جس کے ذمے قرض تھا۔ اور اس کے ترکہ میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس سے اس کے قرض کی ادائیگی کی جا سکے۔ جب یہ چیز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ اس شخص کی نماز جنازہ پڑھو (اس پر میں نماز جنازہ نہیں پڑھتا)

تو اس وقت حضرت علی المرتضیٰؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس شخص کے قرض کو ادا کرنے کا میں ذمہ لیتا ہوں آپ اس پر نماز جنازہ ادا فرمائیے۔ پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

۔۔۔ عن ابی سعید الخدری: قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجنازۃ لیصلی علیہا فقال ھل علی صاحبکم دین قالوا نعم۔ قال ھل ترک لہ من وفاء قالوا لا قال صلّوا علی صاحبکم قال علی بن ابی طالب علی دینہ یا رسول اللہ! فتقدم فصلّی علیہ[1]

ایک دوسری روایت میں اسی واقعہ کے متعلق کچھ مزید الفاظ اس طرح پائے جاتے ہیں:

"وقال فک اللہ رھانک من النار کما فککت رھان اخیک المسلم لیس من عبد مسلم یقضی عن اخیہ دینہ الا فک اللہ رھانہ یوم القیامۃ"[2]

"یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے علیؓ! تم نے اپنے مسلم بھائی کی گردن قرض سے آزاد کرائی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری گردن کو آتش جہنم سے آزاد فرمائے گا۔ اور فرمایا کہ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے قرض کو ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو قیامت کے روز آزاد فرمائیں گے۔"

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۳ تحت باب الافلاس والانظار۔ الفصل الثانی۔ رواہ فی شرح السنۃ۔

[2] مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۳ رواہ فی شرح السنۃ تحت باب الافلاس والانظار۔ الفصل الثانی۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی زندگی میں اس نوع کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ جذبہ خیر خواہی کے بیان کرنے کے لیے یہی واقعہ کافی ہے اور ان کی طرف سے یہ امت کے لیے ایک عملی نمونہ ہے اور دوسری طرف قرض ادا کرنے والے کے لیے تعجیل کرنا لازم ہے۔ اور اس کے تاخیر کرنے میں ایسا وبال ہے کہ نبی اقدس صلعم کی جانب سے نماز جنازہ کی سعادت سے محرومی ہوتی ہے اور پھر آخرت کا محاسبہ مزید برآں ہوگا۔

مجلسی آداب

آداب مجالس کے لیے دین اسلام میں بے شمار ہدایات پائی جاتی ہیں ان آداب کو ذکر کرنا طوالت کا متقاضی ہے۔ فی الحال ہم یہاں حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق ایک واقعہ ذکر کرنا مفید خیال کرتے ہیں وہ اس طرح ہے کہ ایک شخص ابو خالد الوالبی ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب علی المرتضیٰؓ ہمارے پاس مجلس میں تشریف لائے۔ ہم پیشتر ان کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ صورت حالات ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں دیکھ رہا ہوں کہ آپ خاموش میرے انتظار میں متحیر اور حیران شکل میں کھڑے ہیں۔

(یعنی اس طرح لوگوں کا مجلس میں کھڑے رہنا آپ کو ناپسند ہوا اور آپ نے ان لوگوں کو یہ کلمات فرمائے)

...."عن ابی خالد الوالبی قال: خرج علینا علی بن ابی طالب ونحن قیام ننتظره لیتقدم فقال مالی اراکم سامدین"[1]۔

حاصل یہ ہے کہ درباروں میں اور بڑے آدمیوں کی مجالس میں لوگوں میں کھڑے رہنا اہلِ زمانہ کی رسوم تھیں اور اسلامی عادات کے برخلاف جاہلیت کے طرز و طریق تھے اس بنا پر جناب علی المرتضیٰؓ نے اس پر اظہار نفرت فرمایا:

---

[1] طبقات لابن سعد ج ۶ تحت ابی خالد الوالبی۔

معاشی احوال

ابتدائی حالات میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا گزران نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہوتا تھا جس طرح کہ ان کے اوائل زندگی کے احوال میں دستیاب ہوتا ہے پھر آنجناب ؓ کی ازدواجی زندگی جب شروع ہوئی تو اس دور میں غزوات شروع ہو گئے آپ ؓ ان غزوات میں شریک ہوتے اور اموال غنائم اور خمس وغیرہ سے حصہ حاصل کرتے تھے۔ اور خیبر کے اموال غنائم سے دیگر صحابہ کرام ؓ کے ساتھ ان کو بھی معقول حصہ ملا تھا۔

عہد نبوی صلعم میں غنائم اور خمس سے معاشی ضروریات پوری ہوتی تھیں اور آپ اپنا تمام وقت دین اسلام کے احیاء و بقا کے معاملات میں صرف کرتے تھے۔ اس مبارک عہد کے تمام واقعات اس چیز پر شاہد ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر ؓ کے عہد میں اموال فیئ و خمس سے حضرت علی ؓ کو حسب دستور حصہ ملتا تھا اور بنی ہاشم میں اموال مذکورہ کی تقسیم حضرت علی ؓ کے ہاتھوں سے کی جاتی تھی بلکہ ان اموال کی تولیت بھی ان کے سپرد تھی [1]

نیز عہد فاروقی میں بھی حضرت علی کے لیے اموال غنائم اور خمس میں سے باقاعدہ حصہ ملتا تھا۔ اور خاص طور پر جناب فاروق اعظم ؓ نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے لیے بعض قطعات اراضی متعین فرما دیئے تھے۔ ینبع کے مقام پر ایک بڑی جاگیر انہی قطعات الاراضی میں سے ایک تھی جس کی معقول آمدنی تھی [2]

---

[1] ہماری کتاب "رحماء بینھم" حصہ صدیقی ص ۹۱ تا ۹۸ میں تفصیلات مسئلہ ہذا ملاحظہ فرما دیں۔

[2] ینبع کے مقام میں قطع اراضی کا دیا جانا مندرجہ ذیل مقامات میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۵۵ ج ۱۲ کتاب الجہاد۔ طبع کراچی۔

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۴۴ ج ۶ باب اقطاع الموات۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

اور حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں دستور سابق کی طرح جو ذرائع آمدن اور معاشی اسباب تھے وہ بدستور قائم تھے اور حضرت عثمانؓ اموال فئی اور غنائم میں سے حضرت علیؓ کو باقاعدہ حصہ بھجوایا کرتے تھے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں عہد عثمانی کے حالات میں ذکر کر دیا ہے۔ اور اپنی کتاب "رحماء بینھم" حصہ عثمانی میں ص ۱۵۲ تا ۱۶۳ باب چہارم تحت عنوان ششم ان مسائل کو بالوضاحت ذکر کر دیا ہے۔

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کے اپنے عہد خلافت میں آنجنابؓ کے مالی حالات سابقہ احوال کے مطابق درست تھے۔

لیکن ذاتی طور پر آنجناب بیت المال سے بالکل قلیل وظیفہ حاصل کرتے تھے جو بقدر کفایت اور بقدر ضرورت ہوتا تھا۔

اس مقام میں علماء نے لکھا ہے۔ کہ شیخینؓ بیت المال سے ایک قلیل وظیفہ کے حصول پر اکتفا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ:

"۔۔۔ کان یاخذ فی کل یوم من بیت المال ثلاثۃ دراھم اجرتا۔"[1]

"یعنی حضرت صدیقؓ بیت المال سے روانہ تین درہم بطور وظیفہ حاصل کرتے تھے۔"

(وظیفہ ہذا کے مسئلہ میں مؤرخین کے دیگر اقوال بھی ہیں جو طبقات لابن سعد جلد ثالث تحت تذکرہ صدیقؓ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔)

وظیفہ کے سلسلہ میں سیدنا فاروق اعظمؓ کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کا)

(۳) وفاء الوفاء للسمہودی ص ۱۳۳۴ جلد رابع فصل ثامن تحت ینبع۔

(۴) معجم البلدان للیاقوت حموی ص ۴۵۰ ج ۸ تحت ینبع۔

(۵) رحماء بینھم حصہ فاروقی ص ۱۷۲ تا ۱۹۰ فصل رابع میں مزید تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

[1] تاریخ ابو یعقوب الشیعی ص ۱۲۶ طبع بیروت۔

"۔۔۔۔ کان عمر بن الخطاب یستنفق کل یوم درھمین لہ ولعیالہ" [1]

یعنی حضرت عمرؓ بن خطاب (خلیفہ ثانی) ہر روز دو درہم اپنے لیے اور اپنے عیال کے لیے خرچ اخراجات کے طور پر (بیت المال سے) حاصل کرتے تھے۔"

سیدنا عثمانؓ بن عفان (خلیفہ ثالث) کے متعلق اہل تاریخ نے لکھ دیا ہے کہ انہوں نے اپنے بارہ دن کم بارہ سال عہد خلافت میں اپنے مستحکم مالی حالات کی بنا پر بیت المال سے کوئی وظیفہ حاصل نہیں کیا۔

امیرالمؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ نے بھی کچھ قلیل وظیفہ بعض اوقات بیت المال سے وصول کیا ہے۔

لیکن بعض حالات حضرت علیؓ پر اس طرح پیش آگئے تھے کہ آپ کے پاس کچھ مقدار بھی دراہم نہیں ہوتے تھے۔ مصنفین نے لکھا ہے کہ:

"۔۔۔۔ خرج علی ذات یوم بسیفہ فقال من یبتاع منی سیفی ھذا؟ فلو کان عندی ثمن ازار ما بعتہ" [2]

یعنی ایک روز جناب علی المرتضیٰؓ اپنی تلوار لے کر خرید و فروخت کے مقام میں تشریف لائے ہیں اور فرمانے لگے کہ یہ میرے پاس تلوار ہے اس کو کون خرید کرنے کے لیے تیار ہے؟ فرمایا اگر ایک چادر کی قیمت کے دراہم میرے پاس ہوتے تو میں تلوار کو فروخت نہ کرتا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات آپؓ کی مالی عالت اس درجہ تک بھی پہنچ جاتی تھی کہ ضروریات کے لیے قلیل دراہم بھی پاس نہ ہوتے تھے۔

---

[1] طبقات لابن سعد ص ۲۲۲ ج ۳ تحت تذکرہ عمر بن الخطابؓ (طبع لیڈن)

[2] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۵ ج ۱۳ کتاب الزہد۔ طبع کراچی۔

(۲) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی ص ۸۳ ج ۱ تحت ذکر علیؓ بن ابی طالب۔

اور بیت المال سے لباس حاصل کرنے کے متعلق علماء روایت درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیت المال سے بالکل بقدر کفایت بعض اوقات مال حاصل کرتے تھے مصنفین نے درج کیا ہے کہ :

"۔۔۔۔ عن عبد الرحمان بن ابی بکرۃ قال ما رزأ علیؓ من بیت مالنا حتی فارقنا الاجبۃ محشوۃ وخمیصۃ درابجردیۃ"[1]

یعنی عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے بیت المال سے (لباس کے سلسلہ میں) حضرت علی المرتضیٰ کچھ نہیں لیتے تھے مگر ایک جبۃ (پہننے کا پیراہن) اور استعمال کے لیے ایک چادر حاصل کرتے تھے۔

معاشی حالات کا دوسرا رخ

مورخین نے لکھا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لیے متعدد اراضی متعین فرمادی تھیں۔ الفقیران، بئر قیس، والشجرۃ۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علیؓ کے لیے ینبع کے مقام میں ایک اراضی متعین کر دی تھی پھر وہاں حضرت علیؓ نے آبادی قائم کی اور اس ینبع کے ساتھ مزید وہاں اضافہ کر لیا۔

۔۔۔۔ عن جعفر بن محمد قال : اقطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیاً رضی اللہ عنہ اربع ارضین، الفقیران وبئر قیس والشجرۃ واقطع عمر ینبع واضاف الیہا غیرہا[2]

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۹۵ ج ۱۴ کتاب المغازی۔ طبع کراچی۔

(۲) کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام ص ۲۷ تحت توفیر الفیء للمسلمین واتیارہم۔

[2] معجم البلدان للیاقوت الحموی ص ۴۵۰ ج ۲۰ طبع بیروت۔ تحت "ینبع"۔

ینبع کے مقام جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جائیداد ملی ہے اس کی تشریح کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ:

"ینبع حصن بہ نخیل وماء وزرع وبھا وقوف لعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، یتولاھا ولدہ" [1]

مطلب یہ ہے کہ ینبع ایک ایسا مقام ہے جس کی ایک قلعے کی حیثیت حاصل ہے وہاں کھجور کے باغات ہیں اور وہاں پانی کے چشمے ہیں اور وہاں کھیتیاں ہیں۔ اور اس مقام میں علی بن ابی طالبؓ کے لیے کئی اوقاف تھے۔ اور ان کے متولی ان کی اولاد تھی۔

ینبع کے مقام میں جو حضرت علیؓ کے اوقاف تھے مزید علماء نے تشریح یہ بھی دی ہے۔ کہ ان کے متعلق آنجنابؓ کی طرف سے یہ شرائط تھے کہ:

"لا یباع ولا یوھب ولا یورث کل مال فی ینبع" [2]

یعنی یہ صدقات قابلِ فروخت نہ ہوں گے اور نہ کسی دیگر شخص کو ہبہ کئے جا سکیں گے اور نہ ان میں وراثت جاری ہوگی۔ (بلکہ یہ اوقاف للہ فی اللہ جاری رہیں گے۔ اور امورِ خیر ان کا مصرف ہوگا)۔

مزید براں اس کے ماسوا بھی علماء کرام نے حضرت علیؓ کی جائیدادیں اور صدقات درج کیے ہیں ایک کا نام عین تُحَنُّس اور ایک عین ابی نیزر اور ایک عین البغیبغہ۔

ان کی تفصیلات مندرجہ ذیل مقام میں اہلِ تحقیق ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(۱) وفاء الوفاء از نور الدین السمہودی ص ۱۲۷۲ ج ۴ تحت عین تحنس۔

(۲) وفاء الوفاء السمہودی ص ۱۲۷۲ ج ۴ تحت عین ابی نیزر۔

---

[1] معجم البلدان لیاقوت الحموی ص ۴۵۰ ج ۸ طبع بیروت۔ تحت "ینبع"

[2] المصنف لعبد الرزاق ص ۳۷۵ ج ۱۰ تحت وصیت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ جناب علی المرتضیٰؓ کی متعدد جائیدادیں تھیں اور کئی اوقاف اور صدقات تھے جن میں سے بعض چیزوں کی نشاندہی اوپر کر دی گئی ہے ادھر حضرت علیؓ کے زاہدانہ حالات اور فقر و فاقہ کے احوال بھی پیش کئے گئے ہیں تو ان دونوں احوال زندگی کے متعلق علماء فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ طبعاً درویش منش اور فقیر طبع تھے۔ اور یہ جائیدادوں کی آمدنی کا مسئلہ اپنی جگہ درست ہے لیکن یہ سب چیزیں یہ لوگ اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے تھے اور ان اموال میں سے ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے۔ اللہ کی راہ میں صرف کرنا ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔

فلہذا ان کی معاشی حالات کے دونوں رخ اپنی اپنی جگہ پر بالکل درست ہیں اور ان میں کوئی تضاد نہیں۔

مخصوص صحیفہ کا مسئلہ

شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد میں ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ کے پاس اس قرآن مجید کے علاوہ ایک "مخصوص صحیفہ" تھا جسے بعض روایات میں "الجامعہ" اور "مصحف فاطمہؓ" کے اسماء کے ساتھ بھی ذکر کرتے ہیں۔

الجامعہ، مصحف فاطمہؓ اور "مخصوص صحیفہ" مآل کے اعتبار سے ایک ہی چیز کے انواع و اقسام کے درجہ میں ہیں۔

شیعہ کے نزدیک ان کے چند احوال و اوصاف بطور تشریح کے درج ذیل ہیں:

(۱) ـــــ الجامعۃ

اس کے متعلق ان کے ائمہ کی روایات کی روشنی میں ذیل چیزیں مذکور ہیں۔

(الف) یہ وہ چیز ہے جس کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے املاء کرایا اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھوں نے اس کو لکھا ہے۔ یہ ستر (ذراع) یعنی ستر ہاتھ طویل ہے۔

(ب) جب امام جعفر صادقؒ سے اس صحیفہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

یہ صحیفہ ستر ہاتھ طویل ہے اور ایک فراخ کھال میں رکھا ہوا ہے۔ اور اونٹ کی فالج یعنی ران کے برابر اس کی ضخامت ہے۔ اس میں لوگوں کی ہر ضرورت کی چیز موجود ہے اور اس میں ہر قابل فیصلہ امر کا حل موجود ہے۔

"۔۔۔عن ابی عبداللہ علیہ السلام انہ سئل عن الجامعۃ قال تلک صحیفۃ سبعون ذراعا عریض الادیم مثل فخذ الفالج فیہا کل ما یحتاج الناس الیہ ولیس من قضیۃ الا وھی فیہا حتی ارش الخدش۔"[1]

۲ ـــــــ مصحف فاطمہؓ

مصحف فاطمہؓ کے متعلق شیعہ علماء نے اپنے ائمہ سے بڑی تفصیلات درج کی ہیں ان میں سے صرف ایک دو حوالے پیش خدمت ہیں۔

امام جعفر صادقؒ کی ایک طویل روایت میں ان کا شاگرد ذکر کرتا ہے کہ:

امام جعفر صادق تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ ہمارے پاس ایک مصحف فاطمہؓ علیہا السلام ہے۔ لوگوں کو کیا معلوم کہ مصحف فاطمہؓ کیا ہے؟ فرمایا مصحف فاطمہ وہ مصحف ہے

---

[1] (۱) بصائر الدرجات للشیخ ابوجعفر محمد بن حسن الصفار ص۱۴۲ جز ۳ باب ۱۲ روایت ۲ تحت باب "فی الائمۃ ان عندھم الصحیفۃ الجامعۃ التی ھی املاء رسول اللہ ۔۔۔ الخ" (طبع ایران)

(۲) اصول کافی ص۱۴۶ طبع لکھنؤ "باب فیہ ذکر الصحیفہ والجعفر والجامعۃ ومصحف فاطمۃؓ"

(۳) احتجاج الطبرسی ص۱۴۷ (طبع قدیم ۱۳۰۲ھ) تحت "احتجاج حسن بن علی علی معاویۃ فی امامۃ من لیستحقہا"

جو تمھارے قرآن سے تین گنا بڑا ہے اور اللہ کی قسم اس میں تمھارے قرآن میں سے ایک حرف بھی نہیں۔ بے شک یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہؓ کی طرف وحی سے لکھوایا اور حضرت علی المرتضیٰؓ لکھا کرتے تھے۔

یہ چیز بھی ان کے ائمہ سے منقول ہے کہ: اللہ کی قسم ہمارے پاس مصحف فاطمہؑ ہے جس میں اللہ کی کتاب سے کوئی آیت نہیں اور تحقیق اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ نے املاء کرایا اور حضرت علیؑ نے اسے اپنے ہاتھوں سے لکھا۔

"۔۔۔ ثم سکت ساعۃ ثم قال: وان عندنا لمصحف فاطمۃ علیھا السلام وما یدریھم ما مصحف فاطمۃ؟ قال مصحف فیہ مثل قرانکم ھذا ثلاث مرات واللہ ما فیہ من قرانکم حرف واحد انما ھو شئی املاءھا اللہ واوحی الیھا"۔[1]

۳ —— مخصوص صحیفہ

شیعہ کے ائمہ کی روایات میں یہ چیز بھی موجود ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک خاص صحیفہ تھا۔ ان کے ائمہ فرماتے ہیں کہ:

اللہ کی قسم ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جس کا طول ستر ہاتھ (ذراع) ہے اور جو حلال اور حرام چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں حتیٰ کہ ایک خراش کی دیت تک بھی وہاں درج ہے۔ نیز فرمایا کہ ہمارے پاس ایک مصحف ہے اور

---

[1] (۱) بصائر الدرجات صفحہ ۱۵۲ ج ۳ تحت فی الائمہ علیہم السلام انہم اعطوا الجفر والجامعہ ومصحف فاطمہؑ طبع ثانی روایت ۳ (طبع ایران)

(۲) اصول کافی ص ۱۴۶ طبع لکھنؤ باب ذکر الصحیفۃ والجفر والجامعہ ومصحف فاطمہؑ۔

وہ اللہ کی قسم قرآن نہیں (یعنی قرآن مجید سے الگ ایک چیز ہے)

"..... وعندنا واللہ صحیفۃ طولھا سبعون ذراعا ما خلق

اللہ من حلال وحرام الا وھو فیھا حتی ان فیھا ارش الخدش .....

وعندنا مصحف اما واللہ ما ھو بالقرآن" [1]

اور اصول کافی میں امام جعفر صادق سے یہ روایت بھی منقول ہے جس میں انہوں نے ایسا مخصوص قرآن اپنے پاس ہونا ذکر کیا ہے جس کی سترہ ہزار آیات ہیں۔ یہ قرآن جبرائیل علیہ السلام نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لائے تھے۔

"..... عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان القرآن الذی

جاء بہ جبرائیل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ والہ

سبعۃ عشر الف آیۃ" [2]

(قارئین کرام کو معلوم ہے کہ اصل قرآن مجید جو مسلمانوں کے پاس ہے اس میں صرف چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں۔ فلہذا سترہ ہزار آیات پر مشتمل قرآن ان کا ایک مخصوص صحیفہ اور الگ قرآن ہے)

مندرجہ بالا احوال و اوصاف معلوم کر لینے کے بعد واضح ہوا کہ شیعہ عقائد کے اعتبار سے ان کے ہاں متعدد صحائف ہیں۔ یہ لوگ ان کو بعض اوقات "جفر" اور بعض اوقات مصحف فاطمہؓ یا "الجامعہ" کے ناموں سے ذکر کرتے ہیں نیز ان کے پاس سترہ ہزار آیات پر مشتمل ایک الگ قرآن مجید ہے۔

شیعہ کے نزدیک یہ چیز مسلّم ہے کہ یہ مخصوص مصحف اور مخصوص قرآن مجید حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس تھا اور انہوں نے اسے آنے والے امام کے سپرد کیا اور اسی طرح ائمہ

---

[1] بصائر الدرجات ص ۱۵۱ ج ۳ باب ۱۳ روایت ۲ باب فی الائمۃ علیہم السلام انہم اعطوا ..... الخ

[2] اصول کافی ص ۶۷۱ طبع لکھنؤ۔ آخر کتاب فضل القرآن۔

اس کو اپنے جانشینوں کی طرف منتقل کرتے رہے حتیٰ کہ آخری امام محمد مہدی کے سپرد کیا گیا جو اسے اپنے ساتھ لے کر غار "سر من رأی" (سامرۃ) میں تشریف لے گئے اور تا حال اس میں غائب ہیں اصلی صحیفہ اور اصلی قرآن ان کے پاس ہے۔

اس عقیدہ اور نظریہ کے ساتھ ایک طویل تاریخ ملحق ہے جسے ہم یہاں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا شیعی نظریات اور مخصوص مرویات کی بنا پر لوگوں میں تاثر دیا جاتا ہے کہ اصلی قرآن وہی ہے جو ائمہ کے پاس مخفی اور مستور چلا آیا ہے اور اب امام مہدی کے پاس غار میں محفوظ ہے۔ اور یہ قرآن مجید جو مسلمانوں کے پاس ہے یہ اصلی قرآن نہیں۔ اس میں کئی نوع کی تبدیلیاں ہو چکی ہیں اور بہت کچھ محرّف و مبدل ہو چکا ہے۔ فلہذا شیعہ کے نزدیک یہ قرآن قابلِ اعتماد نہیں۔

مسئلہ ہذا کی وضاحت

اس مسئلہ کے متعلق سب سے پہلے خود جناب امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کلام ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ جن کے متعلق مذکورہ نظریات قائم کئے گئے ہیں ان کی زبانی ہی اس کی وضاحت سامنے آجائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمودات

موجودہ مسئلہ کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مفصل کلام بہت سی روایات میں موجود ہے اور محدثین اور مؤرخین نے اپنے اپنے مقام میں اسے مدلل طریقہ سے درج کیا ہے۔

ہم بھی اس مقام میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چند فرمودات مختصراً پیش کرتے ہیں۔ یہ فرمودات عموماً آنجناب رضی اللہ عنہ کے اپنے دورِ خلافت سے متعلق ہیں

(۱) ابراہیم التیمی اپنے والد یزید بن شریک التیمی سے نقل کرتے ہیں کہ میرے

والد نے کہا کہ ایک دفعہ علی المرتضیٰؓ نے عام پبلک میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ کی کتاب کے بغیر ان کے پاس کوئی کتاب ہے جس کی ہم قرأت اور تلاوت کرتے ہیں تو اس نے جھوٹ کہا اور دروغ گوئی کی۔ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ماسوا صرف ایک مجموعہ یا دداشت مسائل کا ہے جس میں چند فقہی احکام ہیں جو اونٹوں کی عمروں کے متعلق ہیں اور زخموں کی دیت کے متعلق ہیں۔

"۔۔۔ عن ابراھیم التیمی عن ابیه قال خطبنا علیؓ فقال من زعم ان عندنا شیئاً نقرأه الا کتاب الله وھذه الصحیفة (قال ابی رحمه الله صحیفة فیھا اسنان الابل واشیاء من الجراحات) فقد کذب۔" [1]

(۲) نیز حضرت علی المرتضیٰؓ کے ایک خصوصی شاگرد "ابوجحیفة" آنجنابؓ کی خدمت میں بطور سوال گزارش کرتے ہیں کہ یا حضرت! آپؓ کے پاس قرآن مجید کے علاوہ کوئی صحیفہ ہے؟ جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خصوصی طور پر عنایت فرمایا ہو؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ بالکل نہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے دانے کو اگایا اور روح کو پیدا فرمایا ہمارے پاس کوئی مخصوص چیز نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی کتاب کا فہم و ادراک بخشتا ہے۔

ہمارے پاس مسائل کی یادداشت کا یہ ایک صحیفہ ہے میں نے عرض کیا اس صحیفہ میں کیا کچھ ہے تو آنجنابؓ نے فرمایا کہ اس میں چند مسائل بطور یادداشت محفوظ کیے ہوئے ہیں مثلاً دیت اور جرمانہ کے مسائل، قیدی کے واگذار کرانے کے احکام اور نیز یہ مسئلہ کہ کافر کے قتل کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جاتا وغیرہ وغیرہ

---

[1] (۱) کتاب السنة لامام احمدؒ ص۱۸۹ تحت ذکر الوصیة۔

(۲) المسند الامام احمدؒ ج۱ ص۸۱ تحت مسندات علیؓ۔

۔۔۔۔۔ عن الشعبی اخبرنی ابو جحیفۃ قال قلت لعلیؓ هل عندکم عن رسول اللہ ﷺ شیئ سوی کتاب اللہ؟ قال: والذی فلق الحبۃ و برأ النسمۃ ما عندنا شیئ سوی کتاب اللہ الا ان یوتی اللہ رجلا فھما فی ھذا القرآن وما فی ھذہ الصحیفۃ قال قلت وما فی ھذہ الصحیفۃ؟ قال: العقل وفکاک الاسیر ولا یقتل مسلم بکافر۔ [1]

(۳) اسی مسئلہ کے متعلق ایک اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا بیان محدثین نے ذکر کیا ہے جو آپ نے علی الاعلان منبر پر ارشاد فرمایا تھا۔

فرمایا کہ اللہ کی قسم! ہمارے پاس صرف اللہ کی کتاب ہی ہے جو ہم تمہارے سامنے پڑھتے ہیں اور یہ ایک مجموعہ مسائل کا (جس کو صحیفے سے تعبیر کیا) تحریر شدہ ہے اس کو ہم تلوار کی نیام میں معلق کیے ہوئے ہیں یہ مسائل ہم نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیے تھے اس میں صدقہ کے فرائض وغیرہ کا بیان ہے (یعنی چند فقہی مسائل جمع شدہ ہیں)۔

۔۔۔۔ عن طارق بن شہاب قال شهدت علیاً رضی اللہ عنہ وھو یقول علی المنبر واللہ ما عندنا کتاب نقرؤہ علیکم الا کتاب اللہ تعالیٰ وھذہ الصحیفۃ معلقۃ بسیفہ اخذتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھا فرائض

---

[1] (۱) کتاب السنۃ لامام احمدؒ ص۱۸۷ تحت ذکر الوصیۃ وان الرسول اللہ صلعم لم یوص علیا شیأ۔۔۔الخ

(۲) المنتقیٰ لابن الجارود (المتوفی ۳۰۷ھ) ص۲۶۸ (باب فی الدیات کے بعد روایت درج ہے)

(۳) مشکوٰۃ شریف ص۳۰۰ کتاب القصاص۔ الفصل الاول عن ابی جحیفۃ۔ بحوالہ بخاری شریف۔

الصدقة معلقة بسيف له حليته حديد ۔ [1]

(۴) ایک دیگر روایت بھی محدثین نے ذکر کی ہے جو اسی مسئلہ کے متعلق ہے۔ ایک شخص قیس بن عباد ذکر کرتا ہے کہ میں اور الاشتر جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کوئی مخصوص چیز عنایت فرمائی ہے جو عام لوگوں کو نہیں دی گئی؟ تو آنجناب نے اس کی نفی فرمائی اور فرمایا کہ میرے پاس ایک یہ تحریر ہے (جو آنجناب رضی اللہ عنہ کی تلوار کی نیام میں تھی) اور اس میں یہ مسائل درج تھے مثلاً:

- باہم مومنوں کا خون باعتبار دیت و قصاص کے برابر اور متساوی ہے۔
- اور ان کو غیر مسلموں پر غلبہ اور بالاتری حاصل ہے اور باہم تعاون و تناصر میں ید واحد کی طرح ہیں ان کا تخاذل جائز نہیں۔
- اور ان کے ادنیٰ آدمی کی بھی ذمہ داری اور امان کی رعایت کی جائے گی۔
- اور کوئی مومن کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔
- اور جس کے ساتھ معاہدہ ہوا ہے اس کی عہد شکنی نہیں کی جائے گی... الخ

...عن قیس بن عباد قال انطلقت انا والاشتر الی علی رضی اللہ عنہ فقلنا ھل عھد الیک نبی اللہ شیئاً لم یعھدہ الی الناس عامۃ؟ قال لا! الا ما فی کتابی ھذا قال وکان من قراب سیفہ فاذا فیہ المؤمنون تکافأ دماؤھم وھم ید علی من سواھم ویسعی بذمتھم ادناھم الا

---

[1] (۱) الفتح الربانی (ترتیب مسند احمدؒ) ص۱۳۵ ج۲۳ تحت الباب الثالث ذکر شیئ من خطبہ رضی اللہ عنہ۔
(۲) مسند امام احمدؒ ص۱۰۱ ج۱ تحت مسندات سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (طبع اول مصر)۔

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ ۔۔۔۔ الخ [1]

قابلِ غور

مندرجہ بالا تمام فرمودات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محدثین نے نقل کیے ہیں۔ جن میں مخصوص صحیفہ کے نظریہ کی بقدرِ ضرورت وضاحت آگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) کے ماسوا کوئی دوسرا صحیفہ اور کوئی دوسرا قرآن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں تھا اور نہ ہی کوئی مخصوص مصحف آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو ملا ہوا تھا۔

جو کچھ ان کے پاس تحریر تھی وہ چند مسائل کی ایک یادداشت تھی جو مختلف روایات میں پائی جاتی ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر روایات بالا میں آگیا ہے۔ یہ چند فقہی مسائل اور احکامات ہیں اس کے ماسوا کوئی مخصوص صحیفہ نہیں۔

نیز قابلِ توجہ یہ چیز ہے کہ مسئلہ ہذا پر دو قسم کی روایات ناظرین کرام کے سامنے ہیں ایک شیعی روایات ہیں جو انہوں نے اپنے ائمہ سے نقل کی ہیں (جن میں ہے کہ اصلی قرآن اور مخصوص صحیفہ یا الجامعہ وغیرہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس تھا جو امام مہدی تک ائمہ کے ہاں منتقل ہوتا چلا آیا۔

اور دوسری روایات خود حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمودات ہی ہیں جو ہمارے محدثین نے اپنے اپنے اسانید کے ساتھ نقل کیے ہیں (ان میں خود حضرت علی المرتضیٰؓ نے کسی دیگر قرآن اور صحیفہ کی نفی کر دی ہے)۔

---

[1] (۱) کتاب السنۃ للامام احمدؒ ص۱۸۷۔ طبع مکہ مکرمہ۔ تحت ذکر الوصیۃ وان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لم یوص عدیاً ۔۔۔۔ الخ

(۲) مسند الامام احمدؒ ص۱۰۸ ج۱، ص۱۵۲ ج۱ تحت مسندات مرتضویؓ۔

اب ان دو قسم کی متقابل روایات کے صحیح ہونے یا غیر صحیح ہونے کے متعلق قرین قیاس یہ بات ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے کردار اور اس دور کے حقیقی واقعات پر نظر غائر کی جائے جس سے ایک منصف مزاج آدمی کسی فیصلہ پر پہنچ سکے۔

اس سلسلہ میں درج ذیل اشیاء پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔

① سیدنا علی المرتضیٰؓ نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں اہل اسلام کے سامنے وہ اصلی اور مخصوص قرآن کیوں نہیں پیش کیا؟ خاص طور پر جب کہ صدیقی دورِ خلافت میں جمع قرآن کا مسئلہ پیش آیا تو اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنا خاص صحیفہ اور اصلی قرآن قوم کے سامنے پیش کرنا چاہیے تھا۔

اسی طرح عثمانی عہد خلافت میں جب قرآن مجید کی اختلاف قرأت کا مسئلہ پیش آیا اور اس کے لغت قریش پر متعدد نسخے مدوّن و مرتب کرنے کا فیصلہ حضرت علی المرتضیٰؓ سمیت تمام اکابر صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر کیا تو اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنا اصلی قرآن کا مسئلہ کیوں نہیں پیش کیا؟ حالانکہ اس تمام واقعہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ دیگر صحابہ کے ساتھ متعاون اور شریک کار تھے (اس چیز کو قبل ازیں ہم نے عہد عثمانی کے واقعات میں درج کیا ہے)

② اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے اپنے عہد خلافت میں یہی قرآن مجید پنجگانہ نمازوں، عیدین اور تراویح میں پڑھا پڑھایا اور سنا سنایا جاتا تھا۔ اس وقت اپنا اصلی قرآن اور مخصوص صحیفہ اہل اسلام کے سامنے کیوں نہیں پیش کیا گیا؟

③ عہد علوی میں اسی قرآن مجید کے اہلِ اسلام نے درس قائم کیے ہوئے تھے اور تمام ممالک اسلامیہ میں اسی قرآن مجید کی تعلیم و تدریج کی جاتی تھی کسی دوسرے قرآن یا کسی دوسرے صحیفہ کی تلقین و تعلیم نہیں کی جاتی تھی۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنے مخصوص اور اصلی قرآن کو کیوں ظاہر نہیں فرمایا؟ اور اس کی تعلیم و تدریج کی کیوں سعی نہیں فرمائی؟

④ نیز حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور خلافت میں بھی اسی قرآن مجید کے احکامات پر عمل

درآمد جاری وساری رہا۔ کسی دیگر صحیفہ یا قرآن کے احکامات کا نفاذ نہیں کیا گیا حالانکہ دورِ علوی میں اصلی قرآن کے اجراء میں کوئی چیز مانع نہیں تھی۔

مختصر یہ ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے انتقال کے بعد اصلی قرآن اور غیر اصلی قرآن کا مسئلہ بعض لوگوں نے خود تجویز کر لیا ہے یہ چیز کتاب اللہ (قرآن مجید) کی حفاظت کے خلاف ایک تحریک ہے اور کتاب اللہ سے قوم کا اعتماد اٹھانے کی ایک مذموم سازش ہے جسے کوئی مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا۔

ان گزارشات پر نظر فرما لینے کے بعد اصل مسئلہ خود بخود منکشف اور واضح ہو گیا کہ کتاب اللہ (قرآن مجید) جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے وہ ہر دور میں تغیر و تبدل سے بالاتر ہے اور اہل اسلام کے سینوں میں محفوظ و مامون ہے۔

فلہذا سیدنا علی المرتضیٰؓ کے مندرجہ بالا اقوال و افعال ہمارے نظریات کے مؤید ہیں اور ہمارے لیے حجت ہیں اور قرین قیاس بھی یہی چیز ہے کہ اہل اسلام کے ہاتھوں میں جو قرآن مجید ہے یہی صحیح ہے اور کوئی دیگر قرآن کسی کے پاس نہیں ہے۔

خصوصی امامت کا مسئلہ اور ائمہ کا مقام

شیعہ عقائد کی رو سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنا خاص خلیفہ اور قائم مقام مقرر فرمایا تھا اور آنجنابؓ کی امامت و خلافت کے متعلق خاص وصیت فرمائی تھی۔ دوسرے لفظوں میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان

کے حق میں منصب امامت مخصوص کیا گیا تھا اور آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص وصی قرار پائے۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ اپنے بھتیجے حضرت علی بن الحسین (امام زین العابدینؒ) کو فرماتے ہیں کہ ..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصایت اور امامت اپنے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کے لیے پھر ان کے بعد امام حسن کے لیے اور پھر ان کے بعد امام حسین کے لیے متعین فرمائی تھی ..... الخ

..... عن ابی جعفر علیه السلام قال لما قتل الحسین ارسل محمد بن الحنفیة الی علی بن الحسین علیه السلام فخلا به ثم قال له یا ابن اخی قد علمت ان رسول الله صلی الله علیه وآله کان قد جعل الوصیة والامامة من بعده الی علی بن ابی طالب علیه علیه السلام ثم الی الحسن علیه السلام ثم الی الحسین علیه السلام ..... الخ [1]

نیز اس چیز کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ شیعہ کے نزدیک ان کے ائمہ کا مقام یہ ہے کہ ہر ایک امام کی اطاعت لوگوں پر اسی طرح فرض ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اطاعت فرض فرمائی ہے۔

چنانچہ اصول کافی میں امام جعفر صادقؒ کا فرمان اس طرح منقول ہے کہ:

..... اشهد ان علیاً امام فرض الله طاعته وان الحسن امام فرض الله طاعته وان الحسین امام فرض الله طاعته وان علی بن الحسین امام فرض الله طاعته وان محمد بن

---

[1] بصائر الدرجات ص۱۷۰ باب ۱۰ "فی الائمة انهم کلمهم غیر الحیوانات" للشیخ ابی جعفر محمد بن الحسن الصفار الشیعی۔

علی امام فرض اللہ طاعتہ۔"

و فی روایۃ یقول: نحن قوم فرض اللہ طاعتنا۔" لے

اس کا مفہوم یہ ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے حلفاً فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت زین العابدینؒ اور حضرت محمد باقرؒ کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے (لوگوں پر) فرض قرار دی ہے اور ساتھ ہی دوسری روایت میں امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ہم ائمہ وہ قوم ہیں جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر فرض فرمائی۔

شیعہ اکابر نے حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر ائمہ کی امامت کے متعلق خاص وصایا اپنی کتابوں میں بہت کچھ ذکر کئے ہیں جن کا ذکر کرنا موجب طوالت ہے مزید تفصیلات برائے امام و امامت مطلوب ہوں تو اصول کافی کتاب الحجۃ کی طرف رجوع فرمائیں۔ ہم نے یہاں ان کے ایک دو قول اجمالاً توضیح مسئلہ کے لیے درج کر دیئے ہیں۔

مسئلہ ہذا کی وضاحت

تمہیداً یہ بیان کر دینا قارئین کرام کے لیے مفید ہے کہ "امامت اور خلافت" کا مسئلہ شیعہ کے نزدیک نصی ہے (خاص نص شرعی سے ثابت ہے) اور ہمارے نزدیک یہ مسئلہ نصی نہیں بلکہ شورائی ہے۔

نیز شیعہ کے نزدیک مسئلہ "امامت و خلافت" اصول دین اور ارکان دین میں سے ہے جیسا کہ توحید، نبوت اور قیامت۔ جبکہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ فروع میں سے ہے اصول میں داخل نہیں۔

جیسا کہ ہم نے سابقاً خصوصی صحیفہ کے مسئلہ میں طریق اختیار کیا ہے اسی طرح ہم اس مقام میں بھی وہی طریق اختیار کرتے ہوئے سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمودات ذکر کرتے ہیں اور بقدر کفایت اس کے بعد دیگر چیزیں ذکر کریں گے اس طریقہ سے مسئلہ ہذا خوب واضح ہو سکے گا۔

لے اصول کافی ص ۱۰۹ کتاب "الحجۃ باب فرض طاعۃ الائمۃ" طبع نول کشور لکھنؤ قدیم طبع۔

سیّدنا علی المرتضیٰؓ کے فرمودات

مسئلہ "امامت و خلافت" کی وضاحت کے لیے حضرت علی المرتضیٰ کے بے شمار فرمودات میں سے چند ایک یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان فرامین میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے مسئلہ ہذا کا بہتر حل فرما دیا ہے اور کسی دیگر جواب کی حاجت ہی نہیں رہی۔

(۱) ایک شخص قیس بن عباد نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے اس وقت سوال کیا جب آپؓ اپنے عہد خلافت کے اوائل میں غالباً بصرہ کی طرف تشریف جانے کا قصد فرما رہے تھے۔ عرض کیا یا حضرت! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے حق میں کوئی خصوصی عہد خلافت فرمایا تھا؟ جس کی بنا پر آنجنابؓ اس منصب کے لیے آمادہ ہو گئے تو سیّدنا علی المرتضیٰؓ نے اولاً تو اس سوال کا جواب دینے سے اعراض فرمایا لیکن جب قیس بن عباد وغیرہ نے اصرار کیا تو آنجنابؓ نے حلفاً فرمایا کہ دوسرے لوگوں کے بغیر میرے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خصوصی عہد نہیں فرمایا۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ بعض لوگ حضرت عثمان بن عفانؓ کے خلاف ہو گئے اور انہیں قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اس منصب کے لیے میں نے اپنے آپ کو زیادہ حقدار سمجھا اور آمادہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ ہمارا یہ اقدام درست ہے یا خطار پر ہے؟؟

"۔۔۔ فهل عهد اليك رسول الله شيئاً في ذالك فاعرض عنا فالحنا عليه فلما رأى ذالك قال والله ما عهد الي رسول الله صلى الله عليه وسلم عهداً الا شيئاً عهده الى الناس ولكن الناس وقعوا على عثمانؓ فقتلوه ثم اني رأيت اني احقهم بهذا الامر فوثبت عليه فالله اعلم اصبنا او اخطأنا" لے

لے (۱) کتاب السنۃ للامام احمدؒ ص ۱۹۲ تحت ذکر الوصیۃ (طبع مکہ مکرمہ)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) جناب علی المرتضیٰؓ کے فرمان سابق کی تائید میں ایک اور روایت پیش کی جاتی ہے جس میں قیس بن عباد نے ہی جناب علی المرتضیٰؓ کے خصوصی معاون اور بااعتماد شخصیت حضرت عمار بن یاسرؓ سے یہی سوال کیا کہ اے عمارؓ! تم لوگ جو کچھ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے معاملہ میں مساعی کر رہے ہو یہ تمہاری اپنی رائے ہے یا اس چیز کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تمہارے ساتھ خصوصی عہد فرمایا تھا؟ تو جناب عمارؓ نے جواب میں کہا کہ اس مسئلہ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ کوئی ایسا وعدہ یا عہد نہیں فرمایا جو دیگر لوگوں سے نہ کیا ہو۔"

..... (م۔ قیس بن عبادؒ) قال قلت لعمارؓ أرأیتم صنیعکم هذا الذی صنعتم فی امر علیؓ أرأیاً رأیتموه؟ ام شیئاً عهده الیکم رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ فقال ماعهد الینا رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئا لم یعهده الی الناس کافة ..... الخ [1]

مندرجات بالا کے ذریعہ معاملہ واضح ہو گیا کہ حضرت علیؓ کے حق میں جناب نبی اقدس صلعم نے کوئی خصوصی وصیت امامت و خلافت کے لیے ارشاد نہیں فرمایا:

حضرت صدیقہؓ کا بیان

مسئلہ ہذا کے متعلق صحابہ کے دور میں ہی لوگوں میں ایک بات مشہور کی گئی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال مبارک سے قبل جناب علی المرتضیٰؓ کے حق میں امامت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کا) (۲) الفتح الربانی (ترتیب مسند احمدؒ) ج ۲۳ ص ۱۳۹ تحت الباب الرابع فی خروج عائشہ وطلحہؓ۔

(۳) الفتح الربانی (ترتیب مسند احمدؒ) ج ۲۳ ص ۱۱۶ تحت الابواب ماجاء فی خلافۃ رابع الخلفاء الراشدینؓ۔

[1] جامع الاصول للجزری ج ۱۲ ص ۱۹۹ تحت الکتاب السابع فی النفاق۔ بحوالہ مسلم شریف)

نیابت کی خصوصی وصیت فرمائی تھی۔

اس کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے بیان میں لوگوں کے اس زعم کی پُرزور تردید کرتے ہوئے فرمایا ؛ کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری اوقات میں میری گود میں تھے یا میرے سینہ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طشت (پیالہ) پانی کا منگوایا اور اسی حالت میں آپ پر میری گود میں اضمحلال طاری ہوا اور میں (اپنی نوعمری کی وجہ سے) معلوم نہیں کرسکی حتیٰ کہ اسی حالت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔ فرماتی ہیں کہ سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کے حق میں کس وقت وصیت فرمائی ؟ (کہ ہمیں اس وصیت کی خبر ہی نہیں ہوسکی)۔

۔۔۔۔عن ابراھیم عن الاسود قال ذکروا عند عائشة ان علیاً کان وصیاً فقالت من اوصی الیه فقد کنت مسندته الی صدری او قالت فی حجری - فدعا بالطشت فلقد انخنث فی حجری وما شعرت انه مات فمتی اوصی الیه ؟[1]

حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس نوع کی خصوصی وصیت نبوی کی نفی کردی ہے اور لوگوں میں مشہور شدہ زعم کی تردید فرمادی۔

اکابر علماء کی تصریحات

گزشتہ اوراق میں اس مسئلہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرامین اور اکابر صحابہ کے بیانات ناظرین کے سامنے آچکے ہیں۔

اب کبار علماء کی تصریحات میں سے چند ایک اقوال درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ جو اپنے مضمون میں

---

[1] (۱) کتاب السنۃ للامام احمدؒ ص ۱۸۶ تحت ذکر الوصیۃ وان الرسول صلعم لم یوص علیاًؓ۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۲۰۷ ج ۱۱ کتاب الامراء۔ طبع کراچی۔

واضح تر ہیں اس چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضہ یا کسی دوسری شخصیت کے لیے خلافت کے متعلق کوئی وصیت بالکل نہیں فرمائی بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسے اشارات پائے جاتے ہیں جن سے حضرت صدیقؓ کی خلافت کی تائید ہوتی ہے۔

"۔۔۔۔ والاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ دالۃ علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یوص الیہ ولا الی غیرہ بالخلافۃ بل نوح بذکر الصدیق ۔ واشار اشارۃً مفہمۃ ظاہرۃ جداً الیہ ۔ کما قدمناہ ذالک وللہ الحمد"[1]

نیز ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اس مقام میں بیشتر شیعہ جہلاء اور بہت سے واعظ اغبیاء جس بات سے دھوکہ کھا جاتے ہیں وہ یہ ہے "کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لیے حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں وصیت فرمائی"۔ پس یہ بات سراسر کذب اور افتراء عظیم ہے۔

کیونکہ اس بات سے یہ چیز لازم آتی ہے کہ صحابہ کرامؓ اس امر میں خیانت کر کے خطاء کبیرہ کے مرتکب ہوئے اور صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے نفاذ کے خلاف معاونت کی اور وصیت نبوی صلعم کے اتمام کے خلاف تعاون کیا اور بغیر کسی معقول وجہ کے صحابہ کرامؓ نے وصیت ہذا کو اپنے محل و مقام سے صرف کر ڈالا (اور نافذ نہ کیا)۔

حالانکہ جو مومن بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ یقین رکھتا ہے وہ یقیناً اس افتراء کے بطلان پر خوب واقف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد بہترین مخلوق ہیں۔ اور وہ اس امت کے خیر القرون ہیں جو بنص قرآن اور اجماع سلف

---

[1] البدایۃ لابن کثیر ج ۷ ص ۲۲۴ تحت خلافت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ۔

صالحین دنیا اور آخرت میں اشرف الامم ہے۔ (پس جو حضرات امت کے بہترین افراد ہیں۔ وہ اپنے نبی کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کر سکتے)۔

"۔۔۔۔ واما مایفتریہ کثیر من جھلۃ الشیعۃ والقصاص الاغبیاء من انہ اوصی الی علیؓ بالخلافۃ فکذب وبھت وافتراء عظیم ویلزم منہ خطاء کبیر من تخوین الصحابۃ وممالاتھم بعدہ علی ترک انفاذ وصیتہ وایصالھا الی من اوصی الیہ وصرفھم ایاھا الی غیرہ لا لمعنی ولا لسبب وکل مؤمن باللہ ورسولہ۔ یتحقق ان دین الاسلام ھو الحق یعلم بطلان ھذا الافتراء لان الصحابۃ کانوا خیر الخلق بعد الانبیاء وھم خیر قرون ھذہ الامۃ التی ھی اشرف الامم بنص القرآن واجماع السلف والخلف فی الدنیا والآخرۃ۔ وللہ الحمد" [1]

ابن کثیرؒ کی ان توضیحات کے بعد اب ہم آخر میں اس مسئلہ پر عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد الاوزاعی (امام اوزاعیؒ) کا ایک تجزیہ ذکر کرتے ہیں جو مسند عمر بن الخطابؓ میں بالفاظ ذیل منقول ہے۔

"۔۔۔۔ قلت لو کانت الخلافۃ وصیۃً من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارضی علیؓ بالحکمین" [2]

یعنی امام اوزاعیؒ کہتے ہیں خلافت علوی کے متعلق نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اگر وصیت ہوتی تو حضرت علی المرتضیٰؓ حکمین (یعنی تحکیم) قبول کر لینے پر رضامند

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۲۴-۲۲۵ ج سابع تحت خلافۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ۔

[2] مسند عمر بن الخطاب ص ۶۷ تحت روایات الاوزاعیؒ۔ طبع اول۔ بیروت۔

نہ ہوتے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا حکمین کو قبول کر لینا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ ان کے حق میں خلافت و امامت کی وصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بالکل نہیں تھی۔

عنوان ہذا کے تحت اب یہ مسئلہ اپنی حدود میں بالکل واضح ہو چکا ہے اب مزید کسی تشریح کی حاجت نہیں۔

(امام اوزاعیؒ کا یہ قول بحث "غدیر خم" کے آخر میں بھی ذکر ہو چکا ہے)

بعض نصائح اور وصایا

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جناب امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کو بعض نصائح اور وصایا فرمائے جاتے تھے۔ اور حسب موقعہ یہ چیزیں پیش آتی رہتی تھیں۔

یہ عنوان اپنی جگہ پر کافی طوالت کا مقتضی ہے تاہم ان میں سے بعض چیزیں ذکر کرنا مفید سمجھی گئی ہیں۔

ایک دفعہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کو ارشاد فرمایا کہ اے علیؓ! تین چیزوں کو اپنے موقعہ سے مؤخر مت کریں اور ان کو اپنے وقت پر تمام کریں۔

الف: پنجگانہ نماز بروقت ادا کریں اور اسے اپنے وقت سے مؤخر نہ کریں۔

ب: جس وقت کسی مسلمان کی میت کا جنازہ آجائے تو اس پر نماز جنازہ بروقت ادا کریں۔ اس میں تاخیر نہ کریں۔

ج: وہ عورت جو بغیر خاوند کے ہے جب اس کا کفو مل جائے تو اس کے نکاح و شادی میں تعجیل کریں تاخیر نہ کریں۔

یہ روایت احادیث کی متعدد کتب میں پائی جاتی ہے۔ یہ نصائح امت کے حق میں

قابل اتباع ہیں اور ان پر عمل درآمد اہل اسلام پر لازم ہے۔

"۔۔۔۔ ان محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب حدثه عن ابیه عن جده علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلاثة یا علی ! لا تؤخرهن الصلاة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت کفوا" ۔[1]

(۲) نیز محدثین نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک شخص حنش نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو دیکھا کہ آپ دو مینڈھے ذبح فرما رہے ہیں تو اس نے عرض کیا کہ یہ دوسرا مینڈھا کس لئے ہے؟ تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے ایک قربانی کروں۔ یہ دوسرا مینڈھا میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ذبح کیا ہے۔

"۔۔۔۔ عن حنش قال رأیت علیاً یضحی بکبشین۔ فقلت له ما هذا ؟ فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه۔ رواه ابو داؤد والترمذی نحوه" ۔[2]

---

[1] (۱) مسند امام احمدؒ ص۱۰۵ جلد اول۔ تحت مسندات علی بن ابی طالبؓ۔
(۲) التاریخ کبیر للامام بخاری ص۱۷۷ ج۱ القسم الاول تحت روایت ۵۳۸
(۳) جامع الترمذی ص۱۴۳ تحت باب ما جاء فی تعجیل الجنازة۔ طبع لکھنؤ

[2] (۱) مسند امام احمدؒ ص۱۰۷ جلد اول۔ تحت مسندات علی بن ابی طالبؓ۔
(۲) مشکوٰۃ شریف ص۱۲۸ الفصل الثانی باب فی الاضحیۃ۔

تنبیہ :

نصائح اور وصایا کا باب بڑا وسیع ہے اور یہ چیز بہت سی روایات میں دستیاب ہوتی ہے۔ اسی سلسلہ میں بعض چیزیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جو اکل وشرب اور لباس وغیرہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی المرتضیٰؓ کو ارشاد فرمائی ہیں۔ اس نوع کی روایات کو علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ایسی مرویات کے بڑے ذخیرہ کو بے اصل قرار دیا ہے۔

"..... وما قد يقصه بعض القصاص من العوام وغيرهم في الاسواق وغيرها من الوصية لعليؓ في الآداب والاخلاق في الماكل والمشرب والملبس مثل ما يقولون : يا علي لا تعتم وانت قاعد يا علي لا تلبس سراويلك وانت قائم يا علي لا تمسك عضادتي الباب ولا تجلس على اسكفة الباب ولا تخيط ثوبك وهو عليك ونحو ذالك. كل ذالك من الهذيانات فلا اصل لشئ منه بل هو اختلاق بعض السفلة الجهلة، ولا يعول على ذالك ولا يغتر به الا غبي عيي." [1]

پھر اسی نوعیت کی کچھ روایات (جو اخلاق سے بھی گری ہوئی ہیں) کا ذخیرہ شیعہ کے مشہور فاضل شیخ صدوق نے اپنی تصنیف علل الشرائع کے باب ۲۸۹ علل نوادر النکاح روایت ۵ صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۷ (طبع نجف اشرف) میں یا علی کے خطاب سے ذکر کیا ہے اس کو نقل کرنا بھی دیانت وشرافت اور اخلاق حسنہ کے خلاف ہے اس مقام کو براہ راست ملاحظہ کریں۔ اسی طرح کی روایات بالکل جعلی اور فرضی ہیں اور الٹا تنقیص مرتبت کا باعث ہیں۔

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ص۲۲۵ ج۷ تحت خلافۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ۔

سیّدنا علی المرتضیٰ ؓ اور بعض فقہی مسائل

حضرات صحابہ کرام ؓ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نہایت ارفع مقام ہے جس طرح اپنے کارناموں کے اعتبار سے آپؓ قوم میں شجاعت کے ساتھ مشہور ہیں اسی طرح فطانت و ذہانت کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ فہیم ہیں اور دین کے فقہی مسائل میں ان کی بہت بلند حیثیت ہے اسی بناء پر خلافت راشدہ کے دور میں ''اقضانا علیؓ'' کے لقب سے مشہور تھے۔ اور اس خصوصی فقاہت کی بنا پر حضرت علی المرتضیٰ کے فقہی مسائل اسلام میں خصوصیت کے حامل ہیں۔

فلہذا حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے فرمودات کی روشنی میں چند فقہی مسائل کو ایک ترتیب سے ذکر کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے۔ تاکہ عوام اہل اسلام کو ان مسائل میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا موقف معلوم ہو سکے اور اس کے مطابق ان پر عمل درآمد جاری رکھ سکیں۔

مثلاً وضو میں غسل پاء، کلمہ اور اذان۔ ہاتھوں کا نماز کے دوران باندھنا یا کھولنا رفع الیدین و ارسال الیدین، جنازہ کی تکبیرات۔ تراویح کی بیس رکعت، متعہ اور ماتم وغیرہ وغیرہ

①

غسل پاؤں میں حضرت علیؓ کا عمل

وضو میں ہاتھ اور منہ کو دھویا جاتا ہے سر کا مسح کیا جاتا ہے اور پاؤں کو بھی دھونے کا حکم ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کس طرح وضو کیا کرتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے شاگرد ابوحیہؒ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا انہوں نے مسح سر کے بعد اپنے دونوں قدموں کو ٹخنوں تک دھویا۔ اور پھر وضو کے بعد کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے پسند کیا ہے کہ تم لوگ کو دکھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کیا کرتے تھے۔

۔۔۔عن ابی حیة قال رأیت علیاً توضأ۔۔۔ ومسح برأسه مرة ثم غسل قدمیه الی الکعبین ثم قام فاخذ فضل طهوره فشربه وهو قائم ثم قال احببت ان اریکم کیف کان طهور رسول الله صلی الله علیه وسلم۔[1]

غسل پاؤں کا یہ حکم اور حضرت علی کا یہ دوامی عمل مندرجہ ذیل مقامات میں بھی مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں۔

① مشکوٰۃ شریف ص۴۶ باب سنن الوضوء (الفصل الثانی) عن ابی حیۃ بحوالہ ترمذی نسائی۔

---

[1] ترمذی شریف ص۲۳ باب فی وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف کان طبع لکھنؤ۔

(۲) نسائی شریف ص۱۶ باب عدد غسل رجلین۔ طبع دہلی

(۳) ابو داؤد شریف ص۱۶-۱۷ ج۱ باب صفۃ وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ طبع دہلی۔

(۴) مسند امام احمدؒ ص۱۱۔۱۲۲ تحت مسندات علیؓ (یہاں غسل پا ء کی متعدد روایات حضرت سے منقول ہیں)

مسئلہ ہذا شیعہ کتب میں

شیعہ کتابوں میں ان کے ائمہ کی روایات میں اگرچہ مسح رجلین کی روایات بھی ملتی ہیں تاہم غسل پاء کی روایات بصراحت موجود ہیں۔ فلہذا ہم یہاں مسئلہ مذکورہ بالا کے تحت غسل رجلین کی چند روایات ان کی کتب سے بالاختصار درج کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگوں پر یہ مسئلہ خوب واضح ہو جائے۔

حضرت جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا.....

وان نسیت مسح رأسك حتی تغتسل رجلیك فامسح رأسك ثم اغسل رجلیك۔

(۱) فروغ کافی ص۱۹ ج۱ باب الشک فی الوضوء۔ طبع نول کشور لکھنؤ۔

(۲) تہذیب الاحکام الشیخ محمد بن حسن الطوسی ص۲۷ ج۱ باب صفۃ الوضوء۔ طبع قدیم ایران

(۳) الاستبصار للطوسی ص۳۸ ج۱ تحت ابواب الوضوء۔ طبع قدیم لکھنؤ۔

(۴) الامالی للشیخ طوسی ص۲۸ ج۱ طبع اول۔

(۵) کتاب الارشاد للشیخ المفید ص۲۷۶ باب معجزاتہ۔ طبع جدید۔ طہران۔

مندرجہ بالا شیعی کتب کے مذکورہ مقامات میں غسل رجلین (وضو میں پاؤں دھولے) کا مسئلہ بصراحت موجود ہے اور یہاں تقیہ کی تاویل کا کوئی موقعہ و محل نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ ان کی اولاد اور ائمہ کرام وضوء میں پاؤں کو دھوتے تھے۔ اور یہ مسئلہ فریقین کی کتب سے ثابت کر دیا گیا ہے اور اسی پر شیعوں کے

سو تمام صحابہ کرامؓ اور تمام اُمّت مسلمہ کا تعامل چلا آیا ہے عہد مرتضوی میں اسی پر عمل درآمد جاری رہا۔ اور یہی کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ صلعم کی تعلیم اور فرمان ہے۔

وضو میں پاؤں کے دھونے کا حکم اصل تو قرآن مجید کے چھٹے پارہ کی آیت وضو میں موجود ہے وہاں بعض علمی مباحث ہیں۔ ان سے قصداً اجتناب کیا ہے کہ وہ عوام کی لیاقت سے بالاتر ہیں یہاں صرف حدیث سے یہ حکم درج کیا ہے۔ اور شیعہ کی معتمد روایات سے تائید ذکر کر دی ہے

(۲)

کلمہ طیبہ

اسلام میں کلمہ طیبہ کے دو اجزاء ہیں توحید اور رسالت اور یہ دونوں اجزاء لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ قرآن مجید میں متفرق صورت میں موجود ہیں تیسری جزء (ان علیاً ولی اللہ وخلیفتہ بلا فصل) قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں اور سنّت نبویؐ میں بھی مفقود ہے۔ فلہٰذا دین اسلام میں کلمہ طیبہ کے یہی دو اجزاء ہیں تیسرا جزو نہیں ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اور دیگر آئمہ نے اپنے اپنے ایام میں اسی کلمہ شریف کو پڑھا اور اسی کلمہ کی تعلیم دی ہے اور اسی کو نجات اخروی کے لیے کافی سمجھا ہے۔ چنانچہ ذیل میں چند ایک حوالہ جات اس کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) شیعہ کی معتبر کتابوں میں جہاں ایمانیات کا مسئلہ درج ہے وہاں صرف دو شہادتیں (توحید و رسالت) موجود ہیں تیسری شہادت ولایت علیؓ ندارد۔

۔۔۔۔ بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وحج بیت وصیام شہر رمضان۔۔۔۔ الخ[1]

---

[1] (۱) اصول کافی ص ۳۹۴ ج ۲ کتاب الکفر والایمان۔ طبع نول کشور لکھنؤ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) پروردگار عالم نے قلم کو فرمایا کہ لکھ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ [۱]
(ولایت علیؓ کی تیسری جز ندارد)

(۳) جب عرش پر آدم علیہ السلام نے نظر کی تو یہ کلمہ شریف نظر آیا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ [۲] (یہاں بھی تیسری جزو ولایت علی ندارد)

(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوئی کہ لوگوں کو کہہ دیجئے کہ کہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ [۳]

(۵) حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کو جب آپ نے کلمہ شریف پڑھایا تو اس میں یہ فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ [۴] (ان مقامات میں بھی تیسری جز ولایت علیؓ ندارد)

(۶) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت میں جو دونوں کندھوں کے درمیان تھی اس میں دو سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ سطر اول میں لا الٰہ الا اللہ اور سطر دوم میں محمد رسول اللہ تھا [۵] (تیسری جزو ولایت علیؓ ندارد)

مذکورہ بالا تمام مقامات میں تیسری جزو یا تیسری شہادہ نہیں پائی جاتی۔ فلہٰذا یہی کلمہ طیبہ جس کے صرف دو اجزاء (توحید و رسالت) ہیں صحیح ہے اور آخرت میں نجات کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کا) (باب ان الاسلام قبل الایمان کے بعد متصل باب میں یہ مسئلہ مذکور ہے)

(۲) اصول کافی صفحہ ۳۸۲ ج ۱ کتاب الکفر والایمان تحت باب ان الایمان مبثوث بجوارح البدن۔ طبع لکھنو۔

[۱] جلاء العیون از باقر مجلسی ص ۱۴ دربیان ابتدائے نور شریف حضرت رسول اللہ است۔ طبع ایران

[۲] جلاء العیون از ملا باقر مجلسی ص ۱۶ دربیان خلقت آدم و حوا۔ طبع تہران

[۳] حیات القلوب از ملا باقر مجلسی ص ۴ ج ۲ باب اول فصل دوم۔ دربیان ابتدائے حدوث نور شریف طبع لکھنو۔

[۴] حیات القلوب از ملا باقر مجلسی ص ۲۷ ج ۲ باب ۲۳ دربیان مبعوث گردیدن بہ رسالت۔

[۵] حیات القلوب از ملا باقر مجلسی ص ۳۶ ج دوم باب ۱ فصل پنجم رفتن عبدالمطلب نزد بادشاہ یمن۔

یہی ضروری ہے اور سیدنا امیرالمؤمنینؓ کے اقوال و اعمال اسی کے مؤید ہیں اور ان کے دورِ خلافت میں یہی کلمہ پڑھا پڑھایا جاتا تھا اور اسی کلمہ کی تعلیم و تلقین جاری تھی۔ تیسری جزو والا کلمہ ان کے بعد والے لوگوں نے تصنیف فرمایا ہے۔ اور مابہ الامتیاز قائم کرنے کے لیے مرتب کیا ہے۔

(۳)

اذان

ان مسائل میں سے ایک مسئلہ اذان میں تیسری شہادت یعنی (شہادتِ توحید و شہادتِ رسالت کے بعد حضرت علیؓ کی ولایت و خلافت بلا فصل کی شہادت) کا ہے۔

اس کے متعلق حضرت علی المرتضیٰؓ کا اپنی خلافت راشدہ میں جو معمول تھا اور جو انہوں نے اذان اپنے حکم سے جاری کی ہوئی تھی وہ ہی اذان ہے جو دورِ رسالت میں کہی جاتی تھی۔

(اس اذان میں تیسری شہادت علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلافتہ بلا فصل بالکل نہیں تھی)

بلکہ تیسری شہادت کے ساتھ اذان بارہ ۱۲ ائمہ کے عہد میں بھی کبھی مروج نہیں رہی اور نہ ہی ائمہ نے جاری کرنے کا حکم دیا ہے۔

مکہ شریف میں جو دورِ نبوت میں اذان دی جاتی تھی وہ ابو محذورۃؓ کی اذان کہلاتی ہے اور مدینہ شریف میں اذان حضرت بلالؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیا کرتے تھے۔ ان تمام اذانوں میں تیسری شہادت مفقود رہی ہے۔

بعدہٗ خیر القرون کے اندر اہل اسلام کے کسی ملک اور علاقہ میں یہ تیسری شہادت پر مشتمل اذان نہیں کہی گئی۔

مختصر یہ ہے کہ عہد نبوت سے لے کر تمام اہل اسلام کا تعامل اسی پر چلا آیا ہے کہ اذان میں تیسری شہادت کہیں ذکر نہیں کی گئی۔

احادیث کی تمام کتابوں میں رجوع فرما کر اس مسئلہ کی تسلی کی جا سکتی ہے اذان کی متعلقہ روایات کا درج کرنا موجب طوالت ہے۔

شیعہ کتب سے مسئلہ ہذا کی وضاحت

(۱) ــــــ فروع کافی باب بدء الاذان والاقامۃ کی سوئم روایت میں درج ہے کہ امام محمد باقرؒ فرماتے تھے کہ اذان کے اٹھارہ[۱۸] کلمات ہیں اور اقامت کے سترہ[۱۷] کلمات ہیں[۱] (یہاں اس مقام میں شہادت توحید اور شہادت رسالت کے بعد تیسری شہادت ندارد)۔

یہ امام محمد باقرؒ کی روایت ہے اور تیسری شہادت سے خالی ہے۔

(۲) ــــــ شیعہ کے اصول اربعہ کے مشہور مصنف شیخ صدوق نے اپنی معتبر تصنیف "من لا یحضرہ الفقیہ" میں امام جعفر صادقؒ سے تفصیلاً اذان نقل کی ہے اس میں اذان کے اٹھارہ[۱۸] کلمات الگ الگ شمار کر کے بیان کئے ہیں۔ ان تمام کلمات میں شہادت توحید اور رسالت الگ الگ ذکر کی ہے اور تیسری شہادت مرتضوی مفقود ہے۔ اس روایت کے بعد صاحب کتاب شیخ صدوق فرماتے ہیں کہ اذان صحیح (اٹھارہ کلمات والی) یہی ہے لا یزاد فیہ ولا ینقص (یعنی نہ اس میں زیادہ کرنا چاہیے اور نہ اس میں سے کم کرنا چاہیے) "المفوضۃ" لعنہم اللہ نے جھوٹی روایات تیار کر رکھی ہیں اور ان میں تیسری شہادت (علی ولی اللہ ۔۔۔ الخ) دو بارہ انہوں نے اذان میں بڑھا دی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی ولی اللہ ۔۔۔ ہیں لیکن اصل اذان میں یہ کلمات داخل نہیں۔[۲]

(۳) ــــــ لمعہ دمشقیہ کی شرح روضۃ البہیۃ میں اس بات کی بڑی وضاحت

---

[۱] فروع کافی ص۱۷۵ ج۱ باب بدء الاذان والاقامۃ۔ قدیم طبع نول کشور لکھنؤ۔

[۲] کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" ص۹۷ ج۱ تحت ابواب الاذان۔ طبع جدید ایران۔

کی ہے کہ ان کلمات کا عبادات میں داخل کرنا صحیح نہیں ان کلمات کا داخل کرنا بدعت ہے جیسا کہ نماز میں ایک رکعت کا بڑھا لینا یا ایک تشہد کا زیادہ کر لینا تشریعاً ناجائز ہے۔

۔۔۔۔ نیز فرماتے ہیں کہ:

"قال الصدوق ان ادخال ذالك فيه من وضع المفوضة وهم طائفة من الغلاة" [1]

تنبیہ:

کتاب شرائع الاسلام ۔ مقدمۃ السابعۃ (کیفیۃ الاذان) اور اس کی شرح مسالک الافہام (بحث الاذان) میں مسئلہ ہذا بڑی عمدہ نوعیت کے ساتھ درج ہے لکھا ہے کہ اذان میں یہ اضافہ کرنا شرعاً ناجائز ہے۔"

(۴) ـــــ ان کے مفسرین نے معراج شریف کا واقعہ جہاں درج کیا ہے وہاں لکھتے ہیں کہ آسمانوں پر فرشتہ نے اذان دی تھی اس اذان کو ان کے علماء نے نقل کیا ہے اس میں شہادت توحید اور شہادت رسالت تو موجود ہے لیکن تیسری شہادت ولایت علیؓ والی مفقود ہے [2]

معلوم ہوا کہ اصل اذان میں جا ہے وہ آسمانوں پر کہی جائے یا زمین پر کہی جائے تیسری شہادت (علوی) مفقود ہے۔

مختصر یہ ہے کہ صحیح اذان دین اسلام میں وہی ہے جو اہل اسلام میں ابتداء سے لے کر آج تک مروج ہے اس میں تیسری شہادت نہیں پائی جاتی اور شیعہ ائمہ اور علماء کی

---

[1] روضہ بہیہ شرح لمعہ دمشقیہ صفحہ ۱۰۶ ج ۱ الفصل الثالث فی کیفیۃ الصلوٰۃ ۔۔۔۔ الخ (طبع تہران۔

[2] (۱) تفسیر قمی ص ۳۶۳ تحت واقعہ معراج (آیت سبحن الذی اسری بعبدہ ۔۔۔۔ الخ) طبع قدیم
(۲) تفسیر الصافی صفحہ ۹۵۶ ج ۱ تحت آیت سبحن الذی اسری بعبدہ ۔۔۔۔ الخ طبع جدید تہران۔

تصریحات میں بھی یہ تیسری شہادت بالکل نہیں ۔ یہ ان کے علماء اور مجتہدین نے اپنی طرف سے اذان میں اضافہ کی ہے ۔ جس طرح اور مسائل انہوں نے اسلام میں اضافہ کر دیئے ہیں اسی طرح اذان میں بھی انہوں نے یہ تیسری شہادت اپنی طرف سے اضافہ کی ہے کتاب و سنت میں اور ان کے ائمہ کے قول و فعل میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ۔

اور مسلم بین الفریقین یہ مسئلہ ہے کہ احکام شرعیہ میں کسی واجب حکم کا اپنی طرف سے اضافہ اور ایزاد کرنا ناجائز ہے اور درست نہیں ۔ اذان جیسے شعائر اسلامی میں یہ کس طرح صحیح ہے ؟؟

اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے کئی مسائل میں مابہ الامتیاز قائم کرنے کے لیے اضافے کر دیئے ہیں ان میں سے یہ اضافہ بھی اسی نوعیت کا ہے ۔

(۴)

وضع الیدین وارسال الیدین

اسلام میں نماز ادا کرنے کا جو طریقہ ہے مشہور و معروف ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں قیام کے دوران دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے قریب رکھا جاتا ہے یہ طریقہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم فرمایا اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ سے یہ مسئلہ مندرجہ ذیل الفاظ میں منقول ہے ۔

۔۔۔۔ عن علی قال من السنۃ فی الصلوٰۃ وضع الکف تحت السرۃ ۔"

اور دوسری روایت میں حضرت علی ؓ سے اس طرح مروی ہے کہ جناب ؓ نے فرمایا :

ان من سنۃ الصلوٰۃ وضع الیمین علی الیسار

تحت السرۃ"۔ لہ

یعنی آنجناب فرماتے ہیں کہ نماز میں سنّت طریقہ یہ ہے کہ دست راست کو دست چپ پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

یہ مسئلہ دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے تاہم حضرت علی المرتضیٰؓ کے ایک دو فرمان ہم نے ذکر کر دیئے ہیں جو اصل مسئلہ کے مؤید ہیں اور ہاتھ کھول کر نماز ادا کرنا سنت نبوی اور حضرت علیؓ کے قول و فعل کے برخلاف ہے نہ حضرت علیؓ نے اور نہ ان کے جانشینوں نے کھلے ہاتھوں نماز پڑھی ہے نہ مکہ میں نہ مدینہ میں نہ کوفہ میں نہ اور کسی دیگر مقام میں ہاتھ کھول کر نماز ادا کی گئی۔

شیعہ کی طرف سے مسئلہ ہذا کی تائید

شیعہ کی معتبر کتابوں میں تحریر ہے کہ جب عورت نماز ادا کرنے لگے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے پر اس طرح رکھے کہ پستان اس کے ہاتھوں کے نیچے ہوں۔

"۔۔۔۔ وتضع یدیھا الی صدرھا لمکان ثدییھا"۔ لہ

حضرت علی المرتضیٰؓ کی تمام مکی اور مدنی زندگی میں نماز میں ہاتھوں کا باندھنا ثابت ہے حتیٰ کہ آپ نے دورِ خلافت میں بھی حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسی پر عمل جاری رکھا اور ہاتھ کھول کر نماز ادا نہیں کی۔

فلہٰذا اہل اسلام کے لیے یہی تعلیم ہے اور ثبوت مسئلہ کے لیے یہی حجت ہے۔

لہ (۱) مسند الامام احمدؒ ص۱۱۰ ج۱ تحت مسندات حضرت علیؓ۔ طبع اول۔ قدیم مصر۔

(۲) السنن للدار قطنی ص۱۰۷ جلد اول باب اخذ الشمال بالیمین فی الصلوٰۃ۔ مطبع انصاری۔ دہلی۔

لہ (۱) فروع کافی ص۱۹۸ ج۱ باب القیام والقعود فی الصلاۃ۔ طبع نولکشور۔ لکھنؤ۔

(۲) تہذیب الاحکام للشیخ طوسی ص۱۶۱ ج۱ کتاب الصلوٰۃ باب التکبیرات۔ طبع قدیم ایران۔

پھر ان مسائل کو اگر کوئی شخص "تقیہ" پر محمول کرے تو وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی تمام زندگی ان کے تمام اعمال کو اشتباہ میں ڈالنے کی مذموم کوشش کر رہا ہے۔ اور یہ چیز حضرت علی المرتضیٰؓ کی صداقت دیانت اور شجاعت کے برخلاف ہے یہ حضرات راست گو راست کردار تھے ان کے ہاں دورخی پالیسی ہرگز نہ تھی۔

۵
جنازہ میں چار تکبیریں

سابقہ فقہی مسائل کی طرح نماز جنازہ میں تکبیرات اربعہ کا مسئلہ مختصراً درج کیا جاتا ہے اس مسئلہ میں روایات مختلف پائی جاتی ہیں تاہم جو آخری قول و فعل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ یہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز جنازہ پڑھائی وہ چار تکبیرات پر مشتمل تھی۔

اس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی شمولیت کے ساتھ حضرت ابو مسعود انصاریؓ کے گھر میں مجلس مشاورت ہوئی اور یہ مجلس مشاورت حضرت عمر فاروقؓ کی نگرانی میں منعقد ہوئی تھی۔ اس اجتماع میں صحابہ کرامؓ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل جنازہ پر چار تکبیروں کا ہے فلہذا جنازہ پر چار تکبیریں کہنا چاہئیں (اس سے زائد تکبیریں جو سابقہ مروی ہیں وہ متروک العمل ہیں)

۔۔۔۔ اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیت ابی مسعود الانصاریؓ فاجمعوا ان التکبیر علی الجنازۃ اربعٌ[1]

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی ص۳۷ ج۴ کتاب الجنائز باب ما یستدل بہ علی ان اکثر الصحابۃ اجمعوا علی اربع۔

نیز ایسے مواقع کے لیے کبار محدثین نے ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ :

"وَاذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل به اصحابه من بعده۔" [1]

"یعنی اگر دو روایتیں متعارض پائی جائیں تو آنجنابؐ کے بعد آپ کے صحابہ کے عمل کی طرف نظر کی جائے گی کہ ان کا کیا معمول ہے؟

(۱) ان حالات میں مزید مسئلہ کو پختہ کرنے کے لیے جناب علی المرتضیٰؓ کا جو اپنے دور کا معمول تھا اس کو ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ جنازہ پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے چنانچہ جب آپ نے ایک شخص یزید بن المکفف کا جنازہ پڑھایا تو اس پر چار تکبیریں کہیں۔

"...... عن علی بن ابی طالبؓ انه صلی علی یزید بن المکفف فکبّر اربع تکبیرات۔ وهو اخر شیئ کبره علی الجنائز" [2]

(۲) کبار علماء نے واقعہ نقل کیا ہے کہ جب امیر المومنین علی المرتضیٰؓ کی شہادت ہوئی اور نماز ادا کرنے کے لیے جنابؓ کا جنازہ لایا گیا تو سیدنا حسنؓ نے حضرت علیؓ پر نماز جنازہ پڑھائی اور اس پر چار تکبیریں کہیں۔

"..... عن الشعبی ان الحسن بن علیؓ صلی علی علی بن ابی طالب فکبّر علیه اربع تکبیرات" [3]

(۳) جناب علی المرتضیٰؓ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کی نماز جنازہ جناب نبی

---

[1] سنن ابی داود ص ۱۱۱ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ۔ باب من قال لا یقطع الصلوٰۃ شیئ۔ طبع مجتبائی دہلی۔

[2] (۱) کتاب الآثار لامام محمدؒ ص ۴۲ باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ۔ طبع قدیم لکھنؤ۔

(۲) کتاب الآثار لامام محمدؒ ص ۸۲-۸۳ باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ طبع مجلس علمی کراچی۔ ڈابھیل۔

[3] (۱) طبقات لابن سعد ص ۲۵ ج ۳ القسم الاول تحت تذکرہ علی بن ابی طالبؓ" طبع لیدن

(۲) المستدرک للحاکم ص ۱۴۳ ج ۳ تحت مقتل امیر المومنین علیؓ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہار تکبیرات کے ساتھ ادا فرمائی ہے۔[1]

مسئلہ ہذا کی تفصیل کتاب رحماء بینھم حصہ صدیقی کے ص۱۷۶ اور ص۱۷۷ (تحت مسئلہ جنازہ) پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

شیعہ کتب سے تائید

نیز شیعہ کتب میں مسئلہ ہذا بعض روایات میں موجود ہے مثلاً فروع کافی میں امام جعفر صادقؒ کی روایت لکھی ہے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پر پانچ تکبیریں کہتے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو منافقین پہ نماز جنازہ ادا کرنے سے منع فرما دیا تو آپ جنازہ پر چار تکبیریں کہتے تھے اور لوٹ آتے تھے اور منافق میت پر دعا نہیں کرتے تھے۔

فلما نهاه الله عز و جل عن الصلوٰة على المنافقين كبّر وتشهد ثم كبّر و صلى على النبيين صلى الله عليهم ثم كبّر و دعا للمؤمنين ثم كبّر الرابعة وانصرف ولم يدع للميت"[2]

حاصل یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل، صحابہ کرامؓ کے اتفاق حضرت علی المرتضیٰ کے عمل سے اور حضرت امام حسنؓ کے فعل سے جنازہ پر چار تکبیرات ثابت ہوئیں اور اس پر امت مسلمہ کا تعامل چلا آیا ہے فلہٰذا نماز جنازہ میں چار تکبیر کا مسئلہ درست ہے اور واجب العمل ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ کی یہی تعلیم وتلقین ہے اور

---

[1] جمع الفوائد ص۲۰۰ ج۲ بحوالہ طبرانی کبیر و اوسط۔

[2] (۱) فروع کافی ص۹۵ جلد اول کتاب الجنائز باب علة تکبیر الخمس علی الجنائز۔ نول کشور لکھنؤ۔

(۲) علل الشرائع ص۳۰۲ باب ۲۴۴ طبع نجف اشرف۔

(۳) تہذیب الاحکام للشیخ محمد بن حسن الطوسی ص۱۷۷ باب الصلوٰة علی الاموات۔ طبع قدیم)

واضح ہوا کہ خمسہ تکبیرات کا مسئلہ متروک العمل ہے۔

(۶)

صلوٰۃ التراویح

دین اسلام میں جماعت تراویح کی بڑی اہمیت ہے اور یہ مسنون طریقہ ہے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے نماز تراویح جاری ہے[۱] اور عہد نبوی صلعم کے بعد صحابہ کرامؓ نے اس سنت کو جاری رکھا۔[۲] اس کی تفصیلات اپنے مقام میں محدثین نے ذکر کی ہیں یہاں اس مسئلہ کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف حضرت علی المرتضیٰؓ کے موقف کا ذکر کرنا کافی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کے عہد کے ایک بزرگ عرفجہ ذکر کرتے ہیں کہ رمضان شریف کی راتوں میں حضرت علی المرتضیٰؓ مرد وزن کو ارشاد فرماتے تھے کہ وہ نماز تراویح کے لیے جمع ہوں آپؓ مردوں کے لیے الگ اور عورتوں کے لیے جدا جدا امام مقرر فرماتے تھے جو ان کو تراویح پڑھائے۔ عرفجہ کہتے ہیں کہ عورتوں کی امامت کے لیے آپؓ نے مجھے حکم فرمایا۔ (پس میں عورتوں کو نماز تراویح پڑھاتا تھا)

اور خواتین کو نماز تراویح پڑھانے کا باپردہ انتظام ہوتا تھا۔

(۱) ۔۔۔۔ عن عمر الثقفی عن عرفجۃ (الثقفی) ان علیاً کان یامر الناس بالقیام فی شھر رمضان ویجعل للرجال

---

[۱] (۱) الصحیح لابن خزیمہ ص ۳۳۷-۳۳۸ ج ۳ باب ذکر قیام اللیل کلہ للمصلی مع الامام فی قیام رمضان۔

(۲) مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۴ تحت قیام شہر رمضان۔

[۲] السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۹۶ ج ۲ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان۔

اماماً وللنساء اماماً قال فامرنی فاممت النساء" [1]

(۲) ابو عبدالرحمان السلمی حضرت علی المرتضیٰ ؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ آنجناب ؓ (حضرت علیؓ) نے رمضان شریف میں قرآن مجید کے قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ تم لوگوں کو بیس (۲۰) رکعت تراویح پڑھایا کریں اور جناب علی المرتضیٰؓ وتر کی نماز خود پڑھاتے تھے۔

"۔۔۔عن عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمان السلمی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بھم۔ وروی ذالک من وجہ اٰخر عن علیؓ" [2]

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سے ایک بزرگ شتیر بن شکل رمضان شریف میں لوگوں کو بیس (۲۰) رکعت نماز تراویح اور تین رکعت نماز وتر پڑھاتے تھے۔

"۔۔۔ رویناعن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ انہ کان یؤمھم فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث" [3]

(۴) سوید بن غفلۃ (جو حضرت علی المرتضیٰؓ کے ایک مشہور شاگرد ہیں) کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ رمضان شریف میں وہ تراویح پڑھایا کرتے تھے جو بیس (۲۰) رکعت اور پانچ

---

[1] (۱) المصنف لعبد الرزاقؒ ص ۱۵۲ ج ۳ روایت ۵۱۲۵ طبع مجلس علمی

(۲) المنتقیٰ للذہبیؒ ص ۵۴۲ طبع مصر

[2] (۱) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۹۶، ۴۹۷ ج ثانی باب "ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان"

(۲) المنتقیٰ للذہبیؒ ص ۵۴۲ طبع مصر

[3] السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۹۶ جلد ثانی باب "ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان"

ترویحہ پر مشتمل ہوتی تھیں۔

۔۔۔۔۔ انباء ابو الحصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ "[1]

(۵) اہلِ علم کی اطلاع کے لیے یہ بات عرض کرنا خالی از فائدہ نہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں بیس رکعت (نماز تراویح) پڑھانے کا ارشاد فرمایا تھا جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے ذکر فرمایا ہے کہ:

"۔۔۔۔ ان علیاً امر رجلاً یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ "[2]

حاصل یہ ہے کہ رمضان شریف میں نماز تراویح کا پڑھنا اور بیس[20] رکعت کے ساتھ ادا کرنا ہمیشہ سے جاری ہے اور خصوصاً حضرت عمرؓ کے دور میں ۱۴ھ سے اس عمل پر مواظبت پائی گئی ہے پھر عہد عثمانی میں بھی اس پر عمل درآمد جاری رہا۔ پھر عہد علوی میں سابقہ طریق کے مطابق نماز تراویح باجماعت ادا کی جاتی رہی ہے۔ اور بیس[20] رکعات کے ساتھ پڑھی گئی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کے فرمان کے مطابق یہی عمل جاری رہا ہے۔ عہد مرتضوی میں نہ تو تراویح کو ترک کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کی تعداد بیس[20] رکعات میں کمی کی گئی ہے۔

پس اس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کا تعامل پایا گیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کی اولاد کا بھی تعامل اسی پر جاری رہا ہے اس میں کوئی اختلاف عہد علوی میں رونما نہیں ہوا۔ اس وقت سے لے کر اب تک مسجدوں میں جماعت تراویح تسلسل سے چلی آ رہی ہے تعامل امت میں کتنی قوت ہے اس کے لیے کبار علماء نے ایک قاعدہ درج کیا ہے اہل علم کے لیے ہم اسے پیش کیے دیتے ہیں۔

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۴۹۶ ج ۲ تحت باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ صفحہ ۳۹۳ ج ۲ تحت باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ" طبع دکن۔

القاعدہ

التوارث والتعامل ھو معظم الدین یعنی اذا ثبت تعامل الصحابة بامر فھو حجة قاطعة وسنة ثابتة لا یمکن دفعھا ۔[1]

مطلب یہ ہے کہ ایک معاملہ پر توارث اور تعامل دین کا اہم مسئلہ ہے یعنی جب ایک بات تعامل صحابہؓ سے ثابت ہو جائے تو وہ چیز سنت ثابتہ اور قطعی حجت ہے اس کا رد کرنا ممکن نہیں ۔

نیز یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "لا تجتمع امتی علی الضلالة" یعنی میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی ۔

فلہذا تراویح کے مسئلہ پر تمام ادوار میں مسلمانوں کا تعامل گمراہی پر اجتماع نہیں ہے اور نہ ہی یہ بدعت ہے بلکہ مسنون طریقہ ہے ۔

اب ہم اس مسئلہ پر شیعہ مذہب کی کتب سے تائید پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین کرام کو پوری طرح تسلی ہو جائے ۔ اور واضح ہو جائے کہ یہ عمل بدعت نہیں بلکہ اسلام میں ایک مسنون طریقہ ہے جس کو ابو الائمہ (علی بن ابی طالبؓ) اور ان کی اولاد شریف نے دواماً جاری رکھا ہے

شیعہ کتب سے تائید

امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رمضان شریف میں جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو عشاء کی نماز کے بعد نوافل میں اضافہ فرماتے ۔ جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تو لوگ آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے پھر کچھ دیر بعد آپ صلعم ان لوگوں کو چھوڑ کر گھر تشریف لے جاتے ۔ پھر گھر سے

---

[1] فیض الباری صفحہ ۲۵۴ جلد ثانی (حاشیہ صحیح بخاری) از حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ ۔

باہر تشریف لاتے اور لوگ آپ صلعم کی اقتدار میں کھڑے ہو جاتے۔ اسی طرح کئی بار جناب نبی کریمؐ ان لوگوں کو چھوڑ کر گھر تشریف لے جاتے اور پھر باہر تشریف لا کر نماز پڑھاتے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عشار کی نماز کے بعد رمضان شریف کے سوا نوافل نہ پڑھا کرو۔

اسی طرح عشار کی نماز کے بعد بائیس ۲۲ رکعات نوافل ادا کرنے کی روایت بھی یہاں مذکور ہے۔

"۔۔۔۔عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی صلوٰتہ فی شہر رمضان اذا صلّی العتمۃ صلی بعدھا فیقوم الناس خلفہ فیدخل ویدعھم ثم یخرج ایضاً فیجیئون ویقومون خلفہ فیدعھم ویدخل مراراً۔ قال وقال لاتصل بعد العتمۃ فی غیر شہر رمضان" [1]

مندرجہ بالا روایات سے مسئلہ واضح ہوا کہ رمضان شریف میں صلوٰۃ العشاء کے بعد نوافل کی نماز جماعت کے ساتھ ہوتی رہی ہے اور بعض روایات کی رو سے نوافل کی بائیس ۲۲ رکعات کا پڑھنا ثابت ہو رہا ہے۔ اسی کا نام صلوٰۃ التراویح ہے صرف نام کا فرق ہے کہ وہ حضرات اس کو نوافل کہتے ہیں اور ہم اسی نماز کو "صلوٰۃ التراویح" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

---

[1] (۱) فروع کافی صفحہ ۲۹۶ ج ۱ کتاب الصیام باب ما یزاد من الصلوٰۃ فی شہر رمضان۔ طبع لکھنؤ

(۲) الاستبصار للشیخ ابی جعفر الطوسی صفحہ ۲۳/۲۳۲ جلد اول باب الزیادات فی شہر رمضان۔ طبع لکھنؤ

(۳) تہذیب الاحکام للشیخ الطوسی صفحہ ۱۳/۱۳۱ کتاب الصلوٰۃ باب فضل شہر رمضان والصلوٰۃ فیہ زیادۃ علی النوافل المذکورہ۔ طبع ایران

(۷)

ماتم

اسلامی احکام میں ماتم کے عدم جواز کا حکم معروف و مشہور ہے۔ اسلام نے ماتم سے ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ اور کتاب و سنت میں صبر کی تعلیم دی گئی ہے۔ اب جتنے ماتم کے مظاہرے ہیں یہ سب صبر کے برخلاف چیزیں ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ نے اپنے فرمودات میں تمام انواع ماتم قائم کرنے سے روکا ہے۔

(۱) ــــ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کو فرمان ہے کہ جس شخص نے منہ پر طمانچے لگائے اپنے گریبان کو پھاڑا اور جاہلیت کے دور کی طرح واویلا کیا فلیس منا یعنی یہ شخص ہماری جماعت میں سے نہیں اور وہ اس امت میں سے نہیں ہے [۱]

(۲) ــــ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بطور وصیت ارشاد فرمایا:

"اذا انا مت فلا تخمشی علی وجها ولا ترخی علی شعراً ولا تنادی بالویل ولا تقیمی علی نائحۃ" [۲]

(۳) ــــ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد صبر کی تلقین کے متعلق شیعہ سنی دونوں مذاہب کی کتب میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔ ان فرامین مرتضوی میں سے ایک فرمان

---

[۱] مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۰ الفصل الاول باب البکاء علی المیت۔ بحوالہ

[۲] (۱) کتاب معانی الاخبار للشیخ صدوق الشیعی ص ۱۱۱ باب ۲۴۵ طبع قدیم ایران۔

(۲) فروع کافی ص ۲۲۸ ج ۲ کتاب النکاح باب صفۃ مبایعت النبی صلعم النساء

(۳) حیات القلوب از ملا باقر مجلسی ص ۸۵۲ جلد ثانی باب شصت و سوم (۶۳) در وصیت حضرت رسول۔

یہاں درج کیا جاتا ہے حضرت علی المرتضیٰؓ ارشاد فرماتے ہیں :

".....واعلموا ان منزلة الصبر من الایمان کمنزلة الرأس من الجسد فاذا ذهب الرأس ذهب الجسد واذا ذهب الصبر ذهب الایمان"[1]

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ کا فرمان ہے کہ لوگو! یقین کرو کہ صبر کا ایمان میں وہی مرتبہ ہے جیسے سر کا مرتبہ جسم میں ہے۔ جب سر چلا جاتا ہے تو جسم ختم ہو جاتا ہے اسی طرح جب صبر چلا جاتا ہے تو ایمان بھی چلا جاتا ہے۔

یہ صبر کے متعلق بڑی اہم تلقین ہے صبر کے چلے جانے سے گویا کہ ایمان ضائع ہو جاتا ہے مختصر یہ ہے کہ جتنی ماتم کی رسومات ہیں یہ سب صبر کے برخلاف ہیں ان کے قائم کرنے سے صبر جاتا ہے اور صبر کے جانے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ ماتم کرنے والے گو ظاہراً مسلمان کہلائیں مگر انہیں مومن نہیں کہا جا سکتا ایمان کا مقام بہت اونچا ہے جو کبھی بے صبری کرنے والے کو نہیں ملتا۔

(۴)۔۔۔ اس کے بعد سیدنا حسینؓ کا فرمان جو آپ نے اپنی گرامی قدر خواہر حضرت زینب کو کربلا میں دیا تھا وہ پیش کیا جاتا ہے اس میں سیدنا حسینؓ نے اپنی ہمشیرہ گرامی کو وصایا کے درجہ میں فرمایا،

"اے گرامی قدر خواہر! میں تجھے قسم دے کر کہتا ہوں کہ جب میں ظالموں کی تیغ سے عالم بقا کی طرف رحلت کر جاؤں تو میرے سوگ میں گریبان چاک نہ

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبۃ ص۲۸۴ ج۱۲ طبع کراچی تحت کتاب الزہد۔
(۲) نہج البلاغۃ ص۱۵۴ ج۲ طبع مصر تحت متفرق اقوال سیدنا علیؓ۔
(۳) نہج البلاغۃ ص۱۷۰ ج۲ طبع مصر تحت متفرق اقوال مرتضوی۔
(۴) شرح نہج البلاغۃ لابن میثم البحرانی ص۳۱۹-۳۲۰ ج۵ تحت متفرق اقوال مرتضوی متعلق صبر طبع ایران۔

کرنا۔ اپنے چہرہ کو زخمی نہ کرنا اور بے صبری میں واویلا نہ کرنا وغیرہ۔"

۔۔۔۔۔فقال لها یا اختاہ تعزّی بعزاء اللہ فان لی

ولکل مسلم اسوۃ برسول اللہ ثم قال انی اقسم علیک

فابری قسمی لا تشقی علی جیبًا ولا تخمشی علی وجھا ولا تدعی

علی بالویل والثبور۔۔۔۔۔ الخ لہ

یعنی انواع ماتم سے سیدنا حسینؓ نے اپنے اقارب کو بطور وصیت منع فرمایا یہ روایت شیعہ سنی دونوں کی کتب میں مذکور ہے۔ ہم نے صرف چند شیعی حوالہ جات پر اکتفا کیا ہے زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں۔ یہ شیعی حوالہ جات ذیل میں درج کر دیئے ہیں۔

پھر ماتم اجتماعی شکل میں کرنا اور اختیاری طور پر کرنا ان آہوں اور آنسوؤں سے بالکل جدا ہے جو عین صدمے کے موقع پر اضطراری درجہ میں کسی فرد سے ظاہر ہوں اور صدمہ کے بعد تین دن کے اندر اندر ہوں

یہاں سے واضح رہے کہ ماتم اور جو عزاداری شہدار کربلا میں صدیوں سے ہو رہا ہے بہمہ انواع ممنوع ہے اور بعض لوگ جو منع ماتم کی روایات کے ساتھ ایک استثنار (الاعزار الحسینؓ) کا اضافہ کر کے جواز پیدا کرتے ہیں وہ ہرگز درست نہیں کیونکہ یہ استثنار خود سیدنا حسینؓ کے آخری فرامین کے متعارض اور برخلاف ہے فلہذا یہ تاویل صحیح نہیں بلکہ فاسد ہے۔

لہ (۱) تاریخ یعقوبی الشیعی ص ۲۴۴ ج ۲ تحت مقتل حسینؓ۔ طبع بیروت۔

(۲) جلاء العیون الشیعی ص ۴۲۴ تحت بیان احوال شب عاشورا۔ طبع ایران۔

(۳) ناسخ التواریخ الشیعی ص ۲۵۳ ج ۶ کتاب دوم۔ تحت وصیت کردن امام حسینؓ زینب ودیگر اقارب مردوزن را۔ طبع قدیم۔

(۴) اخبار ماتم الشیعی ص ۶۲۰ ، ۶۲۱ مجلس ۲۳ تحت تلقین صبر۔ قدیم طبع۔

(۸)

متعہ

شیعہ کے نزدیک متعہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک عاقل و بالغ مرد ایک عاقلہ بالغہ عورت کے ساتھ ایک مقرر مدت کے لیے عہد کرے اس کے لیے کوئی معاوضہ متعین کرے اور اسے بیوی کی طرح استعمال کرے اس میں ان کے نزدیک نہ ہی شہادت درکار ہے نہ اعلان عام ہے اور نہ ہی عورت کے ولی کی اجازت یا اسے اطلاع ضروری ہے۔

جب کہ اہلِ سنّت کے نزدیک نکاح موقت اور متعہ ایک ہی چیز ہے وقت عہد تمتع کا لفظ بولیں یا نکاح کا جس میں وقت کی قید ہو دونوں کا حاصل ایک ہے فرق صرف استعمال الفاظ میں ہے۔ اور یہ دونوں نکاح موقّت ہو یا متعہ حرام ہیں سو یہ عمل اسلام میں ناجائز ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں نکاح موقّت کی صورت، کچھ زمانہ جائز رہی ہے لیکن اس میں شہادت ہوتی تھی یہ کوئی چھپا عمل نہ تھا۔ بعد میں اسلام نے اس فعل سے دوامًا منع کر دیا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ دیگر کئی امور ایک زمانہ تک جائز رہے لیکن بعد میں ان سے منع کر دیا گیا جیسے مسلم اور کافر کا نکاح اور شرب خمر اور ممانعت از زیارت قبور وغیرہ۔

مسئلہ ہذا اپنی جگہ پر تفصیلات کا متقاضی ہے لیکن طوالت سے بچنے کے لیے ہم یہاں صرف فرمان نبویؐ اور اقوال علی المرتضیٰؓ بقدر ضرورت مختصرًا پیش کرتے ہیں۔

فرمان نبویؐ بقول علی المرتضیٰؓ

محمد بن حنفیہ اپنے والد گرامی حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب علی المرتضیٰؓ کا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس گزر ہوا۔ عبداللہ بن عباس

متعۃ النساء کے جواز کے متعلق قول کر رہے تھے تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ معلوم کر کے ابن عباسؓ کو ارشاد فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز سے متعۃ النساء اور گدھے کے گوشت کو کھانے سے منع فرما دیا تھا۔

"۔۔۔۔۔ عن عبد اللہ والحسن ابنی محمد بن الحنفیۃ عن ابیھما ان علیاً مر بابن عباس وھو یفتی فی متعۃ النساء انہ لا بأس بھا فقال لہ علیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھیٰ عنھا وعن لحوم الحمر الاھلیۃ یوم خیبر۔" [1]

اس کے بعد ابن عباس اس مسئلہ کے جواز کے قول سے رک گئے اور سابق قول سے رجوع فرما لیا۔

اسی طرح سبرۃ بن معبد الجہنی و دیگر صحابہؓ نے بھی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا متعۃ النساء سے دواماً منع کا فرمان نقل کیا ہے اور یہ احادیث کی بیشتر کتب میں صحیح اسانید کے ساتھ موجود ہے چنانچہ ان میں سے ایک روایت ذیل میں پیش کی جاتی ہے سبرہ بن معبد کہتے ہیں کہ:

۔۔۔۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا کنا قد اذنا لکم فی ھذہ المتعۃ فمن کان عندہ من ھذہ النسوان

---

[1] (۱) کتاب السنن لسعید بن منصور ص ۲۱۰ ج اول باب ما جاء فی المتعۃ (مجلس علمی)

(۲) المصنف لعبد الرزاق ص ۵۰۱ ج ۷ باب المتعۃ (طبع مجلس علمی)

(۳) طحاوی شریف ص ۱۴ ج ۲ باب نکاح المتعۃ (طبع دہلی)

(۴) جامع الترمذی ص ۱۳۳ باب ما جاء فی نکاح المتعۃ (طبع مجتبائی دہلی)

(۵) مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۲ متفق علیہ فصل اول باب اعلان النکاح والخطبۃ (نور محمد دہلی)

(۶) المسند لامام احمد ص ۱۰۲ ج ۱ تحت مسندات علی کرم اللہ وجہہ۔

شئی فلیرسلہ فان اللہ قد حرّمھا الی یوم القیامۃ
ولا تأخذوا مما اتیتموھنّ شیئاً[1]

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے متعہ کے معاملہ میں تمہیں اجازت دے رکھی تھی اب جس کے پاس متعہ کے تحت کوئی عورت موجود ہو اسے اپنے پاس سے نکال دے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اب متعہ کو یوم قیامت تک حرام فرما دیا ہے اور ان عورتوں کو جو کچھ تم نے دے دیا تھا وہ ان سے واپس نہ لو۔"

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا متعہ کے متعلق یہ آخری فرمان ہے جس کی بنا پر اسلام میں متعۃ النساء ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اور بعض حضرات سے جو جواز کا قول پایا جاتا ہے وہ سابق دور کے متعلق ہے اور متروک ہے ان کو آخری حکم نہ پہنچنے کی بنا پر ان سے یہ قول صادر ہوا۔

عہدِ علوی سابق خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں متعہ ممنوع رہا اور اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے اپنے دورِ خلافت میں بھی متعہ کے امتناع پر دواماً عمل جاری رہا۔

فلہذا حضرت علیؓ اور ان کی اولاد شریف کے فرمودات کے مطابق حرمت متعہ دواماً ثابت ہے۔ پھر اس کے خلاف عمل نہیں پایا گیا۔

---

[1] (۱) کتاب مسند الحمیدی ص ۳۴۲ ج ۲ تحت مسانید سبرۃ بن معبد۔ طبع مجلس علمی۔
(۲) السنن للدارمی ص ۲۸۲ عن سبرۃ بن معبد باب نہی عن متعۃ النساء۔
(۳) مسلم شریف ص ۴۵۰ ج ۱ کتاب النکاح باب تحریم المتعہ۔ طبع دہلی۔
(۴) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۲ ج ۴ باب نکاح المتعہ، طبع حیدر آباد دکن)

شیعہ کتب سے تائید

امتناع متعہ کے متعلق شیعہ کے اکابر علماء نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے اپنے دور میں حلت متعہ کا فرمان جاری نہیں کیا۔ بلکہ حسب سابق حرمت متعہ کا حکم قائم رکھا۔

چنانچہ فروع کافی کتاب الروضہ میں حضرت علی المرتضیٰ کا ایک مفصل خطبہ مذکورہ ہے جس میں بہت سے احکام ایک ایک کر کے شمار کیے ہیں جن کو حضرت علی المرتضیٰ نے بدستور قائم رکھا اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکے۔ ان احکام میں متعۃ النکاح اور متعہ الحج بھی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ ؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لو امرت ..... وامرت باحلال المتعتین ----

اذاً لتفرقوا عنی "۔[1]

یعنی اگر میں متعہ النساء اور متعہ الحج کے حلال ہونے کا حکم کر دوں ...۔ تو اس وقت لوگ مجھ سے متفرق ہو جائیں"۔

حاصل یہ ہے کہ متعۃ النساء کو حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے حلال قرار نہیں دیا اور اپنے عہد خلافت میں بدستور سابق اس کی حرمت کا حکم قائم رکھا۔

جب کہ امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام برحق ہیں اور امام کے فرائض کی انجام دہی ان کی قدرت اور دسترس میں ہے اور امام اپنے دور حکومت و خلافت میں اپنے فرائض کی کما حقہ ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ احیاء سنت اور اقامت الحدود اس کے اولین فرائض میں سے ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل درآمد کا حقدار ہے[2]

---

[1] (۱) فروع کافی کتاب الروضہ ص ۲۹-۳۰ ج ۳ تحت خطبہ امیر المومنین ؑ طبع نول کشور لکھنؤ۔

(۲) روضۃ من الکافی مع ترجمہ وشرح فارسی ص ۱۹۶ تا ۱۰۷ ج ۱ طبع تہران (در دو جلدوں میں)۔

[2] نہج البلاغۃ ص ۲۰۲ ج ۱ تحت فریضۃ الامام ؑ (طبع مصر)

فلہذا امام برحق نے حرمت متعہ کے حکم کو بدستور قائم رکھتے ہوئے اپنے فریضہ کی بطریق احسن ادائیگی فرمائی۔

(۹)

ایک فقہی مسئلہ

ماقبل میں چند ایک فقہی مسائل ذکر کئے گئے ہیں اور انکی تائید میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے اقوال اور فرامین درج کر دیئے ہیں اب اسی سلسلہ میں ایک مشہور مسئلہ درج کرنا مناسب خیال کیا ہے وہ یہ ہے کہ سیّدنا علی المرتضیٰؓ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک عورت اور اس کی پھوپھی اور اسی طرح ایک عورت اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔

---- عن علیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یجمع بین المرأة وعمتھا وبین المرأة وخالتھا۔[1]

اسی طرح دیگر اکابر علماء مثلاً ابوبکر الجصاص الحنفی نے احکام القرآن میں بعبارت ذیل یہ مسئلہ بالوضاحت درج کیا ہے۔

---- وقد وردت الآثار متواترة فی النھی عن الجمع بین المرأة وعمتھا وخالتھا رواہ علیؓ وابن عباس و جابرؓ وابن عمرؓ وابوموسیٰؓ وابوسعید الخدریؓ وابوھریرہؓ وعائشةؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تنکح المرأة علی عمتھا ولا علی خالتھا ولا علی بنت اخیھا ولا علی بنت اختھا۔[2]

---

[1] کتاب السنۃ لمحمد بن نصر المروزی ص۵۸ تحت ذکر الوجہ الثانی من السنن۔

[2] احکام القرآن لابی بکر الجصاص الحنفی ص۱۶۲ ج۲ فصل فی النھی عن الجمع بین المرأة وعمتھا وخالتھا۔

یعنی نکاح ہذا کی منع میں متواتر روایات وارد ہوئی ہیں۔ روایات حضرت علی ابن عباس جابر ابن عمر ابو موسیٰ اشعری ابو سعید الخدری ابو ہریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مروی ہیں ان سب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھوپھی اگر نکاح میں ہے تو اس پر اس کی بھتیجی نکاح میں نہ لی جائے اسی طرح اگر اس کی خالہ نکاح میں ہے تو اس کی بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔ اگر بھتیجی نکاح میں ہے تو اس پر اس کی پھوپھی نکاح میں نہ لی جائے اور اگر اس کی بھانجی نکاح میں ہے تو اس کی خالہ سے نکاح نہ کیا جائے۔

حاصل یہ ہے کہ مسئلہ ہذا بشمول حضرت علی المرتضیٰؓ بہت سے صحابہ کرامؓ سے منقول ہے اور فرمان نبوی صلعم ان سب حضرات نے نقل کیا ہے کہ پھوپھی اور اس کی بھتیجی، خالہ اور اس کی بھانجی کسی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں۔ نیز علمائے کبار نے جہاں امت کے اجماعی مسائل جمع کیے ہیں وہاں مسئلہ ہذا کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

۔۔۔۔۔ واجمعوا علی ان لا تنکح المرأۃ علی عمتھا، ولا علی خالتھا۔۔۔۔ الخ [1]

شیعہ لوگ جو اس نکاح کے جواز کا قول ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ ہرگز درست نہیں۔ اسلام میں ایسا نکاح بالکل ناجائز ہے۔ اور یہی ابو الائمہ حضرت علی کی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت علیؓ کی اولاد فرمان نبوی اور اپنے جد اعلیٰ کے فرمان و فیصلہ کے خلاف کیسے حکم صادر فرماتے تھے؟

◎

---

[1] "الاجماع" لابی بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر (نیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ) ص ۸۵ تحت کتاب النکاح مسئلہ ۳۶۹ طبع آسیا باد۔ مکران۔

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کی شہادت کا واقعہ

واقعہ ہذا کے متعلق مصنفین نے کئی تفصیلات ذکر کی ہیں ان میں سے بقدر ضرورت یہاں درج کی جاتی ہیں بعض چیزیں یہاں واقعہ ہذا سے قبل پیشین گوئیوں کی صورت میں ہیں پھر اس کے بعد اصل واقعہ اور اس کا پس منظر بیان کرنا مناسب ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں کئی عناصر آنجناب کے خلاف تھے ان میں سے خاص طور پر خارجی لوگ تو حضرت امیر المومنین کی خلافت و امارت کو کسی صورت میں برداشت کرنے پر تیار نہیں تھے۔

شعبان ۳۸ھ میں جنگ نہران جب خارجیوں سے ہوئی ہے اور ان کے بے شمار لوگ اس جنگ میں مارے گئے تو ان لوگوں کے سینوں میں عناد کی آتش ہمیشہ بھڑکتی رہی۔ اور جذبہ انتقام میں یہ لوگ اپنے اپنے موقعہ کے انتظار میں رہے پھر آنحضرتؓ کی شہادت کا واقعہ ان لوگوں کی عداوت کے نتیجہ میں پیش آیا۔

قبل از شہادت کے حالات میں مؤرخین نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ مراد سے ایک شخص جناب علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا آنجنابؓ مسجد میں نماز ادا فرما رہے تھے از روئے خیر خواہی اگر عرض کیا کہ آنجنابؓ اپنی حفاظت کا انتظام فرمائیں قبیلہ مراد کے بعض لوگ آنجنابؓ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کوئی حارس اور نگران مقرر فرمالیں تو بہتر ہوگا حفاظتی تدبیر کی صورت میں یہ چیز ضروری ہے۔

تو اس کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے مسئلہ تقدیر کا بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: کہ ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے حفاظت کے لیے لگے ہوئے ہیں جب تقدیر غالب آجاتی ہے تو اس شخص سے الگ ہو جاتے ہیں اور اجل ایک

مضبوط ڈھال ہے

"..... عن ابی مجلز قال جاء رجل من مراد الی علیؓ وھو یصلی فی المسجد فقال احترس فان ناسا من مراد یریدون قتلک فقال ان مع کل رجل ملکین یحفظانہ مما لم یقدر فاذا جاء القدر خلیا بینہ وبینہ وان الاجل جنۃ حصینۃ" [1]

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہادت کی پیشین گوئی کئی روایات میں پائی جاتی ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت علیؓ کے مدینہ سے خارج ہونے کے وقت ایک بات ذکر کی تھی کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں انہوں نے فرمایا عراق کا ارادہ ہے تو انہوں نے اس وقت کہا کہ شاید وہاں آپ پر تلوار سے وار کیا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ بات معلوم ہے مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوگا..... الخ [2]

مختصر یہ ہے کہ کئی روایات میں موجود ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنے قتل کے متعلق نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پیش گوئی معلوم تھی اور آپ اس پر یقین رکھتے تھے اور اس سے خائف نہیں تھے۔ اور رضا بالقضاء کے مسئلہ پر عمل کئے ہوئے تھے۔

قاتلانہ حملہ

جنگ نہروان کے بعد مکہ شریف کے حرم میں تین خارجی جمع ہوئے اور انہوں نے ایک منصوبہ تیار کیا اور اس کے پورا کرنے کے لیے اپنی جانوں کو نذر کرنے کا عہد کیا۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک کہ یہ تین شخص یعنی علی بن ابی طالبؓ، معاویۃ

---

[1] طبقات لابن سعد ص ۲۲ ج ۳ تحت علی بن ابی طالبؓ۔ تحت عبدالرحمان بن ملجم المرادی وبیعۃ علی وردہ ایاہ۔

[2] (۱) مسند الحمیدی ص ۳۰ ج ۱ تحت احادیث علی بن ابی طالبؓ۔

(۲) الاصابہ مع الاستیعاب ص ۱۵۵ ج ۴ تحت ابی فزالۃ الانصاری۔

بن ابی سفیانؓ اور عمرو بن العاص زندہ ہیں تو امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے قتل کرنے سے اہل بلاد کو راحت پہنچانی لازم ہے اور ان لوگوں نے ہمارے بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ پس ان تینوں شخصوں کا خاتمہ ضروری ہے۔

اس پر انہوں نے آپس میں اس طور پر معاہدہ کیا کہ عبدالرحمان بن ملجم مرادی نے کہا کہ علیؓ کے قتل کا میں ذمہ لیتا ہوں اور برک بن عبداللہ نے کہا کہ معاویہ کو ختم کرنے کا میں عہد کرتا ہوں اور عمرو بن بکر نے کہا کہ عمرو بن العاص کے ہلاک کرنے کے لیے میں تمھیں کافی ہوں اور سترہ رمضان کی تاریخ طے کی کہ ان کے بلاد میں پہنچ کر ان تینوں پر حملہ صبح کی نماز پر کیا جائے۔

چنانچہ اس منصوبہ کو تمام کرنے کے لیے پختہ عہد کر کے یہ لوگ کوفہ شام اور مصر کی طرف چل دیئے۔

عبدالرحمان بن ملجم کوفہ میں پہنچا حضرت علی المرتضیٰؓ کی عادت مبارک تھی کہ فجر کی نماز کے لیے بہت سویرے اٹھتے تھے اور نماز کی طرف جاتے ہوئے لوگوں کو الصلوٰۃ الصلوٰۃ کے ساتھ ندا کرتے چلے جاتے۔ ابن ملجم اپنی مخصوص تلوار کے ساتھ اندھیرے میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے آپ کے سر مبارک میں زور سے تلوار لگائی جو سر میں گہری چلی گئی۔ خون سے جناب کی ریش مبارک تر بتر ہو گئی۔ اور لوگوں نے ابن ملجم کو پکڑ لیا نماز تیار تھی نماز کے لیے جعدہ بن ہبیرہ کو آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھائیں پس اس نے فجر کی نماز لوگوں کو پڑھائی اور حضرت علیؓ کو اپنے گھر کی طرف اٹھا کر لایا گیا اور عبدالرحمن بن ملجم کو بھی جکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں بچ نہ سکوں اور فوت ہو جاؤں تو اس کو قتل کر دینا اور اگر میں زندہ رہا تو میں جو معاملہ مناسب سمجھوں گا اس کے ساتھ کروں گا۔[1]

---

[1] (۱) البدایہ والنہایۃ لابن کثیرؒ ص ۳۲۶-۳۲۷ جلد سابع تحت سنہ مقتل علیؓ۔

(۲) مجمع الزوائد للہیثمی ص ۱۳۹-۱۴۰ جلد تاسع باب احوال علیؓ۔

(۳) طبقات لابن سعد ص ۲۳ ج ۳ تحت ذکر عبدالرحمان بن ملجم المرادی وبیعۃ علیؓ۔

حضرت امیر معاویہؓ پر حملہ

برک بن عبداللہ خارجی ملک شام (دمشق) پہنچا اور سابقہ متعین تاریخ کو صبح کی نماز میں جب حضرت امیر معاویہ تشریف لائے تو اس نے اپنی تلوار سے حضرت امیر معاویہ پر وار کیا۔ حضرت امیر معاویہؓ بھاگے تو تلوار کا وار ان کی سرین پر پڑا اس طرح حضرت امیر معاویہؓ کی جان بچ گئی لیکن سخت زخمی ہوئے۔ برک بن عبداللہ کو پکڑ لیا گیا (اس حالت میں اس نے اپنی دیگر ساتھیوں کے حملہ کا پروگرام بتایا) پھر اس کو اس کے شر و فساد سے بچنے کے لیے قتل کرا دیا گیا۔ اور حضرت امیر معاویہؓ علاج معالجہ کے بعد صحت یاب ہو گئے۔

نیز حضرت امیر معاویہؓ نے اس واقعہ کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہونے کے مقام میں مقصورہ بنوایا اور شرطی (نگران) کو بطور محافظ مقرر کرنے کا انتظام کیا۔

"۔۔۔۔۔ واما البرك بن عبد الله فقعد لمعاوية فخرج لصلوٰة الغداة فشد عليه بسيفه وادبر معاوية هاربًا فوقع السيف في اليته ۔۔۔۔ فامر به فقتل ۔۔۔۔ فامر معاويةؓ بعد ذالك بالمقصورات وقيام الشرط على رأسه ۔۔۔۔ الخ" [1]

حضرت عمروؓ بن العاص پر حملہ

تیسرے خارجی عمرو بن بکر نے مصر میں پہنچ کر صبح کی نماز کے وقت امام نماز پر حملہ کیا اس روز حضرت عمرو بن العاص اتفاقاً بیمار ہو گئے تھے اور اپنی جگہ پر انہوں نے نماز پڑھانے کے لیے خارجہ بن حبیبہ کو بھیجا تھا۔ خارجی کے حملے میں خارجہ موصوف قتل ہو گئے اور عمروؓ بن العاص بچ گئے۔ عمرو بن بکر خارجی پکڑا گیا جب اسے حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؓ نے

---

[1] (۱) مجمع الزوائد للہیثمی صفحہ ۱۴۲/۱۴۳ جلد تاسع باب آخر احوال علیؓ۔

(۲) البدایہ لابن کثیرؒ صفحہ ۳۲۹ ج ۷ تحت صفۃ مقتل علیؓ۔

فرمایا۔ تو نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے خارجہ کی موت کا ارادہ فرمایا۔
مختصر یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا گیا تاکہ مبدأ فساد ختم ہو جائے۔"

"۔۔۔۔ واما عمرو بن بکر فقعد لعمرو بن العاصؓ فی تلک اللیلۃ التی ضرب فیھا معاویۃؓ فلم یخرج واشتکی فیھا بطنہ فامر خارجہ بن حبیب وکان صاحب شرطتہ وکان من بنی عامر بن لوئ فخرج یصلی بالناس فشد علیہ وھو یری انہ عمرو بن العاص فضربہ بالسیف فقتلہ۔۔۔۔ قال عمرو اردتنی واللہ اراد خارجۃ وقدمہ وقتلہ۔۔۔ الخ"[1]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر حملہ ہوا ہے تو وہ نہایت شدید تھا اس میں سے جانبر ہونے کی اُمید نہ رہی۔ اس موقع میں متعدد چیزیں پیش آئی ہیں۔

استخلاف کا مسئلہ

ایک آنجنابؓ کے استخلاف اور قائم مقامی کا مسئلہ تھا تو بعض حضرات نے عرض کیا کہ آنجناب اپنا خلیفہ مقرر فرمایئے تو حضرتؓ نے ارشاد فرمایا:

"۔۔۔۔ قالوا فاستخلف علینا قال لا ولکن اترککم الی ما ترککم الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"[2]

یعنی میں اپنا خلیفہ مقرر نہیں کرتا لیکن میں تمھیں اس حالت پر چھوڑتا ہوں جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو چھوڑا تھا (آپؐ نے کسی کو اپنا نامزد خلیفہ مقرر نہیں فرمایا)

اور بعض دیگر روایات میں اس طرح ہے کہ جندب بن عبد اللہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔

---

[1] (۱) مجمع الزوائد الہیثمی ص ۱۴۲/۱۴۴ جلد تاسع باب آخر احوال علیؓ۔
(۲) کتاب المحبّر ص ۲۹۴ (طبع حیدرآباد دکن) لابی جعفر بغدادی
(۳) البدایۃ لابن کثیر ص ۳۲۹ ج ۷ تحت صفۃ مقتل علیؓ۔

[2] مسند امام احمدؒ ص ۱۳۰ ج ۱ تحت مسندات علیؓ۔

"یا امیر المؤمنین ان مت نبایع الحسن ؟ فقال لا امرکم ولا

انھاکم، انتم ابصر"۔[1]

یعنی اے امیر المؤمنین! اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو ہم (آپ کے فرزند) حسنؓ کے ساتھ

بیعت (خلافت) کریں؟ تو آنجنابؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں نہ تم کو اس بات کا حکم کرتا ہوں

اور نہ اس بات سے منع کرتا ہوں۔ تم خود اس بات کو جس طرح بہتر سمجھو۔

بعض وصایا اس کے بعد آنجنابؓ نے اپنے صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو کتاب و سنت پر قائم رہنے، تقویٰ اور پرہیزگاری سے متعلق

سے وصایا فرمائے اور محمد بن حنفیہ کے حق میں بھی ان کو وصیت فرمائی۔ ان کے ساتھ بہتر

معاملہ رکھنا ہوگا۔[2] اسی طرح بہت سے وصایا علماء نے لکھے ہیں جن کی تفصیلات اپنے مقام

پر موجود ہیں یہاں ہم نے اجمالاً دو تین چیزیں ذکر کی ہیں۔

جس وقت آنجناب پر ابن ملجم نے حملہ کیا ہے تو حملہ کے بعد اس کو پکڑنے

کی جو کوشش کی گئی تھی اس میں علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ مغیرہ بن نوفل بن حارث (ہاشمی)

نے ابن ملجم کو پکڑنے کے لیے اس پر ایک چادر ڈالی اور لپیٹ کر زمین پر دے مارا اور اس کے

ہاتھ سے تلوار کھینچ لی اور پھر اسے قید خانہ میں دے دیا۔

---- وھو الذی (مغیرہ بن نوفل) طرح علی ابن ملجم

القطیفۃ لما ضرب علیاً فامسکہ وضرب بہ الارض ونزع

منہ سیفہ وسجنہ ---- الخ[3]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ ص۳۲۷ ج۷ تحت صفۃ مقتل علیؓ۔

[2] البدایۃ لابن کثیرؒ ص۳۲۷ ج۷ تحت صفۃ مقتل علیؓ۔

[3] (۱) الاصابہ لابن حجرؒ ص۴۳۳ ج۳ معہ الاستیعاب تحت "المغیرہ بن نوفل بن الحارث" (الہاشمی)

(۲) اسد الغابہ ص۴۰۶ ج۴ تحت مغیرہ بن نوفل بن حارث (الہاشمی)

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ابن ملجم نے جامع مسجد کوفہ میں سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ کو صبح کے وقت حملہ کر کے آنجناب کو شدید زخمی کر دیا تھا۔ تین روز بعد تریسٹھ سال کی عمر میں آپؓ نے جام شہادت نوش فرمایا:

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد ابن ملجم کو سنگین طریقہ سے قتل کر دیا گیا۔[1]

غسل کفن دفن اور صلوٰۃ جنازہ

سیدنا علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد ان کے غسل اور کفن کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ جناب کے صاحبزادے سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ اور جناب کے برادر زادے عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے جناب کو غسل دیا اور کفن پوشی کی۔ آنجناب کا کفن تین کپڑوں پر مشتمل تھا جس میں قمیص نہیں تھا۔

"۔۔۔ وغسله الحسن والحسين وعبد الله بن جعفر وكفن في ثلاثة اثواب ليس فيها قميص"[2]

اس کے بعد جناب پر نماز جنازہ کی تیاری ہوئی۔ علماء تراجم نے یہاں ذکر کیا ہے کہ آنجناب پر آپ کے صاحبزادے سیدنا حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیروں کے ساتھ یہ نماز ادا کی۔[3]

یہ مسئلہ گزشتہ فقہی مسائل کے باب میں مسئلہ ۵ کے تحت گزر چکا ہے۔

جنازہ سے فراغت کے بعد آنجنابؓ کے دفن کا مسئلہ پیش آیا۔ آنجنابؓ کو کوفہ میں مسجد الجماعۃ

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ۳۲۷-۳۲۸ جلد سابع تحت صفۃ مقتل علیؓ۔

[2] طبقات لابن سعد ص ۲۵ ج ۳ قسم اول تحت علی بن ابی طالب۔

[3] (۱) المستدرک للحاکم ص ۱۴۳ ج ۳ تحت مقتل امیر المؤمنین علیؓ۔

(۲) طبقات لابن سعد ص ۲۵ ج ۳ قسم اول تحت علی بن ابی طالب۔

کے قریب الرحبہ کے مقام میں قبل از نماز فجر رات کو ہی دفن کر دیا گیا۔

"۔۔۔۔ ان الحسن بن علی علیؓ بن ابی طالب فکبر علیہ اربع تکبیرات و دفن علی بالکوفۃ عند مسجد الجماعۃ فی الرحبۃ مما یلی ابواب کندۃ قبل ان ینصرف الناس من صلوٰۃ الفجر" [1]

اور سیدنا علی المرتضیٰؓ کے مقام دفن کے معاملہ میں حافظ ابن کثیرؒ نے بعبارت ذیل تحریر کیا ہے کہ:

"۔۔۔۔ ودفن بدار الامارۃ بالکوفۃ خوفاً علیہ من الخوارج ان ینبشوا عن جثتہ، ھذا ھو المشھور من قال انہ حمل علی راحلتہ فذھبت بہ فلا یدری این ذھب فقد اخطأ وتکلف ما لا علم لہ بہ ولا یسیغہ عقل ولا شرع، وما یعتقدہ کثیر من جھلۃ الروافض من ان قبرہ بمشھد النجف فلا دلیل علی ذالک ولا اصل لہ" [2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو کوفہ میں دار الامارۃ میں دفن کیا گیا اس وجہ سے کہ خارجیوں کی طرف سے یہ خطرہ لاحق تھا کہ وہ آنجنابؓ کی نعش مبارک کی توہین اور بے حرمتی نہ کر ڈالیں۔ یہ قول مشہور ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنجناب کی نعش مبارک کو ایک سواری پر باندھ کر چھوڑ دیا گیا اور پھر معلوم نہ ہوگا کہ سواری کس طرف چلی گئی؟ تو یہ ان کا قول بالکل غلط ہے اور انہوں نے ایک نامعلوم چیز کے متعلق خواہ مخواہ تکلف کیا ہے اور نہ یہ عقلاً درست ہے اور نہ ہی شرعاً صحیح ہے۔

---

[1] طبقات لابن سعد ص ۲۵ ج ۳ قسم اول تحت ذکر عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی وبیعۃ علی الخ۔

[2] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۳۲۹ ج ۷ تحت صفۃ "مقتل علیؓ"۔

روافض لوگ جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنجناب ؓ کی قبر مشہد (نجف اشرف) میں ہے اس بات پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ چیز بے اصل ہے اور شہرت یافتہ ہے۔

عمر مبارک وعہد خلافت

سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کی شہادت کے وقت آنجناب کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی اور آنجناب کی خلافت کی مدت چار سال اور نو ماہ ہے۔

"۔۔۔ وکانت خلافة علی اربع سنین وتسعة اشھر۔۔

عن ابی اسحاق قال توفی علی ؓ وھو یومئذ ابن ثلاث وستین سنة"[1]

حضرت حسن ؓ کے ساتھ بیعت

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کے کفن دفن کے بعد جس مسئلہ پر تعجیلاً عمل کیا گیا وہ سیدنا حسن بن علی المرتضیٰ ؓ کی بیعت تھی۔ سیدنا حسن ؓ نے دار الامارة کو ذہین لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی تو تمام لوگوں نے آنجناب کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے بیعت خلافت کر لی۔

"۔۔۔ ثم انصرف الحسن بن علی من دفنه فدعا الناس الی بیعته فبایعوه"[2]

حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے ازواج اور اولاد

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعدد ازواج ہیں اور پھر ان سے ذکور اور اناث اولاد بھی ہے۔ یہاں پہلے مختصراً آنجناب ؓ کے ازواج کا ذکر کرتے ہیں اس کے بعد

---

[1] (۱) طبقات لابن سعد ص ۲۵ ج ۳ تحت تذکرہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ۔

(۲) البدایة لابن کثیر ص ۳۲۹، ۳۳۰ جلد سابع تحت صفة مقتل علی ؓ۔

[2] طبقات لابن سعد ص ۲۵ ج ۳ تحت تذکرہ علی المرتضیٰ ؓ۔

آنحضرتؐ کی اولاد کا اجمالی ذکر کیا جائے گا۔

ازواج

(۱) آنجنابؓ کی پہلی زوجہ محترمہ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ انؓ سے اولاد شریف معروف و مشہور ہے۔ (جیسا کہ آگے اجمالاً ذکر آرہا ہے) سیدہ فاطمہ کی زندگی میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے احتراماً دوسری شادی نہیں کی۔

غزوہ بدر کے بعد ان کے ساتھ نکاح ہوا تھا (نکاح کی تفصیلات بقدر کفایت "کتاب بنات اربعہؓ" میں ہم نے ذکر کر دی ہیں) ان سے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں متولد ہوئیں۔ زوج اور زوجہ کے تعلقات نہایت بہترین تھے ان کی تفصیلات میں ہم نہیں جا سکتے۔ حدیث اور تراجم کی کتابوں میں مفصل موجود ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد اٹھائیس[۲۸] یا انتیس سال کی عمر میں حضرت فاطمہؓ نے انتقال فرمایا (مشہور قول یہی ہے)

سیدہ فاطمہؓ کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو سیدہ موصوفہ نے حضرت ابوبکر صدیق کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو وصیت فرمائی کہ جب میں انتقال کر دوں تو میرے غسل کا انتظام آپ کریں چنانچہ انہوں نے حسب وصیت حضرت فاطمہؓ کے غسل کا انتظام کیا۔ اور قاعدہ شرعی کے مطابق حضرت فاطمہؓ کو بعد از وفات غسل دیا گیا۔ اور آپ کے ساتھ اس انتظام میں معاونت کرنے والے حضرت علی المرتضیٰؓ اور سلمیٰ (ام رافعؓ) تھیں۔

"۔۔۔ ولما حضرتها الوفاة اوصت الى اسماء بنت عميس امراة الصديق ان تغسلها فغسلتها هى وعلى بن ابى طالب وسلمى ام رافع"۔[۱]

---

[۱] (۱) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۳۳۳ ج ۶ تحت ذکر من توفی فی ہذہ سنۃ (سنہ ۱۱ھ)

(۲) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی ص ۴۳ ج ۲ تحت تذکرہ فاطمۃ بنت رسول اللہ صلعم۔

اور بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سیدہؓ نے اپنی وفات سے قبل ہی خود غسل فرما لیا اور وصیت فرمائی کہ اس کے بعد مجھے غسل نہ دیا جائے اس قول کے متعلق ابن کثیرؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ "فضعیفٌ لا یعول علیه واللہ اعلم" [1] اور قاعدہ شرعی کے بھی خلاف ہے۔

اہل علم کی توجہ کے لیے مختصراً اتنا عرض کر دینا مناسب ہے کہ عدم اغتسال کا یہ قول محمد بن اسحٰق نے نقل کیا ہے جن بعض روایات میں یہ چیز ملتی ہے وہاں محمد بن اسحٰق کے ذریعے مروی ہے اور محمد بن اسحٰق کے متفردات میں شمار کیا جاتا ہے (یہ ایسا قول ہے کہ لایتابع علیه) پھر بعد از غسل جناب سیدہ کا حضرت صدیق اکبرؓ نے جنازہ پڑھایا اور تستّر کی رعایت سے رات کو ہی جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ سیدہ کا وصال ۳ر رمضان شریف ۱۱ھ کو ہوا۔

(۲) حضرت اسماء بنت عمیسؓ خثعمیۃ پہلے یہ خاتون حضرت علی المرتضیٰؓ کے برادر حضرت جعفر الطیارؓ کے نکاح میں تھیں اس سے ان کی اولاد عبداللہ۔ عونؓ اور محمد بن جعفر متولد ہوئی [2] ان کی شہادت کے بعد محترمہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے نکاح میں آئیں۔ ان سے اولاد ہوئی ان میں سے محمد بن ابی بکر مشہور ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے انتقال کے بعد حضرت اسماء بنت عمیس نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے نکاح کیا۔ اور ان سے آپ کے فرزند یحییٰ بن علی ہیں [3]

(۳) حضرت امامہ بنت ابی العاص بن ربیع بن عبد شمس حضرت زینب بنت

---

[1] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ ص۳۳۴ ج۶ تحت ذکر من توفی فی سنۃ ۱۱ھ)

[2] نسب قریش ص۸۱ تحت ولد جعفر بن ابی طالب۔

[3] (۱) نسب قریش ص۴۲ تحت ولد علی بن ابی طالب

(۲) البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص۳۳۱ جلد سابع تحت ذکر زوجاتہ و بنیہ و بناتہ (علیؓ)

رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت امامہ بنت ابی العاص سے نکاح کیا۔ بقول بعض مؤرخین امامہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک صاحبزادہ محمد الاوسط متولد ہوا۔[1] حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے وقت امامہ جناب کے نکاح میں تھیں۔ آنجنابؓ کی شہادت کے بعد امامہ نے مغیرہ بن نوفل بن حارث (الہاشمی) سے نکاح کیا۔

"۔۔۔ وامامہ بنت ابی العاص: اوصی بھا ابو العاص الی الزبیر بن العوام۔ فتزوجھا علی بن ابی طالب فقتل عنھا فتزوجھا المغیرہ بن نوفل فھلکت عندہ۔ ولم تلد" [1]

(۴) لیلیٰ بنت مسعود بن خالد یہ خاتون بنی تمیم سے ہے حضرت علی المرتضیٰؓ سے ان کے دو صاحبزادے عبید اللہ اور ابوبکر متولد ہوئے حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے وقت یہ بھی آپ کے نکاح میں تھیں اور آنجناب کی شہادت کے بعد لیلیٰ بنت مسعود نے حضرت عبد اللہ بن جعفر الطیار سے نکاح کیا تھا۔[2]

تنبیہ: (مسئلہ رجعت)

بعض لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد یہ نظریہ تجویز کیا ہے کہ جناب علی المرتضیٰؓ قیامت سے پہلے واپس اس دنیا میں تشریف لائیں گے گویا کہ وہ ہماری آنکھوں سے غائب ہیں اور فوت نہیں ہوئے۔ اس نظریہ کی تشریحات انہوں نے اپنے زعم کے مطابق بہت کچھ قائم کر رکھی ہیں جو بالکل غلط اور کتاب و سنت کے شرعی قواعد کے برخلاف ہیں۔

---

[1] (۱) کتاب نسب قریش ص ۲۲ تحت اولاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) اسد الغابہ للجزری ص ۴۰۸ ج ۴ تحت مغیرہ بن نوفل بن حارث۔

(۳) اسد الغابہ للجزری ص ۴۰۰ ج ۵ تحت امامہ بنت ابی العاص بن ربیع۔

[2] کتاب السنن لسعید بن منصور ص ۲۴۴ جلد ثالث قسم اول تحت باب الجمع بین ابنۃ الرجل وامرأتہ۔

اس نظریہ کی تردید کے لیے اور اس کے کتاب وسنت کے برخلاف ہونے پر صرف ایک واقعہ یہاں درج کیا جاتا ہے جس پر مطلع ہونے کے بعد کسی دیگر چیز کی حاجت نہیں۔ یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاندان کا اپنا فیصلہ ہے۔

فیصلہ

ایک شخص عمرو بن الاصم ذکر کرتا ہے کہ میں ایک بار حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ اس وقت عمرو بن حریث کے مکان میں فروکش تھے میں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! بعض لوگ یہ گمان کئے ہوئے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قیامت سے پہلے واپس تشریف لائیں گے۔ یہ بات سن کر امام حسن رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور فرمایا کہ سبحان اللہ! اگر ہم اس بات کا یقین رکھتے تو ہم جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیوگان کا نکاح دوسری جگہ نہ کرتے۔ اور آنجناب رضی اللہ عنہ کی میراث کو باہم تقسیم نہ کرتے۔

"...عن عمرو بن الاصم قال دخلت علی الحسن بن علی رضی اللہ عنہ وھو فی دار عمرو بن حریث فقلت لہ ان ناساً یزعمون ان علیاً یرجع قبل یوم القیامۃ۔ فضحک وقال سبحان اللہ! لو علمنا ذالک ما تزوجنا نساءہ ولا ساھمنا میراثہ" [1]

مطلب یہ ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جناب رضی اللہ عنہ کی بیوگان کا دوسری جگہ نکاح کر لینا (جیسا کہ اوپر اختصاراً ذکر ہوا ہے) اور جناب رضی اللہ عنہ کے ترکہ کا وارثوں میں حسب حصص تقسیم کیا جانا

---

[1] (۱) طبقات لابن سعد ص ۲۶ ج ۳ القسم الاول تحت تذکرہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(۲) مسند لامام احمد رحمہ اللہ ص ۱۴۸ ج اول تحت مسندات علی رضی اللہ عنہ۔ طبع قدیم۔

(۳) المستدرک للحاکم ص ۱۴۵ ج ۳ تحت کتاب معرفۃ الصحابۃ۔

(۴) الفتح الربانی (ترتیب مسند احمد رحمہ اللہ) ص ۱۳۴ ج ۲۲

یہ چیزیں مذکورہ نظریہ رجعت کی تردید کے لیے کافی وافی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے ازواج مذکورہ کے علاوہ متعدد خواتین آپ کے نکاح میں تھیں مثلاً ام البنین، ام حبیبہ بنت زمعہ، ام سعید بنت عروۃ بن مسعود، خولہ بنت جعفر بن قیس۔ نیز کئی کنیزیں آپ کے پاس تھیں ان کو امّ ولد کہا جاتا ہے۔ ان سے بھی اولاد ہوئی [1]

اولاد ذکور

حضرت علی المرتضیٰؓ کے صاحبزادے مؤرخین نے چودہ[14] ذکر کئے ہیں اور بعض نے اس سے زائد بھی ذکر کئے ہیں۔

حضرت حسنؓ[1]، حسینؓ[2]، عباسؒ[3]، جعفرؒ[4]، عبداللہؒ[5]، عثمانؒ[6]، عبیداللہؒ[7]، ابوبکرؒ[8]، یحییٰ[9]، محمد الاصغر[10]، عونؒ[11]، عمرؒ[12]، محمد الاوسطؒ[13]، محمد الاکبرؒ[14] (ابن الحنفیۃ)

مذکورہ بالا فرزندوں میں سے پانچ صاحبزادوں سے نسل مرتضوی جاری ہوئی۔ باقی فرزندوں سے جاری نہیں ہوئی۔ جن فرزندوں سے نسل جاری ہوئی ان کے اسماء مندرجہ ذیل عبارت میں مذکور ہیں۔

وانما کان النسل من خمسۃ وھم الحسنؓ[1] والحسینؓ[2] و محمد[3] (ابن الحنفیۃ) والعباس[4] بن الکلابیۃ وعمر بن تغلبیۃ رضی اللہ عنھم اجمعین [2]

اولاد اناث

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ کی اولاد میں فرزندوں سے صاحبزادیاں زیادہ ہیں اور ان میں سے بعض کی اولاد ہوئی ہے اور بعض کی نسل نہیں چل سکی۔

حضرت سیدہ فاطمۃؓ زہرا سے حضرت زینبؓ الکبریٰ اور ام کلثومؓ الکبریٰ متولد ہوئیں۔ اور باقی ازواج میں سے بہت سی صاحبزادیاں ہیں مثلاً رقیہ، ام الحسن، رملۃ، زینب الصغریٰ،

[1] البدایہ والنہایۃ لابن کثیرؒ ص۳۳۱-۳۳۲ جلد سابع تحت ذکر زوجاتہ وبنیہ وبناتہ۔

[2] البدایہ والنہایۃ لابن کثیرؒ ص۳۳۲ج۷ تحت ذکر زوجاتہ، وبنیہ وبناتہ۔

رقیہ الصغریٰ، ام ھانی، ام الکرام، ام جعفر (جمانہ) ام سلمہ وغیرھا کم وبیش سولہ عدد مؤرخین نے ذکر کی ہیں [1]

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنجناب کی صاحبزادی حضرت زینب الکبریٰ کا نکاح آنجناب کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر الطیار سے ہوا اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔

اور دوسری صاحبزادی ام کلثوم الکبریٰ (جو سیدہ فاطمۃ الزہرا سے ہیں) کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق سے کر دیا تھا۔ اور ان سے ام کلثوم کی اولاد میں ایک فرزند زید بن عمر اور ایک لڑکی رقیہ بنت عمر متولد ہوئی [2] اور نکاح ام کلثوم کے مسئلہ کو ہم نے اپنی کتاب "رحماء بینھم" حصہ فاروقی میں بادلائل ذکر کر دیا ہے۔

اختتامی کلمات

مؤلف کی طرف سے یہ اعتراف ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی مکمل سیرت اور سوانح پیش کرنے کا ہم حق ادا نہیں کر سکے اور ان کے عالی منصب اور شان کے مطابق احوال ترتیب نہیں دیئے جا سکے۔ اختصار کے پیش نظر کئی مضامین زیر بحث نہیں لائے جا سکے۔

جو کچھ مواد پیش کیا گیا ہے وہ اپنے خیال میں اس دور کے تقاضوں کے

---

[1] نسب قریش لمصعب الزبیری ص ۴۱ تا ۴۶ تحت ولد علی بن ابی طالب۔

[2] نسب قریش ص ۳۴۹ تحت ولد عمر بن الخطاب۔

تحت مرتب کیا گیا ہے اس میں جو کمی اور خامی رہ گئی ہو اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ اسکی اصلاح فرمائیں اور دیگر حضرات جو چیز اس میں نفع مند خیال کریں اس سے استفادہ کریں اور دعائے خیر سے مؤلف کو یاد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو منظور فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ رحمۃ اللعالمین وعلی ازواجہ واھل بیتہ واصحابہ واتباعہ باحسان الی یوم الدین ۔ برحمتك یا ارحم الراحمین ۔

ناچیز

دعا جو ــــــ محمد نافع عفا اللہ عنہ

قریہ محمدی شریف ۔ ضلع جھنگ

ڈاک خانہ جامعہ محمدی شریف (پاکستان)

محرم الحرام ۱۴۰۹ھ اگست ۱۹۸۸ء

مراجع ومصادر کتب

برائے سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نمبر	کتاب	سن وفات
۱	کتاب الخراج۔ لامام ابی یوسف الانصاری رح	۱۸۲ھ
۲	کتاب الآثار۔ لامام ابی یوسف الانصاری رح	۱۸۲ھ
۳	کتاب الآثار۔ لامام محمد ابی عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی رح	۱۸۹ھ
۴	کتاب الخراج۔ یحییٰ بن آدم القرشی رح	۲۰۳ھ
۵	المصنف۔ لعبدالرزاق (الحافظ الکبیر ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی) (مجلس علمی)۔	۲۱۱ھ
۶	سیرت لابن ہشام (ابو محمد عبدالملک بن ہشام)۔	۲۱۳ھ / ۲۱۸ھ
۷	المسند للحمیدی (لامام ابی بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی) (مجلس علمی)۔	۲۱۹ھ
۸	کتاب الاموال۔ لابی عبید القاسم بن سلام	۲۲۴ھ
۹	السنن لسعید بن منصور (مجلس علمی)	۲۲۷ھ
۱۰	الطبقات الکبیر۔ لمحمد بن سعد (طبع لیڈن)	۲۳۰ھ / ۲۳۵ھ
۱۱	المصنف۔ لابن ابی شیبہ (ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ)	۲۳۵ھ
۱۲	نسب قریش۔ لمصعب الزبیری	۲۳۶ھ
۱۳	تاریخ خلیفہ ابن خیاط۔ (ابو عمرو) خلیفہ بن خیاط	۲۴۰ھ
۱۴	المسند۔ لامام احمد بن حنبل الشیبانی رح (طبع مصر) قدیم	۲۴۱ھ
۱۵	کتاب السنۃ۔ لامام احمد بن حنبل الشیبانی رح (طبع مصر)	۲۴۱ھ

۱۶	کتاب المحبّر۔ لابی جعفر محمد بن حبیب بن امیہ بغدادی	۲۴۵ھ
۱۷	المسند۔ للدارمی ابی عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل التمیمی سمرقندی الدارمی	۲۵۵ھ
۱۸	الادب المفرد : لامام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶ھ
۱۹	الصحیح البخاری۔ لامام محمد بن اسمٰعیل البخاری (طبع نور محمد دہلی)	۲۵۶ھ
۲۰	التاریخ الکبیر: لامام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶ھ
۲۱	الصحیح للمسلم لامام مسلم بن حجاج القشیری (طبع نور محمد دہلی)	۲۶۰ھ
۲۲	السنن لابن ماجۃ۔ (ابوعبداللہ محمد بن یزید ماجۃ) طبع دہلی	۲۷۳ھ / ۲۷۵ھ
۲۳	السنن لابی داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵ھ
۲۴	شمائل ترمذی۔ لابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۵ھ / ۲۷۹ھ
۲۵	المراسیل۔ لابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی	۲۷۵ھ
۲۶	انساب الاشراف۔ لاحمد بن یحییٰ البلاذری	۲۷۷ھ / ۲۷۹ھ
۲۷	کتاب المعرفۃ والتاریخ۔ لابی یوسف یعقوب بن سفیان البسوی	۲۷۷ھ
۲۸	کتاب السنۃ۔ لابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی	۲۹۴ھ
۲۹	کتاب قیام اللیل و قیام رمضان والوتر لابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی	۲۹۴ھ
۳۰	المنتقیٰ۔ لابن جارود (لابی محمد عبداللہ بن علی بن الجارود النیسابوری	۳۰۷ھ
۳۱	التاریخ۔ لمحمد بن جریر ابی جعفر الطبری	۳۱۰ھ
۳۲	کتاب الکنیٰ۔ للشیخ ابی بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی	۳۱۰ھ
۳۳	الصحیح، لابی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ السلمی نیشاپوری	۳۱۱ھ
۳۴	کتاب المصاحف۔ للحافظ ابی بکر عبداللہ بن ابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی	۳۱۶ھ
۳۵	الاجماع۔ لابی بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری	۳۱۸ھ

۳۶	احکام القرآن - لابی بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
۳۷	الفتنۃ و وقعۃ الجمل - للسیف بن عمر الضبی الاسدی	۴۰۰ھ
۳۸	المستدرک - للحاکم نیشاپوری (ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ)	۴۰۵ھ
۳۹	حلیۃ الاولیاء - لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۴۰	ذکر اخبار اصبہان - لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۴۱	فضائل الصدیق - لابی طالب محمد بن علی العشاری (مکتبہ سلفیہ ملتان، مع دیگر رسائل بحوالہ محدث ابی عوانۃ	۴۴۶ھ
۴۲	الفصل فی الملل والاھواء والنحل - لابن حزم الاندلسی (ابومحمد علی بن احمد بن سعید المعروف ابن حزم الظاہری الاندلسی	۴۵۶ھ
۴۳	السنن الکبریٰ - لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی	۴۵۸ھ
۴۴	الاعتقاد علی مذہب السلف - لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی	۴۵۸ھ
۴۵	دلائل النبوۃ - لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی	۴۵۸ھ
۴۶	التبصیر فی الدین - لابی المظفر الاسفرائنی	۴۷۱ھ
۴۷	اصول السرخسی - لشمس الائمہ ابی بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی	۴۸۳ھ / ۴۹۰ھ
۴۸	مفردات القرآن - لابی القاسم حسین بن محمد بن المفضل الراغب الاصفہانی	۵۰۲ھ
۴۹	کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد - لمحمد بن محمد بن محمد ابوحامد الغزالی الطوسی	۵۰۵ھ
۵۰	کیمیائے سعادت (فارسی) - لمحمد بن محمد بن محمد ابوحامد الغزالی الطوسی	۵۰۵ھ
۵۱	کتاب الفائق - للزمخشری	۵۳۸ھ
۵۲	العواصم من القواصم - لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی	۵۴۳ھ
۵۳	شرح الصحیح الترمذی - لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی	۵۴۳ھ
۵۴	غنیۃ الطالبین (مترجم) للشیخ کامل ابومحمد عبدالقادر بن ابی صالح جنگی دوست	

	الجیلانیؒ ----------------	۵۶۱ھ
۵۵	تہذیب وتلخیص۔ ابن عساکر لابن بدران عبدالقادر --------	۵۷۱ھ
۵۶	المنتظم۔ لابی الفرج ابن الجوزی ------------	۵۹۷ھ
۵۷	النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر لمحمد بن محمد المعروف لابن اثیر الجزری --	۶۰۶ھ
۵۸	جامع الاصول من احادیث رسولؐ۔ (ابوالسعادات مبارک بن محمد)۔	۶۰۶ھ
۵۹	المغنی۔ لابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ --------	۶۲۰ھ
۶۰	معجم البلدان۔ لشہاب الدین ابی عبداللہ المعروف یاقوت الحموی ----	۶۲۶ھ
۶۱	الکامل لابن اثیر الجزری۔ (ابوالحسن علی بن ابی الکرم) ------	۶۳۰ھ
۶۲	اسد الغابۃ۔ ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشہیر عزالدین المعروف ابن اثیر الجزری ------------	۶۳۰ھ
۶۳	مختار الصحاح۔ للشیخ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی۔ طبع مصر۔ تالیف۔	۶۶۰ھ
۶۴	تفسیر الجامع الاحکام القرآن (لابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المالکی الاندلسی	۶۷۱ھ
۶۵	تہذیب الاسماء واللغات۔ محی الدین یحییٰ بن شرف النواوی -----	۶۷۶ھ
۶۶	شرح مسلم شریف۔ محی الدین یحیی بن شرف النواوی ------	۶۷۶ھ
۶۷	التاریخ۔ لابن خلکان ------------	۶۸۱ھ
۶۸	ذخائر العقبیٰ۔ لمحب الطبری ------------	۶۹۴ھ
۶۹	منہاج السنۃ۔ لاحمد بن عبدالحلیم الحرانی الدمشقی الحنبلی المعروف ابن تیمیہ	۷۲۸ھ / ۷۴۸ھ
۷۰	مشکوٰۃ المصابیح۔ لولی الدین خطیب تبریزی۔ تالیف ------	۷۳۷ھ
۷۱	کتاب التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان رضؓ۔ لمحمد بن یحییٰ بن ابی بکر الاندلسی ------------	۷۴۱ھ
۷۲	سیر اعلام النبلاء۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی --------	۷۴۸ھ

۷۳	تذکرۃ الحفاظ ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی ۔	۷۴۸ھ
۷۴	میزان الاعتدال ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی ۔	۷۴۸ھ
۷۵	المنتقی ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی	۷۴۸ھ
۷۶	العبر ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی	۷۴۸ھ
۷۷	دول الاسلام ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی	۷۴۸ھ
۷۸	میزان الاعتدال ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی	۷۴۸ھ
۷۹	تاریخ الاسلام ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی	۷۴۸ھ
۸۰	اعلام الموقعین ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر الحنبلی الدمشقی المعروف ابن قیم الجوزیہ	۷۵۱ھ / ۷۵۶ھ
۸۱	نصب الرایۃ ۔ للشیخ جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی ۔ (مجلس علمی)	۷۶۲ھ
۸۲	البدایہ والنہایۃ ۔ لابن کثیرؒ (عماد الدین الدمشقی	۷۷۴ھ / ۷۷۵ھ
۸۳	تفسیر القرآن ۔ لابن کثیرؒ	״
۸۴	التاریخ ۔ لابن خلدون (عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون الحضرمی ۔ تالیف	۷۷۹ھ
۸۵	شرح المقاصد ۔ لسعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۱ھ
۸۶	شرح الطحاویۃ فی عقیدۃ السلفیہ ۔ لقاضی صدر الدین علی بن علی بن محمد بن ابی العز الحنفی	۷۹۲ھ
۸۷	تفسیر البرہان فی علوم القرآن ۔ لامام بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشی ۔	۷۹۴ھ
۸۸	مجمع الزوائد ۔ لنور الدین الہیثمی	۸۰۷ھ
۸۹	شرح المواقف ۔ للسید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶ھ
۹۰	القاموس ۔ للشیخ محمد بن یعقوب مجد الدین فیروز آبادی	۸۱۷ھ

۹۱	الاصابہ ۔ لابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۹۲	فتح الباری شرح بخاری شریف ۔ لابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۹۳	شرح نخبۃ الفکر ۔ لابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۹۴	تہذیب التہذیب ۔ لابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۹۵	عمدۃ القاری شرح بخاری ۔ لبدر الدین العینی	۸۵۵ھ
۹۶	سیرۃ الحلبیہ ۔ لعلی بر ہان الدین الحلبی	۹۰۰ھ
۹۷	مقاصد الحسنۃ ۔ لشمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
۹۸	المسامرہ ۔ لکمال الدین بن محمد بن محمد ابی شریف القدسی الشافعی	۹۰۹ھ
۹۹	وفاء الوفاء ۔ للشیخ نور الدین السمہودی	۹۱۱ھ
۱۰۰	اللآلی المصنوعۃ ۔ لجلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۱۰۱	دُرِّ منثور ۔ لجلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۱۰۲	ارشاد الساری شرح بخاری شریف ۔ لشہاب الدین احمد ابوبکر بن عبد الملک القسطلانی	۹۲۳ھ
۱۰۳	کتاب الیواقیت والجواہر ۔ للشیخ عبد الوہاب الشعرانی ۔ تالیف	۹۴۲ھ
۱۰۴	تاریخ الخمیس ۔ لدیار البکری (الشیخ حسین بن محمد بن الحسن	۹۷۰ھ
۱۰۵	الصواعق المحرقۃ معہ تطہیر الجنان ۔ لابن حجر مکی	~~۹۷۳ھ~~ ۹۷۵ھ
۱۰۶	کنز العمال ۔ لعلی متقی الہندی (طبع اوّل)	۹۷۵ھ
۱۰۷	مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف ۔ لملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۰۸	الموضوعات الکبیر ۔ لملّا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۰۹	شرح فقہ اکبر ۔ لملّا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۱۰	مکتوبات امام ربّانی رح ۔ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رح	۱۰۳۴ھ

۱۱۱	نسیم الریاض شرح الشفاء ۔ لشہاب الدین الخفاجی	۱۰۵۸ھ
۱۱۲	جمع الفوائد ۔ لمحمد بن محمد بن سلیمان الفاسی المغربی	۱۰۹۴ھ
۱۱۳	شرح مواہب اللدنیہ ۔ لمحمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی ۔ تالیف	۱۱۱۷ھ
۱۱۴	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ۔ للشیخ احمد بن الشیخ عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ
۱۱۵	ازالۃ الخفاء ۔ للشیخ احمد بن الشیخ عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ دہلوی ۔	۱۱۷۶ھ
۱۱۶	تحفہ اثنا عشریہ ۔ از شاہ عبدالعزیز بن احمد بن عبدالرحیم دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۱۷	الناہیہ عن طعن امیر المؤمنین معاویہ رض ۔ از مولانا عبدالعزیز پرہاروی ۔	۱۲۳۹ھ
۱۱۸	الموضوعات ۔ لمحمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰ھ
۱۱۹	الفوائد المجموعۃ ۔ لمحمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰ھ
۱۲۰	تفسیر القرآن ۔ للشوکانی " " "	۱۲۵۰ھ
۱۲۱	روح المعانی ۔ للسید محمود آلوسی البغدادی	۱۲۷۰ھ
۱۲۲	منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد ۔ تالیف احمد عبدالرحمن البناء الساعاتی	۱۳۵۱ھ
۱۲۳	فیض الباری حواشی صحیح بخاری ۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رح	۱۳۵۲ھ
۱۲۴	مسند عمر بن الخطاب ۔ لابی یوسف یعقوب بن شیبۃ بن الصلت (بیروت)	
۱۲۵	حدیث ثقلین ۔ از مولانا محمد نافع ۔ مؤلف کتاب ہذا ۔ سن تالیف	۱۳۸۲ھ
۱۲۶	رحماء بینہم ۔ حصہ صدیقی ؛ از مولانا محمد نافع مؤلف کتاب ہذا سن تالیف	۱۳۹۱ھ
۱۲۷	رحماء بینہم ۔ حصہ فاروقی ؛ " " " " " "	۱۳۹۶ھ
۱۲۸	رحماء بینہم ۔ حصہ عثمانی ؛ " " " " " "	۱۳۹۸ھ

۱۲۹	کتاب مسئلہ اقربا نوازی ۔ از مولانا محمد نافع ۔ سن تالیف	۱۴۰۰ھ
۱۳۰	بنات اربعہ ۔ " " " "	۱۴۰۴ھ
۱۳۱	مجلہ "فکر و نظر" از ادارہ تحقیقات اسلامی ۔ اسلام آباد ۔ جولائی ستمبر ۱۹۸۵ء	۱۴۰۵ھ

شیعہ کتب سے

مراجع و مصادر برائے سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۱	کتاب سلیم بن قیس الہلالی الکوفی الشیعی	۹۰ھ
۲	تاریخ یعقوبی ۔ لاحمد بن ابی یعقوب بن جعفر الکاتب العباسی الشیعی	۲۵۶ھ / ۲۵۸ھ
۳	اخبار الطوال ۔ لاحمد بن داؤد ابی حنیفہ الدینوری الشیعی	۲۸۲ھ
۴	بصائر الدرجات ۔ للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن الصفار الشیعی	۲۹۰ھ
۵	قرب الاسناد ۔ لعبد اللہ بن جعفر الحمیری من اصحاب حسن العسکری	قرنِ ثالث
۶	جعفریات ملحقہ بہ قرب الاسناد ۔ لابی علی محمد بن محمد بن الاشعث الکوفی	قرنِ ثالث
۷	تفسیر القمی ۔ لعلی بن ابراہیم القمی کان فی عصر الامام العسکری	۳۰۷ھ
۸	مقاتل الطالبیین ۔ لابی الفرج علی بن الحسین بن محمد الاصبہانی متوفی تالیف	۳۵۶ھ ۳۱۲ھ

۹	اصول کافی ۔ لمحمد بن یعقوب الکلینی الرازی	۳۲۹ھ
۱۰	فروع کافی ۔ 〃 〃 〃	۳۲۹ھ
۱۱	کتاب الروضۃ من الکافی 〃 〃 〃 〃	۳۲۹ھ
۱۲	مروج الذہب ۔ لابی الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی الشیعی	۳۴۶ھ
۱۳	علل الشرائع ۔ للشیخ صدوق ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ ابن بابویہ القمی	۳۸۱ھ
۱۴	کتاب معانی الاخبار ۔ للشیخ صدوق ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ ابن بابویہ القمی	۳۸۱ھ
۱۵	رجال کشی ۔ لابی عمرو محمد بن عمر بن عبد العزیز الکشی	قرن رابع
۱۶	نہج البلاغۃ ۔ للسید الشریف الرضی ابی الحسن محمد بن ابی احمد الحسین	۴۰۴ھ
۱۷	کتاب الشافی معہ تلخیص شافی ۔ للسید مرتضیٰ علم الہدیٰ	۴۰۶ھ
۱۸	کتاب تنزیہ الانبیاء والائمہ ۔ للسید مرتضیٰ علم الہدیٰ	۴۰۶ھ
۱۹	کتاب الارشاد ۔ للشیخ محمد بن نعمان المفید (الشیخ المفید)	۴۱۳ھ
۲۰	الاستبصار ۔ للشیخ ابی جعفر الطوسی (محمد بن حسن)	۴۶۰ھ
۲۱	الامالی ۔ للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن شیخ الطائفہ الطوسی	۴۶۰ھ
۲۲	تہذیب الاحکام ۔ لابی جعفر محمد بن حسن الطوسی	۴۶۰ھ
۲۳	الاحتجاج للطبرسی ۔ للشیخ ابی منصور احمد بن علی الطبرسی	۵۴۸ھ
۲۴	شرح نہج البلاغۃ ۔ لابن ابی الحدید ابو حامد عبد الحمید بن بہاؤ الدین محمد المدائنی (الشیعی المعتزلی)	۶۵۶ھ
۲۵	شرح نہج البلاغۃ ۔ لکمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی	۶۷۹ھ
۲۶	کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ ۔ لعلی بن عیسیٰ الاربلی ۔ سن تالیف	۶۸۷ھ

۲۷	عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب ۔للسید جمال الدین ابن عنبۃ ...	۸۲۸ھ
۲۸	بحار الانوار ۔لمحمد باقر بن محمد تقی المجلسی ----------	۱۱۱۰ھ ۱۱۱۱ھ
۲۹	جلاء العیون ۔لمحمد باقر بن محمد تقی المجلسی ----------	″ //
۳۰	حیات القلوب ۔ از ملاّ محمد باقر بن محمد تقی المجلسی ----------	″ //
۳۱	حق الیقین ۔ از ملاّ محمد باقر بن محمد تقی المجلسی ----------	″ //
۳۲	تفسیر الصافی ۔لمحمد بن المرتضیٰ المحسن الملقب بالفیض کاشانی (قرن حادی عشر)	۱۲۹۱ھ
۳۳	الدرة النجفیة (شرح نہج البلاغة) للشیخ ابراہیم بن حاجی حسین الدنبلی ---	۱۲۹۱ھ
۳۴	ناسخ التواریخ ۔از لسان الملک میرزا محمد تقی وزیر اعظم سلطان ناصر الدین قاچار ایران ----------	۱۲۹۷ھ
۳۵	اخبار ماتم ۔تالیف محمد حسین بن محمد علی (مطبوعہ رامپور) تالیف ---	۱۲۸۵ھ
۳۶	منتہی الآمال ۔للشیخ عباس القمی ----------	۱۳۵۹ھ
۳۷	سیرت امیر المومنین علیہ السلام ۔ از مفتی جعفر حسین الشیعی (آف گوجرانوالہ) -	قرن رابع عشر